صلی اللہ علیہ وسلم
محمد عربی
www.KitaboSunnat.com
محمد عنایت اللہ سبحانی

...... سیرتِ نبویؐ ایک نئے انداز میں ......

﴿ محمد عنایت اللہ سبحانی ﴾

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۳۔کورٹ سٹریٹ، لوئر مال، لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر بے شار کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائیں گی۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات اتنی جامع اور بزرگ و برتر ہے کہ کسی ایک مصنف کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔ خود ہم نے اس موضوع پر نادر کتب (محسن انسانیت مؤلفہ نعیم صدیقی صاحب اور حیات طیبہ مؤلفہ ابو سلیم محمد عبدالحئی) شائع کی ہیں جو اپنے منفرد انداز اور افادیت کی وجہ سے ہر طبقہ میں مقبول ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود یہ خواہش ہمیشہ باقی ہی رہی کہ اس عظیم موضوع پر کچھ اور شائع کیا جائے اور اس سعادت میں جتنا بھی حصہ لیا جا سکتا ہے لیا جائے۔

الحمد للہ اب ہم محمد عربی ﷺ مترجم عنایت اللہ سبحانی صاحب ... ایک ایسی کتاب شائع کر رہے ہیں جو اپنی سلاست و روانی اور اثر آفرینی میں نہایت بلند مقام رکھتی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ہندوستان میں شائع ہوا اور اب مترجم موصوف نے نظر ثانی اور اضافوں کے بعد اس کو شائع کرنے کے لیے ہمیں مرحمت فرمائی۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ ہمیں اس سعادت میں حصہ لینے کا موقع فراہم کر دیا۔

کتاب جو کچھ ہے اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہو گا۔ ہم اس کو اپنے بلند معیار طباعت پر شائع کر رہے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس کو وہی قبولیت عام حاصل ہو گی جو اس کے شایان شان ہے۔

منیجنگ ڈائریکٹر

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، پاکستان

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ط

اردو زبان میں سیرت نبوی پر اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس میں ایسی قابل ذکر کتابیں بھی موجود ہیں جو دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ راہ نکالی کہ میں اس زبان میں اس موضوع کی کچھ خدمت کر سکوں۔ مجھے امید ہے کہ کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے بھی فائدے سے خالی نہ رہے گا جنہوں نے اس موضوع پر دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک عربی کتاب کا نقش ثانی ہے۔ عرصہ ہوا مصر میں محکمۂ تعلیم و تربیت کے نگران عام الاستاذ محمد احمد برانق کی نگرانی و سرپرستی میں سیرت نبوی پر ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جو چودہ حصوں پر مشتمل تھا۔ یہ مجموعہ محترم عبدالحی صاحب مدیر الحسنات کو مکہ معظمہ کے کسی مکتبہ پر نظر آیا۔ موصوف کو جو کہ خود "حیات طیبہ" جیسی مقبول عام کتاب کے مصنف ہیں یہ کتاب بہت پسند آئی۔ آپ اسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ آپ کا خیال تھا کہ اسی انداز کی کتاب اردو زبان میں بھی آ جائے تو بہت مفید رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت میرے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ چنانچہ موصوف کی یہ پاکیزہ خواہش اللہ تعالیٰ اپنے اس ناتواں بندے کے ہاتھوں پوری کرا رہا ہے۔ ذٰلِکَ

الْفَضْلُ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

میں نے اس کتاب کی شروع سے آخر تک پیروی کی ہے، اور اسی کی ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ اس کے پیرایۂ بیان اور اسلوب نگارش کو بھی برقرار رکھنے کی اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔ پھر بھی میں اس کا بالکل پابند ہو کر نہیں رہا ہوں۔ اس لیے اسے اس کا ترجمہ یا ترجمانی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنے فہم کے مطابق میں نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے، اصلاح و ترمیم اور

عظمت اور محبت کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھا۔ دوست اور دشمن دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بارعب، دلآویز اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ جیسا شخص کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپؐ کو دیکھ کر آدمی پر رعب طاری ہو جاتا تھا۔ فرش خاک پر بے سروسامان ساتھیوں کے درمیان بھی آپ کی ہیبت وعظمت کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے قیصر وکسریٰ اور نجاشی تمام جاہ وجلال اور تزک واحتشام کے ساتھ اپنے تخت وتاج میں ہیچ نظر آتے تھے۔ ساتھ ہی آپؐ کے اندر بلا کی کشش تھی جو شخص قریب سے دیکھتا آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپؐ کے ساتھی دل وجان سے آپ پر فدا تھے۔

یہ محض دو آدمیوں کا احساس نہیں ہے۔ تاریخ کی بے شمار مثالیں گواہ ہیں کہ یہ ایک عام احساس تھا۔ پھر یہ احساس آپ کی زندگی ہی تک محدود نہیں رہا۔ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج آپؐ کی سیرت پڑھنے سے یہی احساس ہوتا ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند، دوست ہو یا دشمن، اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا نام اسلام ہے جس پر انسان کی فلاح ونجات کا دارومدار ہے۔ حقیقی اطاعت کی بنیاد اور روح یہی محبت اور تعظیم ہے۔ یہ دونوں جذبات کسی کے بارے میں جتنے زیادہ ہوتے ہیں، اس کی اطاعت اتنی ہی کامل اور پائیدار ہوتی ہے۔ آسانی سے بے چون وچرا ہوتی ہے، ذوق وشوق سے ہوتی ہے، جوش اور ولولے سے ہوتی ہے اور شرف وعزت سمجھ کر ہوتی ہے۔ پھر آدمی اطاعت ہی پر قناعت نہیں کرتا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اتباع کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے پیشوا کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا کو محبت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنے کی فکر کرتا ہے۔ سرور عالم ﷺ سے محبت وعقیدت اور آپ کی عظمت وبرتری کے احساس کی اس کیفیت کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کا ذریعہ آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ ہے۔ یوں کہیے کہ آپؐ کے بارے میں ہم سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک سلیم الفطرت انسان کے اندر اس اطاعت کا جذبہ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے خود بخود پیدا ہوتا ہے، پیدا کرنا نہیں پڑتا۔ یہ مطالعہ غور سے ہونا چاہیے اور بار بار ہونا چاہیے کیونکہ عظمت وبرتری کا احساس تو ایک بار کے مطالعہ سے بھی کسی حد تک ہو سکتا ہے لیکن محبت پیدا کرنے کے لیے بار بار مطالعہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے مذکورہ الفاظ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

کیونکہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ سے قریب رہنے اور ساتھ چلتے رہنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ کا اتباع جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ آدمی کے سیرت و کردار میں اپنی صلاحیت اور کوشش کے مطابق رسولؐ کی شخصیت کی جھلک نظر آئے۔ اب جس کسی کا حوصلہ ہے ایک شخصیت کی تعمیر کا جس میں کشش اور دلآویزی ہو، عظمت اور بزرگی ہو، رعب اور دبدبہ ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بنیاد بنائے اور اس کا مطالعہ کرتا رہے۔ آپؐ کی سیرت کا مطالعہ تمام سیرتوں سے بے نیاز کر سکتا ہے لیکن تمام عظیم ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ آپؐ کی سیرت سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔

یہ شاعری ہے یا حقیقت؟ اس کا صحیح فیصلہ آپؐ کی سیرت کے عمیق اور گہرے مطالعہ کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ فقدہ ہی واقفی

محمد امانت اللہ اصلاحی

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

٭٭٭

آسمان سے زمین میں آ گئے ہیں اور یہیں سے وہ پتھر مقدس سمجھے جانے لگے، کیونکہ بعض قومیں تاروں کی عظمت کی قائل تھیں۔ اس لیے ان میں خلاق عالم کی قدرت کا جلوہ تھا، اس کی طاقت اور عظمت کا پرتو تھا۔

اس لیے جن پتھروں کے بارے میں انہیں گمان ہوتا کہ یہ ستاروں سے ٹوٹے ہوئے ہیں، ان کو وہ بہت متبرک سمجھتے اور ان کی بے انتہا تعظیم کرتے پھر عظمت کا یہ تصور اور آگے بڑھا، اور ان کی پوجا بھی ہونے لگی۔

نسلوں پر نسلیں گزرتی رہیں، یہاں تک کہ یہ عقیدہ بالکل پختہ ہو گیا چنانچہ اب کوئی بھی پتھر مل جاتا جو خوب صورت اور سڈول ہوتا یا جس کی ساخت میں کچھ نیا پن ہوتا یا جو کسی مخلوق کی شکل سے مشابہ ہوتا تو اس کی عظمت ان کے دل میں بیٹھ جاتی، اور وہ اس کو پوجنے لگتے۔

پھر وہ ایک قدم اور آگے بڑھے یعنی اب وہ پتھروں کو خود تراشتے۔ خود اپنی پسند کے مجسمے بناتے اور جس بزرگ یا دیوتا سے چاہتے انہیں منسوب کر دیتے نیز جو دل چاہتا، ان کے نام رکھ لیتے۔ پھر ان کو ایک جگہ نصب کر کے انہیں پوجنا شروع کر دیتے۔ عقیدت و محبت میں ان پر نذرانے چڑھاتے اور ان کے نام پر منتیں مانتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ دیوتا اللہ کے یہاں سفارش کریں گے۔ بگڑے ہوئے کام بھی بنا دیں گے اور آخرت میں ذریعہ نجات بھی ہوں گے۔

مکہ میں سب سے پہلے جو بت داخل ہوا، اور پھر صحن کعبہ میں نصب ہوا وہ ہبل تھا۔ اس کو لانے والا شخص عمرو بن لحی تھا۔ یہ کہیں سفر کو جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک مقام سے گزر ہوا۔ دیکھا، لوگ مورتیاں پوج رہے ہیں۔ اس کو یہ منظر بہت بھلا معلوم ہوا۔ چنانچہ ان سے اس نے کہا کہ ایک مورتی ہمیں بھی دے دو۔ ہم اپنے یہاں لے جائیں گے اور ہم بھی اس کی پوجا کریں گے۔ اس پر لوگ بخوشی تیار ہو گئے اور وہ مورتی لے کر مکہ آ گیا۔

پھر رفتہ رفتہ کعبہ میں اور مورتیاں آ گئیں۔ ان میں دو مشہور مورتیاں اساف اور نائلہ بھی تھیں۔ یہ چاہ زمزم پر نصب تھیں کیونکہ اس وقت وہ بالکل پٹ چکا تھا۔ جس سے لوگ اس کے نام تک سے ناآشنا تھے۔

پھر یہی نہیں، بیشتر قبیلوں کی اپنی اپنی مورتیاں بھی تھیں جو ادھر ادھر مختلف علاقوں میں نصب

۳۔ رفادہ: قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے منیٰ اور مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کی جاتی۔ اس کے ذمہ اسی کا انتظام تھا۔

کعبہ سے متعلق بھی ایک عہدہ قائم کیا اور اس کا نام "حجابہ" رکھا۔ جو اس عہدے کا ذمہ دار ہوتا، وہی کعبہ کا کلید بردار ہوتا۔ کعبہ سے متعلق سارے کام اسی کے سپرد ہوتے۔ کوئی کعبہ کے اندر جانا چاہتا تو پہلے اس سے اجازت لیتا۔ اس کی اجازت کے بغیر اندر جانا منع تھا۔

یہ تینوں عہدے عربوں کے نزدیک بہت محترم تھے۔ اگر کسی کو ان میں سے کوئی عہدہ مل جاتا یا کسی عہدے میں دوسرے کا شریک ہو جاتا تو مارے خوشی کے وہ پھولا نہ سماتا۔ سمجھتا کہ گویا اسے کسی اقلیم کی بادشاہت مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قصی نے ان سارے عہدوں کو اپنے لیے مخصوص رکھا۔

یہ عہدے تو حج اور کعبہ سے متعلق تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی عہدے تھے، جو سب قصی کے ہاتھ میں تھے۔

پھر جب وہ بوڑھے ہو گئے اور ساری ذمہ داریوں کا بار اٹھانا دشوار ہو گیا تو انہوں نے یہ تینوں عہدے عبدالدار کے سپرد کر دیئے۔ یہ قصی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

بعد میں یہ عہدے عبدالدار سے ان کے بیٹوں میں منتقل ہو گئے۔

قصی کے ایک اور بیٹے تھے عبد مناف۔ چونکہ ان کی اولاد اثر و رسوخ میں عبدالدار کی اولاد سے بڑھی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے فیصلہ کر لیا۔ چچیرے بھائیوں سے ان عہدوں کے چھیننے کا۔

چنانچہ بڑی کشمکش رہی۔ خاندان عبدالدار نے عہدے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ لیکن پھر صلح ہو گئی، اور طے ہوا کہ یہ عہدے دونوں میں تقسیم ہو جائیں۔

تقسیم ہوئی تو آل مناف کے حصہ میں سقایہ اور رفادہ آیا۔

عبد مناف کے ایک بیٹے کا نام ہاشم تھا۔ یہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے۔ اس لیے یہ دونوں عہدے انہی کو ملے۔

ہاشم بہت دردمند، غریب پرور اور رحم دل انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رفادہ کی سنت انہوں

نے بھی جاری رکھی۔ چنانچہ حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔ نہ صرف حاجیوں کے لیے انتظام کرتے، بلکہ مکہ کے غریبوں کا بھی بہت خیال رکھتے۔ انہوں نے اہل مکہ کی مالی حالت بہتر بنانے کی بھی تدبیریں سوچیں، اس کا بندوبست کیا کہ سال میں دو بار تاجروں کے قافلے بیرون ملک جائیں اور وہاں تجارت کریں۔ چنانچہ ہر سال ایک قافلہ گرمیوں میں جاتا اور ایک سردیوں میں۔ گرمیوں میں شام کی طرف جاتا اور سردیوں میں یمن کی طرف۔

انھی نے رومی بادشاہ سے اجازت حاصل کی کہ قریش اس کے ملک میں سامان تجارت لے کر جائیں، تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔

عرب میں راستے غیر محفوظ تھے۔ ہر آن لٹ جانے کا خطرہ رہتا۔ ہاشم نے اس کے پیش نظر دورہ کیا، اور مختلف قبیلوں میں جا جا کر ان سے معاہدہ کیا کہ "قریش کا کوئی قافلہ گزرے تو اس کو وہ نقصان نہ پہنچائیں۔ اس احسان کے بدلے میں قریشی قافلے ان قبیلوں میں خود جائیں گے۔ ان کی ضرورت کی چیزیں لے جائیں گے اور ان سے خرید و فروخت کریں گے۔" یہی وجہ ہے کہ عرب میں اگرچہ غارت گری کا بازار گرم تھا، مگر قریش کا قافلہ ہمیشہ محفوظ رہا۔

اس طرح انہوں نے مختلف قبیلوں اور ملکوں سے سیاسی اور تجارتی معاہدے کیے۔ اس سے قریش بالکل مامون ہو گئے اور تجارتی میدان میں وہ خوب آگے بڑھ گئے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ مکہ میں زبردست قحط پڑا۔ ہاشم نے اس موقع پر شوربے میں روٹیاں چورا کیں اور لوگوں کو کھلایا۔ اس وقت سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔ ہشم کے معنی ہیں، چورہ کرنا اور ہاشم کے معنی ہوئے چورہ کرنے والا۔

ایک سال ہاشم تجارت کے لیے شام گئے۔ ساتھ میں تاجروں کا پورا قافلہ تھا۔ پھر واپس ہوئے تو یثرب (مدینہ) سے گزر ہوا۔ قافلہ میں کچھ تاجر یثرب کے تھے۔ جن کو وہاں کی ایک عورت نے اپنا مال تجارت دے کر بھیجا تھا۔

قافلہ یثرب پہنچا تو وہ عورت اپنے تاجروں کے پاس آئی اور سفر کی روداد پوچھنے لگی کہ کیا بیچا؟ اور کیا خریدا؟ باتوں سے ایسا لگتا جیسے کوئی بہت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور باتدبیر خاتون ہو۔ ہاشم یہ سب دیکھ رہے تھے، اور دل ہی دل میں اس کی فراست کی داد دے رہے تھے اس کی ذکاوت اور

ذہانت اور چہرے پر شرافت اور سنجیدگی کا نور دیکھ کر وہ مسحور ہو رہے تھے۔

پھر ان تاجروں سے پوچھا، یہ کون ہے؟

جواب ملا، نام اس کا سلمٰی ہے اور باپ کا نام عمرو ہے۔ خزرج کا ایک خاندان ہے بنی نجار، یہ اسی خاندان سے ہے۔

انہوں نے پوچھا، کیا یہ شادی شدہ ہے؟

جواب ملا نہیں، دراصل یہ یہاں کی بہت معزز خاتون ہے، اس لیے چاہتی ہے کہ کوئی ایسا شوہر مل جائے، جو اس کو بالکل آزاد رکھے، اپنی آزادی کو مجروح کرنا اسے گوارا نہیں۔

ہاشم نے کہا، پوچھو، کیا وہ مجھے پسند کرے گی؟

پوچھا گیا تو وہ فوراً تیار ہو گئی اور وہ اسے لے کر مکہ چلے آئے۔ وہاں ایک زمانے تک دونوں ساتھ رہتے رہے۔ پھر وہ یثرب لوٹ آئی اور وہیں اس کے ہاں ایک لڑکا ہوا، جس کا نام اس نے شیبہ رکھا۔

اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔

پھر ایک سال گرمی کا تجارتی قافلہ چلا، تو ساتھ ہی ہاشم بھی گئے، شام میں ایک مقام ہے غزہ۔ وہاں پہنچ کر وہ انتقال کر گئے۔ لہٰذا اب سارے عہدے مطلب کے ہاتھ میں آ گئے کہ یہ ان کے بھائی تھے۔

شیبہ مطلب کے بھتیجے تھے۔ یہ یثرب میں ماں کے پاس ہی رہ رہے تھے۔ اب مطلب کو ان کی فکر ہوئی اور انہوں نے طے کیا کہ بھتیجے کو مکہ میں لائیں کہ یہیں ان کا ددھیال تھا۔ یہیں باپ کا پورا خاندان تھا۔ چنانچہ مطلب اس غرض سے یثرب گئے۔

بھائی سلمٰی سے ملاقات ہوئی تو بولے:

میرا بھتیجا بڑا ہو چکا ہے۔ ہاتھ پیر مضبوط ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اب اسے اپنے یہاں لے جاؤں۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم قوم میں حسب نسب کے اعتبار سے نمایاں ہیں۔ وہاں وہ عزت سے رہے گا۔ یہاں تو بیچارہ پردیس میں پڑا ہے۔

سلمٰی نے کہا، اس کی جدائی میرے لیے موت ہے، لیکن یہ بھی مجھے پسند نہیں کہ وہ اپنے بزرگوں سے جدا رہے۔ ذرا پوچھو، دیکھو خود اس کی کیا خواہش ہے؟

مطلب نے بھتیجے سے پوچھا تو جواب ملا، جب تک ماں کی اجازت نہ ہو میں کہیں نہیں جا سکتا۔

سلمیٰ نے مطلب کا اصرار دیکھا تو تیار ہو گئیں اور کلیجہ پر پتھر رکھ کر اجازت دے دی۔ چنانچہ مطلب تین دن مہمان رہے۔ پھر چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت شیبہ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ مطلب آگے تھے اور شیبہ پیچھے۔ مکہ میں وہ داخل ہوئے، تو لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ مطلب کا غلام ہے، جسے کہیں باہر سے وہ لے کر آرہے ہیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی انہوں نے شور مچایا:

مطلب غلام لائے! کیا تم نے مطلب کا غلام دیکھا؟ دیکھو، مطلب کا غلام!

مطلب نے اس طرح کی آوازیں سنیں تو بولے:

اہل قریش! تم بھی عجیب لوگ ہو!! یہ تو میرا بھتیجا ہے، بڑے بھائی ہاشم کا بیٹا۔ یثرب میں تھا، وہاں سے لے کر آرہا ہوں۔

لیکن یہ نیا نام جو بے ساختہ زبانوں پر آگیا، اصل نام پر غالب آگیا۔ ماں نے ان کا نام شیبہ رکھا تھا اور وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ لیکن اب اصل نام کسی کو یاد تک نہ رہا، اور اسی وقت سے وہ عبدالمطلب (غلام مطلب) ہو گئے!

☆☆☆

مطلب کا انتقال ہوا تو عبدالمطلب سمجھدار ہو چکے تھے۔ دست و بازو مضبوط ہو چکے تھے اور جسم میں توانائی آ چکی تھی، اس لیے چچا کا کام انہوں نے سنبھال لیا اور ''سقایہ'' اور ''رفادہ'' ان کے ہاتھ میں آ گیا۔

آبادی میں تو کنویں تھے نہیں۔ جو کچھ تھے، مکہ کے اطراف میں تھے، اور وہ بھی ادھر ادھر منتشر۔ حاجیوں کے لیے پانی وہیں سے لایا جاتا اور کعبہ کے پاس کچھ حوض ہوتے، ان میں بھرا جاتا۔ حوضوں کو مستقل بھرتے رہنا، پھر آئے دن ان کی صفائی کرنا، ایک مسئلہ تھا۔ اس میں بڑی پریشانی ہوتی اور طرح طرح کی زحمتوں کا سامنا ہوتا، چنانچہ عبدالمطلب بہت فکر مند ہوئے۔

چاہِ زمزم کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔ کبھی خشک بھی نہ ہوتا اور جتنی ضرورت ہوتی، حاصل ہو جاتا۔ لطف یہ کہ نہ کوئی زحمت اٹھانی پڑتی، نہ کسی قسم کی پریشانی ہوتی، لہٰذا عبدالمطلب کو اس کا خیال آیا۔

چنانچہ لوگوں سے پوچھا، زمزم کو کس نے پاٹا؟ اور کیوں پاٹا؟ جواب ملا:

یہاں پہلے قبیلہ جُرہُم کی حکومت تھی۔ ان کا آخری تاجدار مضاض جُرہمی تھا۔ جب اس کی قوم بگڑ گئی، اور بناؤ سے زیادہ بگاڑ کے کام کرنے لگی تو بنوخزاعہ کو ناگوار ہوا، اور انہوں نے جُرہُم کو بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ اس کے لیے انہوں نے جنگ بھی کی۔ جس میں میدان بنو خزاعہ کے ہاتھ رہا۔ لہٰذا اب جرہم کو یہاں سے جانا پڑا۔ جاتے وقت مضاض سے اور کچھ تو بن نہ پڑا، البتہ کعبہ میں جو نذرانے تھے، ان کو اس نے زمزم کے اندر ڈالا، اور اوپر سے پاٹ دیا۔

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا، اچھا، تو جب تک زمزم کی کھدائی، صفائی نہ ہو جائے اور پہلے کی طرح پھر رواں دواں نہ ہو جائے، اس وقت تک میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

پھر ایک رات وہ سو رہے تھے کہ سوتے میں یکایک یہ آواز سنی:

''زمزم کی کھدائی کر۔''

اور پھر یہی آواز، مسلسل آتی رہی، جس سے ان کی ہمت اور بڑھی۔

چنانچہ کھدائی شروع ہوئی لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جان توڑ محنت کرنی پڑی۔ خون پسینہ ایک کر دیا تب کہیں جا کر پانی نکلا۔

زمزم میں مضاض کی تلواریں بھی ملیں اور کعبے کے وہ نذرانے بھی ملے۔ نذرانوں میں سونے کے دو ہرن بھی تھے۔

عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبے کے دروازے بنوائے اور ہرنوں کو ان کے دونوں طرف رکھ دیا کہ کعبے کی زینت بڑھے۔

زمزم کی کھدائی میں عبدالمطلب تھک کر چور ہو گئے تھے۔ جس کا دل پر کوئی اثر ہوا۔ احتیاجی کا احساس شدت سے ستانے لگا۔ اس وقت تک ان کے ہاں صرف ایک ہی اولاد تھی۔ جس کا نام حارث تھا۔ لہٰذا انہوں نے نذر مانی، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

"خدایا! اگر تو مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ سب کے سب جوان ہو کر میرا ہاتھ بٹانے لگیں تو ایک کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا۔"

عبدالمطلب کی یہ آرزو پوری ہوئی۔ اللہ نے ان کو دس بیٹے دیے سب پلے، بڑھے، جوان ہوئے اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔

اب نذر پوری کرنے کا وقت آ گیا۔ عبدالمطلب نے بیٹوں کو جمع کیا اور سارا قصہ سنایا۔ بیٹے بولے:

"ابا جان! ہم سب دل و جان سے حاضر ہیں، جس کو چاہیں آپ قربان کر دیں۔"

باپ نے کہا:

"اچھا تو الگ الگ تیروں پر اپنے نام لکھ کر لاؤ۔"

چنانچہ سب نام لکھ لکھ کر باپ کے پاس لے گئے۔

عبدالمطلب نے ان تیروں کو لیا اور کعبہ میں آئے۔ وہاں فال نکالنے والے سے ملے، اور اس کو وہ تیر دیے کہ معلوم کرے کہ بت ان کے معبود "ہبل" کو کون پسند ہے۔

اس وقت مکہ میں رواج تھا کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو تیروں سے فال نکلواتے، اور اس طرح دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے۔ پجاری یا پروہت تیروں کو لے جاتا اور دیوتا کے سامنے ایک خاص طریقے سے پھراتا۔ جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہو جاتا، سمجھتے کہ اسی کو دیوتا کو

پسند ہے اور پھر اسی کے مطابق کام کرتے۔

جہت نے عبدالمطلب کے تیر ہبل کے پاس پھرائے تو چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔

عبداللہ عبدالمطلب کے چہیتے بیٹے تھے اور اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ انھیں محبوب تھے لیکن وہ کیا کرتے؟ مجبور تھے۔ان کو ذبح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہی ہبل کو پسند تھے!

چنانچہ عبدالمطلب نے بیٹے کا ہاتھ پکڑا، اور انہیں لے کر زمزم کے پاس آئے کہ وہیں قربان گاہ تھی۔ جس کو جو کچھ بھی کرنا ہوتا وہیں لا کر کرتا۔ اساف اور نائلہ کے حضور........! کہ یہ ان کے دو بڑے دیوتا تھے۔

یہ خبر لوگوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری، اور جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ جو جس حال میں تھا۔عبدالمطلب کی طرف دوڑ پڑا، اور آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ جسے دیکھئے، اس کی زبان پر یہی تھا:

"نہیں، نہیں، عبدالمطلب! اسے ہرگز ذبح نہ کیجئے۔"

عبدالمطلب عجیب کش مکش میں پڑ گئے۔ بولے میں تو نذر مان چکا ہوں نذر پوری کرنا ضروری ہے۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟

جواب ملا:

"اگر مال فدیہ بن سکے، تو ہم راضی ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے سے کام بن جائے، تو اس کے لیے بھی تیار ہیں۔"

چنانچہ لوگ بہت دیر تک سوچتے رہے اور آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کریں؟ پھر طے ہوا کہ یثرب کے اطراف میں ایک نجومی عورت ہے، گتھیاں سلجھانے میں ماہر ہے۔ چل کر اس سے پوچھا جائے۔

لوگ گئے۔ اس عورت سے ملے اور اس کو سارا حال بتایا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد اس نے پوچھا:

"کسی قیدی کو چھڑانا ہو، یا کسی مجرم کی جان بچانی ہو تو کتنا فدیہ دیتے ہو؟"

لوگوں نے کہا:

"دس اونٹ۔"

عورت نے کہا:

"دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالو، اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو بہتر ہے۔ ورنہ بیس اونٹ کر دو۔ اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے، تو دس اور بڑھا دو۔ اسی طرح دس دس بڑھاتے رہو، یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔"

لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالا۔ تو عبداللہ کا نام نکلا۔ دس بڑھا دیے، پھر عبداللہ کا نام نکلا۔ دس مزید بڑھا دیے۔ پھر بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ لوگ اسی طرح دس دس بڑھاتے رہے، اور عبداللہ ہی کا نام نکلتا رہا۔ ادھر عبدالمطلب کھڑے عاجزی کے ساتھ دعا میں مصروف تھے: "خدایا! فدیہ کو قبول کر لے۔ خدایا! عبداللہ کی جان بچا لے۔" جب بڑھتے بڑھتے سو اونٹ ہو گئے۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اب کیا تھا لوگ خوشی سے اچھل پڑے۔ عبدالمطلب کو ہر طرف سے مبارک باد دی جانے لگی۔

"مبارک ہو، عبدالمطلب! اللہ نے بیٹے کا فدیہ قبول کر لیا۔"

لیکن عبدالمطلب ابھی مطمئن نہ ہوئے اور دوبارہ قرعہ ڈلوا دیا کہ کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ خدا کی مرضی کیا ہے؟ صاف صاف معلوم ہو جائے۔ پھر جب پوری طرح اطمینان ہو گیا، تو اونٹ ذبح کیے گئے، اور وہیں چھوڑ دیے گئے کہ جو چاہے ان سے فائدہ اٹھائے۔

.... ☆☆☆ ....

عبداللہ کو خدا داد حسن ملا تھا۔ اٹھتی ہوئی جوانی تھی، جو حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ چہرہ کیا تھا، چاند کا ٹکڑا تھا۔ ہر دیکھنے والی آنکھ ان پر فدا تھی اور بہتیری عورتیں ان سے شادی کی آرزومند تھیں۔

"نذر" والا واقعہ ہوا، تو گھر گھر اس کا چرچا ہو گیا۔ اس سے ان کی عظمت اور بڑھ گئی اور سب دل و جان سے انہیں چاہنے لگے۔

چنانچہ بہت سی عورتوں نے نکاح کی خواہش کی، اور کوشش بھی کی!

لیکن یہ شرف سب کو کیسے ملتا! کہ وہ ایک ہی کی قسمت میں تھا۔ ان کے بیٹے کی ماں کون ہوگی؟ یہ بھی خدا کے یہاں طے تھا! ان کی شادی آمنہؓ سے ہوئی، جو قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں، اور بنی زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

باپ نے بیٹے کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا۔ آمنہؓ کے گھر والوں نے اسے باعث شرف سمجھا اور خوشی خوشی تیار ہو گئے۔ پھر جھٹ پٹ شادی ہو گئی۔ دستور تھا کہ دولہا شادی کے بعد تین دن سسرال میں رہتا، عبداللہ بھی تین دن سسرال میں رہے۔ پھر گھر چلے آئے۔ ساتھ میں دلہن بھی آئی۔ اس وقت عبداللہ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔

شادی کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، تاجروں کا ایک کارواں شام جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ عبداللہ بھی ہو لیے۔ پھر واپسی میں مدینہ سے گزرے۔ یہاں ان کے باپ کا ننھیال تھا۔ تھکے تو تھے ہی، دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔ اتفاق سے بیمار پڑ گئے۔ ساتھیوں نے انہیں وہیں چھوڑ دیا اور مکہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر باپ کو بیماری کی خبر دی!

عبدالمطلب نے بیماری کا حال سنا، تو فوراً بڑے بیٹے حارث کو مدینہ دوڑایا، کہ وہاں جا کر بھائی کی تیمارداری کریں اور جب وہ اچھے ہو جائیں تو اپنے ساتھ لے کر آئیں۔

لیکن افسوس ...! حارث نے اپنے بھائی عبداللہ کو نہ دیکھا۔ وہ انہیں اپنے ساتھ مکہ نہ لائے، کہ باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ دلہن کے دل کو قرار آتا، اور قوم کی تسکین کا سامان ہوتا! کیا کرتے؟ قسمت ہی میں نہ تھا۔

کچھ دن پہلے ہی عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا، اور جسم سپرد خاک ہو چکا تھا۔ باپ سے دور! وطن سے دور! قوم سے دور! دور، بہت دور!! حارث واپس آئے تو عبداللہ کے بجائے عبداللہ کی موت کی خبر لائے۔

کسے معلوم تھا کہ شام کا یہ سفر، سفر آخرت بننے والا ہے اور جہاں عبداللہ کی جان بچانے کی تدبیر کا سراغ لگا تھا، وہیں اللہ کا فرشتہ پروانۂ موت لے کر اترنے والا ہے۔ مدینہ جہاں سے تو کل عبداللہ کی نئی زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ آج وہیں سے عبداللہ کی وفات کی حسرت ناک خبر آرہی ہے۔

خبر بڑی دردناک تھی۔ نوجوان کی موت! وہ بھی عبداللہ جیسے نوجوان کی!! جس نے سنا تڑپ اٹھا۔ عبداللہ نے نئی زندگی پائی تھی۔ ان کی جان بچنے پر سب کو غیر معمولی خوشی تھی۔ اچانک موت کی خبر سن کر لوگوں کو غیر معمولی رنج ہوا۔ ساری قوم سوگوار تھی۔ ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی۔

بوڑھے باپ پر تو رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ صدمہ سے دل پاش پاش ہو گیا۔ عبداللہ کی موت پر صبر آئے تو کیسے؟

بیوہ آمنہ کا تو سہاگ ہی اجڑ گیا۔ دل کی دنیا ویران ہو گئی۔ سارے ارمان حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ کتنی امیدیں تھیں، جو خاک میں مل گئیں۔ کتنے حسین خواب تھے، جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ کتنی آرزوئیں اور تمنائیں تھیں جو سینے ہی میں دفن ہو کے رہ گئیں۔ کل جو دلہن قریش کی نازنینوں کی نگاہ میں قابل رشک بنی ہوئی تھی، آج اس کی حالت قابل رحم تھی۔ جو سر دوسرے سروں کے درمیان شرف و عزت سے اونچا ہوا تھا آج وہ رنج و غم سے وبال دوش بنا ہوا تھا۔

عبداللہ کا انتقال ہوا تو آمنہ امید سے تھیں۔

اللہ کی قدرت! کچھ ہی پہلے ہبل دیوتا عبداللہ کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر اللہ نے انہیں بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا۔ اس وقت تک ان کے پاس اللہ کی ایک عظیم امانت تھی۔ انسانیت کی سب سے بیش قیمت متاع تھی۔ جب تک وہ کسی اور کے سپرد نہ ہو جائے، ناممکن تھا کہ عبداللہ اس دنیا سے چلے جائیں۔ اب وہ امانت آمنہ کو سونپی جا چکی تھی۔ عبداللہ سے اللہ کو جو کام لینا منظور تھا، وہ پورا ہو گیا تو اللہ نے انہیں اٹھا لیا۔ اب کوئی فدیہ کام نہیں آ سکتا تھا۔ تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

دوشنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی کہ آمنہ کے یہاں ولادت ہوئی۔

نومولود بچہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ چاند بھی اس کے سامنے پھیکا تھا۔

آمنہؓ نے اپنے خسر عبدالمطلب کو خبر کی کہ آ کر پوتے کو دیکھ لیں۔

عبدالمطلب دوڑے ہوئے آئے اور نظر پڑتے ہی کھل اٹھے کہ ایک تو لڑکا تھا، اور وہ بھی عبداللہ کا۔

وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ چنانچہ بچہ کو گود میں لیا، سینہ سے لگایا۔ ماتھے پر بوسہ دیا۔ پھر اسے لیے ہوئے کعبہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور بچہ کا نام محمدؐ رکھا۔

محمدؐ کے معنی ہیں، ہر لحاظ سے قابل تعریف۔ وہ جسے سب پسند کریں سب اچھا کہیں۔

پھر ولادت کے ساتویں دن عبدالمطلب نے اونٹ ذبح کرایا، اور قریش کی دعوت کی۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو کسی نے پوچھا:

عبدالمطلب! کیا وجہ ہے کہ آپ نے پوتے کا نام محمدؐ رکھا؟ خاندانی نام کیوں نہیں رکھا؟

عبدالمطلب بولے:

"میں نے چاہا کہ آسمان پر بھی اس کی تعریف ہو، اور زمین پر بھی۔ خالق کو بھی وہ پیارا ہو، اور خلقت کو بھی۔"

قریش میں اونچے گھرانوں کی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ خود نہیں پلاتی تھیں، دیہاتوں سے دائیوں کی ٹولیاں آتیں۔ وہ بچوں کو اپنے یہاں لے جاتیں۔ ان کو دودھ پلاتیں۔ ان کی پرورش دیکھ بھال کرتیں۔ پھر جب وہ بڑے ہو جاتے تو واپس کر جاتیں اور دوسرے بچے لے جاتیں۔ اس سے بچے خوب تندرست رہتے اور فصیح عربی بھی سیکھ لیتے۔ مگر دائیوں کے آنے کے موسم متعین تھے۔ محمدؐ کی ولادت ہوئی، تو اس وقت کوئی دائی نہ ملی۔ عبداللہ کا بھائی تھا ابولہب۔ اس کی ایک باندی تھی ثویبہ۔ دو تین دن آمنہ نے خود دودھ پلایا۔ پھر بچہ کو ثویبہ کے حوالے کر دیا۔ کہ جب تک کوئی دائی نہ ملے، اس کو وہ دودھ پلائے۔

ثویبہ نے بس کچھ ہی دن دودھ پلایا تھا، کہ قبیلہ بنی سعد کی دائیاں آ گئیں۔

دائیاں بچے تلاش کرنے لگیں۔ وہ گھروں میں جاتیں۔ ماؤں کو اپنی خدمات پیش کرتیں۔ مائیں جس کو پسند کرتیں، اپنا بچہ اس کے حوالہ کر دیتیں۔

ساری ماؤں نے دائیاں چن لیں، اور ساری دائیوں کی گودیں بھر گئیں۔ ہاں صرف ایک دائی رہ گئی۔ اس کو کسی نے نہ پوچھا۔ اس لیے کہ ذرا کمزور اور لاغر تھی۔ مفلسی کا بھی شکار تھی۔ یہ تھی ابوذویب کی بیٹی حلیمہ۔

اور بچے بھی صرف ایک ہی رہ گیا کہ دائیاں اس سے دور ہی دور رہیں، اور کوئی اسے لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ بچہ تھا عبداللہ کا بیٹا محمدؐ!

دائیوں نے سنا کہ محمدؐ یتیم ہے۔ باپ کے سایہ سے محروم ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے اس کی پرورش کو حقیر جانا، اور اس کو دودھ پلانا بے سود سمجھا۔ وہ بولیں، اس یتیم کو لے کر کیا کریں! اس کا دادا ہمیں کیا دے گا؟ ماں سے بھی کیا مل جائے گا؟

اب واپسی کا وقت آ گیا، اور دائیوں نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا، ہر ایک خوش تھی کہ اس کی گود میں بچہ تھا۔

حلیمہ کا شوہر بھی ساتھ تھا۔ حلیمہ نے اس سے کہا:

"بخدا! مجھے شرم آتی ہے کہ ساری سہیلیوں کی گودیں بھری ہوں اور ایک میری ہی گود خالی رہے۔ میں تو جاتی ہوں۔ اسی یتیم کو لیے لیتی ہوں۔ خالی ہاتھ لوٹنے سے یتیم کو لے جانا بہرحال بہتر ہے۔"

شوہر نے کہا:

جاؤ، لے آؤ، کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت دے۔

چنانچہ حلیمہ بچے کو لینے کے لیے آمنہ کے پاس پہنچیں۔

آمنہ کو ملال تھا کہ ان کے لال کو کسی نے نہ پوچھا۔ سہیلیوں کے بچے ہاتھوں ہاتھ لیے۔ مگر ان کے جگر پارہ کو کسی نے لینا گوارا نہ کیا۔ حلیمہ نے بچہ کو لیا تو آمنہ کا بجھا ہوا چہرہ بھی خوشی سے دمک اٹھا۔

حلیمہ نے محمدؐ کو چھاتی سے لگایا، اور منہ میں سوکھی پستان دے دی جس میں دودھ برائے نام ہی تھا۔

لیکن..... ! حلیمہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی!! پستان منہ میں دیتے ہی انہیں ایسا معلوم ہوا،

جیسے دودھ کی سوتیں جاری ہو گئیں۔ یکایک چھاتی بھر گئی۔ بچہ دودھ پی رہا تھا اور دودھ اس کے منہ سے ٹپکا پڑ رہا تھا۔

غرض سیر ہو چکے، تو حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تنہا اسی کے لیے دودھ نا کافی ہوتا تھا۔ پیتا، لیکن کبھی سیر ہونے کی نوبت نہ آتی۔ چھاتی چوستا اور چوس کے رہ جاتا۔

حلیمہ کی ایک اونٹنی تھی۔ دبلی پتلی، بالکل مریل، بھوک لگی، تو شوہر اسے دوہنے اٹھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تھن جو ہمیشہ سوکھا رہتا۔ آج بالکل بھرا ہوا تھا۔ اور دودھ خود بخود ٹپکا پڑ رہا تھا۔ شوہر نے خود بھی پیا، بیوی کو بھی پلایا۔ دونوں نے جی بھر کر پیا۔

رات ہوئی تو دونوں نے بچوں کو پہلو میں سلا لیا۔ پھر خود بھی سو رہے نیند ایسے آرام اور چین کی تھی کہ بالکل ہی بے خبر ہو گئے۔

پھر صبح ہوئی تو شوہر بولا:

حلیمہ کیا خیال ہے؟؟ بخدا بہت مبارک بچہ پائیں تم۔

حلیمہ بولیں:

بخدا میرا بھی یہی خیال ہے۔

پھر دیہیوں کا قافلہ گھر کو لوٹا۔ حلیمہ کی گدھیا آگے آگے تھی، اور مستانہ وار بڑھ رہی تھی۔

سہیلیوں نے یہ دیکھا تو آواز دی:

واہ ری، ابو ذویب کی بیٹی!! ذرا ٹھہرو نا۔ ہمیں بھی تو آ لینے دو۔ ارے، یہ وہی گدھیا تو ہے، جس پر تم آئی تھیں۔ یہ تو راستے میں رک رک جاتی تھی۔ بار بار تم پیچھے ہو جاتی تھیں!!

حلیمہ نے کہا:

ہاں، ہاں، بخدا یہ وہی ہے!

سہیلیاں بولیں:

بخدا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

☆☆☆

اب حلیمہ کے یہاں برکتوں کی بارش ہونے لگی۔ ہر ہر چیز میں برکت ظاہر ہو رہی تھی۔
جانور موٹے ہو گئے۔ دودھ سے تھن پھول آئے۔ ہر طرف برکت ہی برکت تھی۔

رفتہ رفتہ دو سال گزر گئے۔ آمنہ کا لال حلیمہ کا دودھ پیتا۔ حلیمہ کی ایک بیٹی تھی شیماء، اس کی گودیوں میں ہمکتا، صحرا کی کھلی فضا ہوتی اور دیہات کی سادہ زندگی۔ جسم تیزی سے بڑھا۔ ہاتھ پیر میں طاقت آ گئی۔ اور بچہ خوب تندرست ہو گیا۔

شیر خواری کے دن پورے ہو گئے۔ اب وقت آیا کہ بچہ ماں کی گود میں جائے اور اس کے گھر کی رونق بنے۔

لیکن کیا حلیمہ اس بچہ کو جدا کر دیں؟ ایسے بچے کو جو ان کے لیے سراپا برکت تھا۔ مجسم رحمت تھا۔ باعثِ راحت تھا اور موجب سعادت تھا۔ کسی طرح بھی طبیعت اس کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ تمنا تھی کہ کچھ دنوں وہ ساتھ رہے، کہ برکتوں کا سلسلہ تادیر قائم رہے۔

وہ بچہ کو لے کر ماں کے گھر کی طرف چلیں۔ لیکن ارادہ تھا کہ ان سے گزارش کریں گی کہ بچہ کو کچھ دن اور ساتھ رکھنے کی اجازت دے دیں!

چنانچہ وہ آمنہ کے پاس آئیں اور بولیں:

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر محمدؐ ابھی سے مکہ میں رہ گیا تو کہیں یہاں کی آب وہوا سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیوں نہ آپ کچھ دن اور ہمارے یہاں رہنے دیں۔ ذرا اور بڑا ہو جائے، پھر آ جائے گا۔

اس طرح حلیمہ آمنہ سے ضد کرتی رہیں۔ پیہم اصرار کرتی رہیں۔ طرح طرح سے مناتی رہیں۔ مکہ کی آب وہوا سے ڈراتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ تیار ہو گئیں۔

اب کیا تھا، حلیمہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ آنکھیں چمک اٹھیں، اور چہرہ دمک اٹھا اور وہ محمدؐ کو لے کر پھر اپنے گھر آ گئیں۔

محمدؐ پھر اسی صحرا میں آ گئے۔ اب پھر وہی کھلی فضا تھی۔ ریت کے ٹیلے تھے۔ چکنے چکنے پتھر تھے۔ وہی ساتھی اور وہی ہمجولی تھے۔ محمدؐ پھر اسی طرح پتھروں سے کھیلتے۔ ریت پر اچھلتے، اور بچوں

کے ساتھ ادھر سے اُدھر دوڑتے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب پانچ سال کے ہو گئے۔

حلیمہ سے جدائی کی ساعت پھر آن پہنچی۔

محمدؐ سے حلیمہ کو بے حد محبت تھی۔ وہ سچ مچ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ ان کے دل کا سکون تھے۔ محمدؐ کو بھی حلیمہ سے بے انتہا محبت تھی۔ نبوت ملنے کے بعد بھی جب وہ آپ کے پاس آئیں، تو آپ "میری ماں، میری ماں" کہہ کر لپٹ گئے۔ حلیمہ کے لیے محمدؐ کی جدائی سوہانِ روح تھی لیکن کرتیں کیا؟ کیا اب گھر پہنچانا ضروری تھا، مزید روکنا ممکن نہ تھا۔

پھر ایک وجہ اور بھی ہوئی۔ جس کی وجہ سے حلیمہ نے اور جلدی کی۔

ایک روز وہ بیٹھی ہوئی تھیں، اور ساتھ میں محمدؐ بھی تھے کہ اتنے میں حبشہ کے کچھ عیسائیوں کا گزر ہوا۔ بچے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر گئے۔ قریب آئے اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے۔ حلیمہ سے پوچھا بھی:

کیسا بچہ ہے یہ؟

پھر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

اس بچہ کو لے لیں...... اس کو اپنے یہاں لے چلیں گے۔ یہ بچہ ایک عظیم انسان ہوگا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ کیا بنے گا!

حلیمہ ان کا مطلب سمجھ گئیں۔ ان کے ارادوں کو بھانپ گئیں۔ ان کی سازشوں سے گھبرا اٹھیں۔ ڈریں کہ کہیں سچ مچ وہ اسے چھین نہ لیں۔ موقع پا کر اچک نہ لیں۔ یا کوئی آزار نہ پہنچا دیں۔ چنانچہ وہ نظر بچا کر بھاگ کھڑی ہوئیں، اور بچے کو لے کر غائب ہو گئیں۔ حالانکہ انہیں امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بھاگ سکیں گی، اور بچے کو ان سے بچا سکیں گی۔

پھر جتنی جلدی ممکن تھا، وہ آمنہ کے پاس پہنچیں اور ان کی امانت ان کے حوالے کی۔ تب کہیں جا کر اطمینان کا سانس لیا۔

☆☆☆

✿

اب ماں کی مامتا تھی، اور دادا کی سرپرستی۔ دونوں محمدؐ سے بہت پیار کرتے۔ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتے اور ہر طرح سے آپؐ کا خیال رکھتے۔ آپؐ چھ برس کے ہو گئے، تو ماں کا دل چاہا کہ چل کر شوہر کی قبر دیکھیں۔ چنانچہ وہ مدینہ کے لیے روانہ ہو گئیں اور محمد ﷺ کو بھی لیتی گئیں۔ شوہر کی ایک باندی تھی ام ایمن، وہ بھی سفر میں ساتھ تھیں۔ وہاں ایک مشہور خاندان تھا بنی نجار۔ محمدؐ کے دادا کی ننھیال اسی خاندان میں تھی، اس لیے بی بی آمنہؓ جا کر وہیں ٹھہریں۔

بی بی آمنہؓ مدینہ پہنچیں، تو پیارے بیٹے کو وہ گھر دکھایا، جہاں اس کے پیارے باپ نے وفات پائی تھی۔ وہ قبر بھی دکھائی جہاں وہ ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔

آج پہلا دن تھا کہ اس معصوم بچے نے یتیمی کا مفہوم سمجھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ اس کے شیشہ دل پر رنج و غم کا عکس پڑا۔

وہاں ایک مہینہ گزار کر بی بی آمنہ نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا اور محمد ﷺ کو لے کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئیں۔

شوہر کی حسرت بی بی آمنہ بھی بیمار پڑ گئیں۔ جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے ابواء۔ وہاں پہنچیں تو حالت نازک ہو گئی، اور پھر سنبھل نہ سکیں۔ وفات پا گئیں، اور وہیں دفن ہوئیں۔ عبداللہ کی وفات بھی تو پردیس میں ہوئی تھی! اور دفن بھی اسی طرح ہوئے تھے۔ قوم و وطن سے بہت دور! فقط آپ کا دلی و کارساز ہے اے محمدؐ!!

آپؐ یتیم تھے۔ باپ کے سایہ سے محروم تھے۔ ابھی یتیمی کا شعور ہوا ہی تھا کہ ماں بھی داغ مفارقت دے گئیں...... ! باپ کی قبر دیکھی ہی تھی کہ ماں کی قبر بھی تیار ہو گئی۔

اب آپؐ تنہا رہ گئے۔ ماں ساتھ تھیں، تب بھی آپ کو یتیمی کا ملال تھا۔ بھلا دل پر کیا بیتی ہو گی جبکہ یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا...؟ ایک سے بڑھ کر دوسرا!!

ام ایمن نے آپؐ کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور بڑے پیار سے گھر لائیں۔ مکہ پہنچے تو آپؐ بلک بلک کر رو رہے تھے۔ آج آمنہ کے لال کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

اس حادثہ کا عبدالمطلب پر جو اثر ہوا اور محمدؐ کے لیے ان کے سینہ میں ماں کی محبت اور باپ کی شفقت ابل پڑی۔ اب وہ آپؐ پر بے انتہا مہربان ہو گئے۔ پہلے سے زیادہ ماننے لگے۔ بڑی محبت سے پیش آتے۔ لطف و کرم کی بارش کرتے۔ ہر آن آپؐ کا خیال رکھتے۔ ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔ اپنی ذات اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپؐ کی فکر رکھتے۔

عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ کعبہ کے زیر سایہ اپنی گدی پر بیٹھتے تو بیٹے ادب و احترام میں گدی سے ذرا دور بیٹھے ہوتے۔ لیکن محمدؐ آ جاتے تو عبدالمطلب انہیں اپنے پاس بلاتے، اپنی گدی پر بٹھاتے، اور پیار سے پیٹھ سہلاتے۔ لیکن افسوس! عبدالمطلب بھی زیادہ نہ ٹھہرے۔ محمدؐ ابھی آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ دادا بھی چل بسے۔ دادا کی موت پر آپؐ کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا اس سے پہلے ماں باپ کی موت پر ہوا تھا۔

نہیں، دادا کا غم ماں باپ سے بھی سوا تھا۔ اب آپؐ کچھ سمجھ دار ہو چکے تھے۔ شعور بیدار ہو رہا تھا۔ جذبات و احساسات میں وسعت اور گہرائی آ رہی تھی۔ لطف و محبت کی حقیقت کو آپ سمجھنے لگے تھے۔ نوازش و کرم کی قدر و قیمت پہچاننے لگے تھے۔ اس لیے محرومی کا احساس بھی انتہائی شدید تھا۔ اس کے چھن جانے کا غم بھی انتہائی گہرا تھا۔

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دل درد و غم سے چور تھا۔ خود تڑپ رہے تھے، اوروں کو تڑپا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دادا کا جسم ...... آہ ......! پیارے دادا کا جسم قبر کی بھیانک کوٹھری میں چھپ گیا، اور پھر ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا!

☆☆☆

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

سلسلۂ نسب

سیدنا ابو القاسم محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

بن عبداللّٰہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف

بن قصّی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن

غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ

بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن

معد بن عدنان

☆☆☆

مُحمّد عَربی ﷺ

کرنیں ابھرتی ہیں

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ (الضحیٰ: ۶-۷)

"(محمدؐ) کیا ایسا نہیں کہ اس (اللہ) نے تم کو یتیم پایا تو ٹھکانا عطا کیا، اور (راہِ حق سے) بے خبر پایا تو سیدھا راستہ دکھایا؟"

بے شک! ایسا ہی ہے!

ماں باپ کی آنکھیں بند ہوئیں تو محمد اللہ کی رحمتوں سے محروم نہ ہو گئے۔ یہ اسی کا فضل و کرم تھا کہ آپؐ کو ایسے دادا ملے جو آپؐ پر ماں باپ کی طرح مہربان تھے۔ پھر ایسے چچا ملے، جنھوں نے کبھی یتیمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو ابوطالب نے آپؐ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ یہ عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آپؐ کے چچا ہوتے تھے۔ باپ نے اپنی موت سے پہلے ان کو آپؐ کا سرپرست بنا دیا تھا اور وصیت کر گئے تھے کہ "محمدؐ کا خیال رکھنا، اور ان کی خیرخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔"

عبدالمطلب کی کئی بیویاں تھیں۔ ان بیویوں سے دس بیٹے تھے۔ ابوطالب نہ تو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اور نہ سب سے زیادہ مالدار ہی تھے البتہ سب سے زیادہ باہمت تھے۔ شرافت میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔ طبیعت کے بہت ہی نیک تھے۔ پھر آپؐ کے والد عبداللہ اور وہ سگے بھائی تھے۔ باقی بھائی دوسری بیویوں سے تھے۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر باپ نے یہ ذمہ داری ان پر ڈالی، اور انھیں یہ وصیت کر گئے۔

عبدالمطلب کی طرح ابوطالب بھی بھتیجے کو مانتے۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ سوتے تو ساتھ لے کر سوتے، کہیں جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ آپؐ کے آگے نہ ان کو اپنی جان کی فکر ہوتی، نہ اپنے بچوں کی۔ ان کو آپؐ سے اس قدر محبت کیوں تھی؟ آپؐ دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے رہتے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپؐ کے اندر سچائی اور ایمانداری ہے، شرافت اور پاکبازی ہے۔ بات بات سے ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک ایک چیز سعادت مندی اور خوش بختی کا پتہ دیتی ہے۔

چچا کی سرپرستی میں چار سال گزر گئے۔ جسم پروان چڑھتا رہا۔ عقل کا دائرہ وسیع ہوتا رہا اور فطری صلاحیتیں ابھرتی رہیں۔

بارہ سال کے ہوئے تو جسم میں کافی مضبوطی اور توانائی آچکی تھی۔ عقل میں غیر معمولی گہرائی تھی۔ ذہانت بلا کی تھی۔ روح میں بے پناہ عظمت و بلندی تھی۔ وسعت و ہمہ گیری تھی۔ احساس وشعور سے وہ پوری طرح بھرپور تھی۔

ابھی آپ کی عمر ہی کیا تھی؟ بالغ بھی نہ ہوئے تھے لیکن پیشانی پر اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ آپ میں غیر معمولی صلاحیتیں جھلک رہی تھیں اور عجیب وغریب کمالات ظاہر ہو رہے تھے۔ ابوطالب دیکھ دیکھ کر سخت حیران ہو رہے تھے اور حیرت سے انگشت بدنداں تھے۔ اب ان کے نزدیک آپ کا شمار نا سمجھ بچوں میں نہ تھا بلکہ سوجھ بوجھ رکھنے والے بڑے بوڑھوں میں تھا۔ پوری بے تکلفی سے وہ ہر طرح کے مسائل پر آپ سے تبادلہ خیال کرتے جیسے کوئی شخص اپنے کسی برابر کے ساتھی سے کرے۔

اسی زمانہ میں جبکہ آپ کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ ابوطالب نے شام کے تجارتی سفر پر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر بہت دور دراز کا تھا اور راستہ دشوار۔ اس لیے آپ کو ساتھ لے جانے کا خیال نہ تھا۔ لیکن وہ چلنے لگے تو آپ چمٹ گئے۔ ابوطالب نے سوچا، سفر تو دشوار ہے مگر بھتیجا بھی ہوشیار ہے۔ اور یہ سوچ کر بخوشی ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔

تجارتی قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلہ میں آپ بھی تھے۔ راستہ میں آپ جو کچھ دیکھتے اس پر غور کرتے، جو کچھ سنتے اس پر سوچ بچار کرتے اور سب کچھ ذہن میں محفوظ کرتے جاتے۔

قافلہ مختلف علاقوں سے گزرا۔ بہت سے شہروں میں ٹھہرا اور بالآخر شام کی سرزمین میں پہنچ گیا اور وہاں کے ایک مشہور شہر بصریٰ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

بصریٰ میں بحیرا نامی ایک راہب تھا۔ اس کے گرجا گھر کے پاس ہی ایک سایہ دار جگہ تھی۔ قریشی تاجر جب بھی بصریٰ پہنچتے وہیں پر ٹھہرتے۔ ٹھہر کر کچھ دیر آرام کرتے۔ پھر آڑھتیوں اور بیوپاریوں سے ملتے۔

یہ قافلہ بھی اسی جگہ ٹھہرا اور ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ کوئی زیادہ تھکا ہوا تھا تو لیٹ کر دم لینے لگا، کوئی بھوک سے بے تاب تھا تو دسترخوان بچھا کر بیٹھ گیا۔ کوئی اپنا تجارتی سامان

تعریف کرتے تھے۔ جب سے حضور اس علاقے میں تشریف لائے۔ اور ابھی کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ لوگ اسی طرح اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ایک صدا آئی اور بولی:

"آپ لوگ بحیرا کے یہاں تشریف لے چلیں۔ انھوں نے کھانے کا انتظام فرمایا ہے اور آپ تمام لوگوں کو دعوت دی ہے۔"

لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، آنکھیں گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں۔

"مہمان کئی بار آئے ٹھہرے اور چلے گئے لیکن بحیرا نے کبھی نہیں پوچھا آج ہی وہ دن تمام ہو گیا؟"

بہرحال کرتے کیا، دعوت قبول کر لی اور تمام لوگ قاصد کی رہنمائی میں روانہ ہو گئے۔ ہاں صرف محمد ﷺ نہیں گئے۔ اس لیے کہ ابھی آپ بچے تھے۔ بحیرا نے سب کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ بولا:

"بھائیو! میں چاہتا ہوں کہ آج تم سب میرے ساتھ کھانا کھاؤ اور تم میں سے کوئی بھی نہ رہ جائے۔"

قافلہ والے بولے:

"ہم سب آ گئے ہیں۔ ہاں ایک چھوٹا لڑکا بھی ساتھ تھا۔ اس کو وہیں چھوڑ آئے ہیں!"

بحیرا نے کہا:

"نہیں نہیں لڑکے کو تو کیا اس کو بھی بلاؤ۔ وہ بھی یہیں کھانا کھائے گا۔"

اس سے ان کی حیرانی اور بڑھ گئی کہ ایک تو خلاف معمول دعوت کی۔ پھر یہ بھی اصرار کہ کوئی رہ نہ جائے۔ چنانچہ انھوں نے پوچھا:

"بحیرا! کیا بات ہے کہ آج آپ نے ہماری دعوت کی ہے۔ اس سے پہلے تو کبھی کرتے نہ تھے!"

بحیرا نے کہا:

"آپ لوگ مہمان ہیں، ہمارے پڑوس میں آ کر ٹھہرے ہیں۔ ہم پر آپ کا حق ہے۔ ہمیں اس کا خیال کرنا ہی چاہیے۔ میں نے چاہا کہ آپ لوگوں کی کچھ خاطر خواہ تواضع ہو جائے اور کیا بات

ہو سکتی ہے؟"

انہوں نے کہا: "بخدا کوئی بات ہے ضرور!"

پھر قاصد ابو طالب کے ڈیرے پر گیا اور محمدؐ کو ساتھ لے کر آیا۔ بحیرا اور تمام مہمان بیٹھے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔

بحیرا کی نظریں محمدؐ پر پڑیں تو جم کر رہ گئیں اور وہ ٹکٹکی لگائے آپؐ کو دیکھتا ہی رہا ہے۔
سب نے کھانا کھایا، اور ادھر ادھر پھیل گئے۔ کوئی تو چہل قدمی کر رہا تھا اور کوئی گھوم گھوم کر بحیرا کا گرجا گھر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت بحیرا آپؐ کے پاس آیا اور بولا:

"بیٹے! تمہیں لات و عزیٰ کی قسم! جو کچھ پوچھوں، بتلا دینا!!"

آپؐ نے فرمایا:

"لات و عزیٰ کی قسم نہ دیجیے۔"

بحیرا نے کہا:

"اچھا خدا کی قسم! جو کچھ پوچھوں، سب بتلا دینا!"

آپؐ نے فرمایا:

"پوچھیے، کیا پوچھتے ہیں؟"

اب بحیرا آپؐ سے آپؐ ہی کے بارے میں مختلف سوالات کرنے لگا۔ کچھ مزاج اور طبیعت کا حال پوچھا۔ کچھ عادات و اخلاق کے بارے میں دریافت کیا۔ اور آپؐ اس کے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ اتنے میں ابو طالب محمدؐ کو لینے آ گئے۔

بحیرا نے پوچھا:

"یہ لڑکا تمہارا کون ہوتا ہے؟"

ابو طالب نے کہا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

بحیرا بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو، یہ ہو نہیں سکتا۔"

آپؐ کے بارے میں بحیرا کی معلومات دیکھیں، تو ابو طالب دنگ رہ گئے، بولے:

"ہاں، یہ میرا بھتیجا ہے۔"

بحیرا نے کہا:

"اور اس کا باپ؟"

ابوطالب بولے:

"ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔"

بحیرا بولا:

"تم نے سچ کہا۔ اب اپنے بھتیجے کو گھر واپس لے جاؤ اور دیکھو، اسے یہودیوں سے بچائے رکھنا، خدا کی قسم! اگر انہوں نے دیکھ لیا، اور جس حد تک میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ انہوں نے پہچان لیا تو اس کی جان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ تمہارا یہ بھتیجا ایک عظیم انسان ہوگا۔"

پھر وہ واپس ہو گیا۔ چہرہ خوشی اور اطمینان سے چمک رہا تھا، اور زیر لب وہ یہ کہتا جا رہا تھا:

"میرا اندازہ بالکل صحیح نکلا!"

☆☆☆

ابو طالب محمدؐ کو لے کر واپس آ گئے۔ بحیرا نے جو کچھ کہا تھا، وہ سب دماغ میں گونج رہا تھا۔ محمدؐ کے بارے میں اس نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ ذہن میں گردش کر رہی تھی، اور محمدؐ کے لیے اپنے ملک سے باہر نکلنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ واپس ہوئے تو اس طویل سفر کے دوران آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، ذہن میں تازہ کرتے رہے۔ لوگوں سے جو کچھ سنا تھا، اس پر غور کرتے رہے۔

آپؐ نے بڑے بڑے ریگستان اور اونچے اونچے پہاڑ دیکھے تھے۔ ہرے بھرے چمنستان اور پھلوں سے لدے ہوئے باغ دیکھے تھے۔ طرح طرح کے نشیب و فراز طے کیے تھے۔ مختلف شہروں اور بستیوں سے گزرے تھے، ان سے متعلق لوگوں میں جو گفتگوئیں ہوئی تھیں، ماضی اور حال کے بارے میں جو باتیں ہوئی تھیں، سب آپؐ نے توجہ سے سنی تھیں۔

آپؐ کو ایسے لوگ بھی ملے، جو انہی چیزوں کو پوجتے تھے، جن کو آپؐ کی قوم پوجتی تھی! ایسے لوگ بھی نظر آئے، جو آسمانی کتابوں کے احکام پر عمل پیرا تھے، یہ بھی سننے میں آیا کہ کچھ لوگ آتش پرستی میں مگن ہیں! ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی مورتی کے حضور عبادت کی رسوم ادا کرتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں! کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی نکیل یہودی علماء کے ہاتھ میں دے رکھی ہے، جو کتاب الٰہی کی من مانی تاویلیں کرتے ہیں، اور اپنے جی سے شریعت بناتے ہیں! اور کچھ لوگ ہیں جو عیسائی پادریوں کے اشاروں پر چلتے ہیں جنہوں نے غیب دانی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے!

اس اندھیرے میں ۔۔۔ ہاں اس گھٹا ٹوپ اندھیارے میں محمدؐ ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے، غور و فکر کرتے۔ افکار و خیالات کا سلسلہ بندھ جاتا اور دیر تک اسی عالم میں پڑے رہتے۔ رہ رہ کر آپؐ سوچتے!

”کس کی راہ ٹھیک ہے اور کس کی غلط؟ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ حق کہاں ہے؟ اور وہ ہے کیا؟“

کم سن مگر عقلمند اور روشن ضمیر محمدؐ کو فکر تھی، کسی طرح حق مل جائے۔ اس کی حقیقت کھل

جائے۔ تاریکی کا پردہ چاک ہو جائے اور روشنی نظر آ جائے!

نوجوانی کا زمانہ کھیل تماشے کا زمانہ ہوتا ہے لیکن محمد ﷺ کھیل تماشے سے کوسوں دور رہتے۔ بے کار باتوں اور فضول کاموں میں کوئی دلچسپی نہ لیتے۔ ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتے۔ اس فکر میں رہتے کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس میں کوئی رہنمائی ہو۔ کوئی ایسا نشان نظر آ جائے جس سے کسی حقیقت کا سراغ لگتا ہو!

گھرانے والوں کے ساتھ عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز بھی جاتے۔ یہ عرب کے مشہور بازار تھے، جو مکہ کے آس پاس ہی لگتے۔ پھر تھے بھی حرمت کے مہینوں میں جن میں جنگ و خونریزی حرام ہوتی۔ ہوتی ہوئی جنگیں رک جاتیں۔ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ جاتے۔ اور یہ حرمت کے مہینے چار تھے۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ ان بازاروں میں ہر قسم کی چیزیں بکتیں۔ بیرونی ملک سے بھی سامان آتا اور فروخت ہوتا۔ اس کے علاوہ ان میں شعر و شاعری کی محفلیں جمتیں۔ مقررین اپنی اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے۔ ہر شخص اپنے افکار و خیالات کا برملا اظہار کرتا۔ ہر مذہب کا آدمی اپنے عقائد کی اشاعت کرتا۔ ہر شخص پوری آزادی سے اپنے نظریے و مسلک پر عمل کرتا۔ نہ وہاں کسی طرح کا خطرہ ہوتا نہ کسی سے اندیشہ۔ ہر ایک مطمئن اور بے غم ہوتا کہ یہ حرمت کے مہینے ہیں۔

یہ بازار آدمیوں سے بھرے ہوتے۔ ان میں طرح طرح کے لوگ ہوتے۔ جگہ جگہ کے باشندے ہوتے۔ ہر طرف ایک چہل پہل ہوتی۔ ان ہماہمی ہوتی۔ ایسے میں آپ ﷺ کو لوگوں سے ملنے جلنے کا، ان کے افکار و عقائد کو سمجھنے کا، اور ان کے قول و عمل کو پرکھنے کا بڑا اچھا موقع ملتا۔ اور یہ فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہوتی کہ کون راہِ راست پر ہے اور کون اس سے پرے۔

پھر جب آپ ﷺ تنہائی میں ہوتے، اور یکسوئی حاصل ہوتی۔ تو ساری باتیں بارگاہِ عقل میں پیش کرتے۔ جو بات صحیح معلوم ہوتی، ذہن نشین کر لیتے اور جو غلط معلوم ہوتی اسے دور ڈال دیتے۔ بارہ سال کی عمر سے آپ ﷺ بکریاں چرانے لگے تھے۔ اس سے غور و فکر میں اور مدد ملی۔ یہ آپ ﷺ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کچھ گھر والوں کی بکریاں ہوتیں، اور کچھ قبیلہ والوں کی۔ ان کو لے کر آپ ﷺ دور ٹیلوں اور میدانوں کی طرف نکل جاتے جہاں بکریوں کو آزادی سے چرنے کا موقع ملتا اور آپ ﷺ کی روح کو پُرسکون اور پُرکیف فضا میسر ہوتی۔ وہاں فکر و نظر کے لیے، غور و تدبر کے لیے آپ ﷺ کے

سامنے ایک وسیع میدان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وسیع و عریض کائنات ایک کتاب کی طرح آپؐ کے سامنے کھلی ہوتی۔ آپؐ اس کی سیر کرتے اور اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

اس طرح آپؐ نے بچپن کے ایام اور جوانی کے سال گزارے اور دوسرے لڑکوں اور جوانوں کی طرح کھیل کود، ہنسی مذاق میں فضول باتوں اور بے مقصد کاموں میں اس کو عمری میں آپؐ میں بڑوں کی سی سوجھ بوجھ اور دور بینی تھی۔

بچپن کا واقعہ ہے، کعبہ کی دیواریں بن رہی تھیں۔ بچوں نے تہبند اتار کر کندھوں پر رکھ لیے اور پھر پتھر ڈھونے لگے، لیکن آپؐ نے اسے مضبوطی سے باندھ لیا۔ چچا نے کہا، بچوں کو دیکھو، اپنے تہبند انہوں نے کندھوں پر رکھ لیے ہیں، اور اب کیسے عزت سے ڈھو رہے ہیں، تم بھی ایسا ہی کر لو۔ پھر کندھے نہیں دکھیں گے۔ مگر چچا کے کہنے سے ایسا کرنا چاہا تو مارے غیرت کے آپؐ بے ہوش ہو گئے!

مکہ میں عام رواج تھا کہ رات کو لوگ اپنے اپنے کاموں سے چھٹی کر کے جمع ہوتے۔ طرب و نشاط کی محفلیں آراستہ ہوتیں، دلچسپ تفریحی پروگرام رہتے۔ داستان گوئی و داستان سرائی اس پروگرام کا ایک اہم جزو ہوتا۔ کوئی شخص، جس کو اس فن میں کمال ہوتا، داستان سنانا شروع کرتا، اور لوگ رات رات بھر بیٹھے سنتے رہتے۔ یہ گویا اس زمانہ کا کلچرل پروگرام تھا۔ ایک ساتھی نے آپؐ کو بھی ابھارا:

"محمدؐ! ایک رات تم بھی اس محفل کا لطف اٹھاؤ۔"

نوجوانی کا زمانہ تھا، ساتھی نے زیادہ کہا تو تیار ہو گئے۔ وہ آپؐ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ فرمایا:

"اچھا، آج رات میری بکریاں تم دیکھتے رہنا!"

اور پھر اس تفریحی پروگرام میں شرکت کی غرض سے آپؐ آبادی کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں کسی گھر سے گیت کی آواز آ رہی تھی۔ آپؐ ٹھہر کر سننے لگے۔ کچھ دیر میں نیند آ گئی اور سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا۔ سورج کی گرمی میں تیزی آ چکی تھی۔ آپؐ ساتھی کے پاس لوٹ آئے۔ ساتھی نے دیکھتے ہی پوچھا:

"کہو محمدؐ! رات کیسی گزری؟"

آپ ؐ نے فرمایا:

"کیا بتاؤں، جارہا تھا کہ رستے میں ایک جگہ گیت گانے کی آواز آئی۔ گیت بڑا سہانا تھا، آواز بڑی رسیلی تھی۔ سوچا کہ تھوڑی دیر اسے بھی سن لوں، پھر جاؤں۔ مگر بیٹھا تو نیند آگئی۔ پھر جو آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔"

دوسری رات ساتھی نے پھر کہا:

"دیکھو آج یہ موقعہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔"

چنانچہ آپ پھر روانہ ہو گئے۔ مگر راستے ہی میں تھے کہ کانوں میں گیت کی آواز پڑی۔ گیت بڑا سہانا تھا۔ ایسا لگتا، گویا آسمان سے آواز آرہی ہے۔ آپ پھر سننے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر میں نیند آگئی، اور سو گئے۔

چالیس برس کی زندگی میں صرف دو بار آپ نے اس قسم کا ارادہ کیا مگر دونوں مرتبہ خدا نے بچا لیا۔

"تیری شان ان فضولیات سے بالاتر ہے۔"

پھر کبھی خواب میں بھی اس طرح کا خیال نہ آیا اور نہ کبھی کوئی ایسی بات سرزد ہوئی جس سے آپ کی امانت و دیانت پر کوئی حرف آتا ہو یا عفت و پاکبازی پر کوئی آنچ آتی ہو۔

آپ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ عفت و پاکبازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ سچائی کے لیے پوری قوم میں مشہور تھے۔ دیانتداری و ایمانداری میں اپنی مثال آپ تھے۔

وطن والوں نے اگر آپ کو "امین" کا خطاب دیا تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ذرا بھی نہیں۔ آپ کو یہی خطاب زیب دیتا تھا اور آپ ہی کو زیب دیتا تھا۔

آپ نے جوانی میں تیر اندازی سیکھی۔ جوان ہوئے تو فن سپہ گری میں مہارت حاصل کی، اور جنگ فجار ہوئی تو چچاؤں کے دوش بدوش رہے۔ یہ جنگ قریش اور ہوازن کے درمیان ہوئی تھی۔ اور تاریخی جنگ تھی، بڑی ہی خوفناک اور تباہ کن! عرب کی سرزمین نے کبھی ایسی جنگ نہ دیکھی تھی۔ یہ جنگ برسہا برس رہی۔ شریک ہونے کو تو آپ بھی ہوئے لیکن کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔

اس جنگ میں گھرانے کے گھرانے تباہ ہو گئے۔ اس سے کچھ لوگوں کو بہت دکھ ہوا اور انہوں نے صلح کی آواز اٹھائی۔ بالآخر دونوں فریقوں میں معاہدہ ہو گیا۔ یہی معاہدہ "حلف

الفضول'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے میں آپؐ بھی شریک تھے۔ عمر مبارک اس وقت ۱۹ سال تھی۔

جنگ سے فرصت ملی تو اہل مکہ پھر اپنی پرانی حالت پر آ گئے۔ اب پھر وہی لہو ولعب تھا، اور وہی سرمستیاں تھیں۔ رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔ آوارگی و بے حیائی کا بازار گرم ہو گیا۔ جوئے اور شراب کی محفلیں آباد ہو گئیں اور لوگ داد عیش دینے لگے۔ اور آپ..... ؟ آپ بھیڑ بکریاں لے کر پہلے کی طرح میدانوں میں نکل جاتے۔ وہاں کھلی فضا ہوتی، اور روح پرور سماں ہوتا۔ آنکھیں بکریوں کی دیکھ بھال کرتیں، اور روح کائنات کی وسعتوں میں پرواز کرتی۔

یہ تھی آپؐ کی زندگی! یہی آپؐ کے شب و روز تھے، یہی آپؐ کے مشاغل اور دلچسپیاں تھیں۔ اسی میں آپؐ کے لیے سکون و راحت کا سامان تھا! تنہا رہنا اور نظام کائنات کا مطالعہ کرنا، ہنگاموں سے دور رہنا اور عالم کے حسن انتظام پر غور کرنا! آپ کو بس بکریاں چرانے سے مطلب رہتا! صحرا کی فضا میں مزہ آتا! تنہائی اور یکسوئی میں آپؐ کے ذہن و فکر کی نشوونما ہوتی، قلب و روح پر معرفت کا فیضان ہوتا، اور کائنات کے اسرار منکشف ہوتے۔

اور ابوطالب؟ وہ روزی کی فکر رکھتے۔ معاشی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے، کہ ان کا اور بھتیجے کا پیٹ پل سکے، اور آسانی سے اوقات کا گزارہ ہو سکے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ کم تعداد میں نہ تھی۔

ایک دن ابوطالب آپؐ کے پاس آئے اور بولے:

''بھتیجے! تم جانتے ہو کہ اپنی مالی حالت کیا ہے؟ ہماری پریشانیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ خدیجہ دوسروں کو اپنا مال دے کر تجارت کراتی ہیں۔ کہو تو تمہارے لیے بات کروں؟''

اس وقت آپؐ کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

''چچا! آپ جو فرمائیں، سر آنکھوں پر!!''

خدیجہ بہت اونچے گھرانے کی خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں قصی تک پہنچ کر آپؐ سے جا ملتا تھا۔ یہ بنی مخزوم کے دو رئیسوں سے یکے بعد دیگرے بیاہی گئیں۔ وہ دونوں بہت کافی دولت چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر قریش کے بہت سے رئیسوں نے شادی کا پیغام بھیجا لیکن ہر ایک کو ٹھکرا دیا۔ اب وہ تنہا رہتیں۔ اپنا سرمایہ کاروبار میں لگاتیں، خوب نفع

اٹھاتیں، اور نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کرتیں۔ ابو طالب پہنچے، تو وہ تجارت کے لیے کسی آدمی کی فکر میں تھیں۔ ابو طالب نے پوچھا:

"خدیجہ! محمد سے تجارت کرانا پسند کرو گی؟"

خدیجہ بولیں:

"آپ کسی ناپسندیدہ اور غیر آدمی کے لیے کہتے، جب بھی مجھے انکار نہ ہوتا۔ یہ تو اپنے آدمی ہیں اور وہ بھی امین!"

ابو طالب خوش ہو کر آپ کے پاس آئے اور آپ سے مخاطب ہو کر بولے:

"محمد! خدا نے روزگار کا انتظام کر دیا"

شام جانے کے لیے قافلہ تیار ہو گیا۔ اس میں آپ بھی تھے۔ آپ کے ساتھ خدیجہ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ آپ کے کئی چچا آپ کو رخصت کرنے آئے۔ ابو طالب آگے آگے تھے۔ ان لوگوں نے جدا ہوتے وقت بڑے پیار سے کہا:

"خدا یہ سفر مبارک کرے، تجارت میں خوب برکت دے، اور خیریت سے واپس لائے۔"

میسرہ کو بھی وصیت کی کہ:

"دیکھو میسرہ! محمد کا خیال کرنا، کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔"

قافلہ روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ ساری چیزیں پھر سامنے آتی رہیں، جو آپ پہلے سفر میں دیکھ چکے تھے۔ چلتے چلتے قافلہ شام پہنچ گیا، اور پھر اسی شہر بصریٰ میں ٹھہرا۔ قافلہ میں جتنے لوگ تھے، سب کی ہمدردیاں اور خیر خواہیاں آپ کو حاصل تھیں، آپ بھی ان کے لیے بہترین رفیق سفر اور سراپا خیر و برکت تھے۔ رہا خدیجہ کا غلام میسرہ، تو نہ پوچھیے، اس کا کیا حال تھا۔ جیسے وہ آپ کا غلام ہو۔ بے حد محبت کرتا، ہر وقت خیال رکھتا۔ آپ کی کسی بات کو نہ ٹالتا۔

جو کچھ سامان ساتھ تھا، اس کی آپ نے بڑی کامیابی سے تجارت کی، ایک ہوشیار، تجربہ کار اور خوش تدبیر انسان کی طرح۔ پھر کسی کے ہاتھ کچھ بیچا، تو بڑی خوش اخلاقی سے، کسی سے کوئی معاملہ کیا تو بڑی ایمانداری سے۔ کسی سے کچھ خریدا، تو بڑی دیانتداری سے۔ پھر واپس ہوئے تو خدیجہ نے جو فرمائشیں کی تھیں اور جو سامان منگوایا تھا، سب ساتھ لائے۔

کیا کاروبار کی ان مشغولیتوں میں آپ کے معمولات چھوٹ گئے؟ نہیں آپ اسی طرح

تنہائیوں میں بیٹھ کر غور وفکر کرتے رہتے۔ لوگوں کے حالات جدا جدا تھے۔ ان کے مذاہب مختلف تھے۔ ان کے عقائد ایک دوسرے سے الگ تھے۔ آپ ہر ایک کو عقل کی ترازو میں تولتے۔ ان میں کون سچا ہے۔ کس حد تک صحیح ہے؟ گھنٹوں بیٹھے اسی غور وفکر میں ڈوبے رہتے۔

جہاں قافلہ کا پڑاؤ تھا، اس سے قریب ہی ایک بہت بھاری درخت تھا۔ ایک روز معمول کے مطابق آپ اسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میسرہ اِدھر اُدھر کچھ کام دھام میں مصروف تھا۔ پاس ہی ایک گرجا گھر تھا۔ اس میں سے ایک راہب نکلا، اور میسرہ کے پاس آیا۔ یہ تھا نسطور راہب۔ میسرہ یہاں تجارت کی غرض سے ہر سال آتا تھا۔ اس لیے نسطور اس سے خوب واقف تھا۔ وہ بولا:

"میسرہ! تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟"

میسرہ نے کہا:

"قریش کا ایک جوان!"

راہب بولا:

"تم نے اس میں کیا کیا اوصاف دیکھے؟"

میسرہ نے جواب دیا:

"ایمانداری، پاکیزگی اور ستھرائی، نرم مزاجی، اور خوش اخلاقی، افکار وخیالات کے سمندر میں اسی طرح غرق رہنا، نگاہ وتصورات سے کائنات کا مطالعہ کرنا۔"

نسطور نے بڑی بے تابی سے پوچھا:

"اس کی آنکھیں کس قسم کی ہیں؟"

میسرہ پر کچھ گھبراہٹ سی طاری ہوئی، بولا:

"آنکھیں سیاہ اور چوڑی ہیں۔ سفید حصے میں سرخ ڈورے ہیں، پلکیں سیاہ اور باریک ہیں، کچھ بڑی بڑی سی ہیں، جو آنکھوں کا حسن دوبالا کرتی ہیں۔"

نسطور جو اب آپ کے پاس آنے کے لیے پر تول رہا تھا، بولا:

"میسرہ! جو اس درخت کے نیچے ٹھہرے، اور اس میں یہ خوبیاں ہوں، وہ نبی ہی ہو سکتا ہے!"

پھر وہ آپؐ کے پاس آیا اور اس کی قوم میں جو جو مذاہب رائج تھے ان کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس سلسلہ میں آپؐ کے خیالات معلوم ہوں، اور اندازہ ہو کہ آپؐ کے دل میں ان مذاہب کا کیا مقام اور کتنا احترام ہے۔ آپؐ نے ان کی تردید کی اور سب سے بیزاری ظاہر کی۔ خود اس کا مذہب چونکہ عیسائی تھا۔ اس لیے اب اس نے اس کے بارے میں بھی سوال کیا۔ آپؐ نے اس میں جو اچھائیاں یا برائیاں تھیں سب بیان کر دیں۔

☆☆☆

۞

قافلہ کچھ دنوں بعد مکہ واپس ہوا۔ مَرُّ الظَّہران پہنچا، تو میسرہ نے کہا:

"محمدؐ! لپک کر خدیجہ کے پاس جاؤ۔ انہیں کامیابی کی خوش خبری سناؤ۔"

چنانچہ آپؐ اونٹ پر روانہ ہو گئے، اور دوپہر ہوتے ہوتے مکہ پہنچ گئے۔ خدیجہ اس وقت بالا خانہ میں تھیں، اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہی تھیں۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ ایک اونٹ پر کوئی سوار ہے، اور اونٹ ریگزار کی تپتی ہوئی ریت پر محوِ رفتار ہے۔ بالکل ہوا کا مقابلہ کر رہا ہے۔ خدیجہ نے سوار پر نظریں گاڑ دیں کہ پہچانیں، کون ہے؟ وہ سوار کچھ اور قریب ہوا، کچھ اور قریب ہوا، دیکھا تو محمدؐ ہیں۔ ان کے گھر کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں!!

آپؐ دروازہ پر پہنچے تو خدیجہ نے بڑے خلوص سے استقبال کیا اور خیریت سے واپس آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر آپؐ نے بڑے اچھے انداز سے سفر کا پورا حال سنایا۔ کاروبار کی بھی روداد بیان کی کہ کیا بیچا؟ کیا خریدا اور کتنا نفع اٹھایا؟

خدیجہؓ پورے شوق اور دلچسپی سے ساری داستان سنتی رہیں، دل ہی دل میں عش عش کرتی رہیں۔ آپؐ کی باتوں سے انہیں بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ آپؐ کی خوش کلامی ان کے دل کو بھا رہی تھی، اور آپؐ کی ایمانداری اور سچائی ان کو موہ رہی تھی۔ پھر اس بار تجارت میں بے انتہا برکت ہوئی۔ اتنی کہ اور کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس سے بھی وہ بہت متاثر تھیں۔

پھر میسرہ آیا، اس کی زبانی آپؐ کے حالات سنے، تو دل خوشی سے لبریز ہو گیا، اور پھر اتنی حیرت اور مسرت ہوئی، اتنی ہوئی جس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

میسرہ نے بتایا کہ آپؐ نے کس طرح تجارت کی۔ معاملات میں کتنی سچائی اور ایمانداری دکھائی، اور پھر کس قدر ان کے مالِ تجارت کی فکر رکھی، اور جان و دل سے اس کی حفاظت کی۔

پھر راہب نسطور کا واقعہ سنایا اور آپؐ کے بارے میں اس نے جو خوشخبری دی تھی، وہ بھی سنائی۔ پھر بولا:

"ایک واقعہ اور ہوا، جس میں میں حیران رہ گیا۔ سفر سے ہم لوگ واپس ہو رہے تھے۔

میرے ساتھ دو اونٹ تھے۔ دونوں تھک کر جواب دے چکے تھے۔ تھا میں بہت پیچھے۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں قافلہ آگے نہ بڑھ جائے اور میں تنہا رہ جاؤں۔ چنانچہ جلدی سے میں محمدؐ کے پاس گیا، اور ان کو سارا حال بتایا۔ یہ سن کر چلے تو انہوں نے دونوں کے پیر سہلائے، پھر نکیل ہاتھ میں لی اور ان کو ہنکایا، اور اب وہ اس طرح اچھلنے لگے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔"

خدیجہ بہت حیران ہوئیں، بولیں:

"بھائی! ان میں تو بڑی عجیب و غریب خصوصیات ہیں!"

اب ناممکن تھا کہ خدیجہ کسی وقت آپ کو بھول جائیں، یا آپؐ ان کے ذہن سے اتر جائیں۔ جہاں ہوتیں، آپؐ ہی کا تذکرہ کرتیں اور جس سے ملتیں آپؐ ہی کے گن گاتیں۔ اب ان کو آپؐ سے بے انتہا محبت تھی، اور تمنا تھی کہ کسی طرح اس امین اور صالح جوان کو اپنا شریک زندگی بنا لیں!!

خدیجہ کو اس کی فکر ہوئی، تمنا ہوئی اور پھر ایک تڑپ بن گئی! یہی خدیجہ تھیں۔ ہاں، یہی خدیجہ، جن کو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور انہوں نے ہر ایک کو ٹھکرا دیا تھا، ہاں، ٹھکرا دیا تھا، اور لاپرواہی سے رخ پھیر لیا تھا! مگر اس وقت یہ خواہش اتنی بڑھی کہ خدیجہ اس کو راز نہ رکھ سکیں اور قریبی عورتوں سے بھی کہہ بیٹھیں۔ ان میں ایک خاتون نفیسہ بنت علیہ تھیں، وہ بولیں:

"خدیجہ! کیا حرج ہے؟ امین سے نکاح کر لو!"

خدیجہ نے کہا:

"اس کی شکل کیا ہوگی؟"

نفیسہ نے جواب دیا:

"میں اس کی ذمہ دار ہوں!!"

پھر وہ آپؐ کے پاس آئیں اور بولیں۔

"محمدؐ! نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"میرے پاس ہے کیا، جو کر لوں؟"

وہ بولیں:

"اچھا بتاؤ، اگر کوئی انتظام ہو جائے، اور ایک نہایت حسین اور مالدار خاتون سے نکاح کرنے کو کہا جائے..... تو کیا تیار ہو جاؤ گے؟"

آپ ؐ نے فرمایا:

"وہ کون؟"

وہ بولیں:

"خدیجہ!"

خدیجہ کے اخلاق اور دانائی سے آپ ؐ بہت متاثر تھے۔ آپ ؐ نے جیسا سنا تھا، ان کو ویسا ہی پایا تھا۔ لوگ ان کو "طاہرہ" کہتے تھے۔ آپ ؐ نے ان کو طاہرہ ہی پایا تھا۔ مگر ان سے نکاح؟ یہ تو آپ ؐ کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپ ؐ کو معلوم تھا کہ اس کے لیے بڑے بڑوں نے زور لگایا، لیکن وہ ترس کے رہ گئے۔

آپ ؐ نے فرمایا:

"لیکن خدیجہ سے نکاح کی کیا شکل ہوگی؟"

نفیسہ نے آپ ؐ کو بھی وہی جواب دیا:

"یہ میرے ذمہ!"

پھر آپ ؐ ابوطالب کے پاس پہنچے، اور ان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابوطالب نے سنا تو سخت حیران ہوئے۔ مگر آپ ؐ کی زبان سے کبھی جھوٹ یا غلط بات تو سنی نہ تھی۔ اس لیے انکار بھی نہ کر سکتے تھے۔ البتہ بولے:

"تعجب ہے بیٹے! خدیجہ، قریش کی معزز خاتون، مال ودولت اور جاہ ومنصب والوں کو ٹھکرا دے، اور تم کو اپنا شوہر بنانا پسند کرے۔"

پھر بولے:

"لیکن بیٹے! اگرچہ تم مال کے کنگال ہو، پر شرف وعزت سے مالا مال ہو!"

آپ ؐ نے فرمایا:

"چچا! نہ مجھے مال کی ہوس ہے، نہ اس کی کوئی ضرورت۔"

پھر ابوطالب نے بھائیوں کو ساتھ لیا، اور خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے۔ ان

کے بھائی عمرو بن خویلد سے بھی ملے، اور آپ کی طرف سے خدیجہ کے نکاح کا پیام دیا۔ وہ دونوں اسی دم تیار ہو گئے!

اس طرح جھٹ پٹ شادی کا دن طے ہو گیا۔ پھر وہ دن آیا تو خاندان کے تمام شرفاء خدیجہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح دیا۔ خطبہ بہت شاندار تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے بڑے آپ کے اخلاق اوصاف سے کس قدر متاثر تھے۔ حمد وثنا کے بعد بولے:

"یہ میرے بھائی عبداللہ کا بیٹا محمد ہے۔ یہ وہ نوجوان ہے کہ قریش میں اس جیسا کوئی نہیں۔ ہاں مال اس کے پاس کم ہے۔ لیکن مال تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ محمد میرا عزیز ہے۔ یہ تم سب جانتے ہو۔ وہ خویلد کی بیٹی خدیجہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور میرے مال سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے۔ بخدا اس کا مستقبل انتہائی شاندار ہے۔"

اس طرح یہ مبارک تقریب انجام پا گئی، اور خاتون قریش، امین قریش کے گھر آ گئی۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن تھی، اور بی بی خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔

☆☆☆

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

اس وقت محمدؐ کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ حسن و دلکشی بلا کی تھی۔ گورا گورا رنگ ملاحت لیے ہوئے، مسکراتا ہوا نورانی چہرہ، ہلکی گولائی لیے ہوئے۔ قد درمیانہ، نہ تو پست قد اور نہ بہت زیادہ لانبے۔ بڑا سر، جس پر سیاہ سیاہ گھنے بال، گھنگھریالے...... چوڑی پیشانی، جس سے غیر معمولی عظمت ٹپکتی۔ باریک باریک بھویں، ایک دوسرے جدا، کچھ خمدار اور بھری ہوئی، انتہائی خوشنما! دراز پلکیں، سیاہ سرگیں آنکھیں، چوڑائی لیے، سفیدی میں ہلکی ہلکی سرخی، جو آنکھوں کی کشش میں غیر معمولی اضافہ کر رہی ہوتی، پھر نگاہوں میں شرم و حیا کی گھلاوٹ! اور دیکھنے کا انتہائی معصومانہ اور دلکش انداز، ناک کچھ اونچی اور ستواں۔ سامنے کے دانتوں میں ہلکی ہلکی ریخیں۔ گفتگو فرماتے تو موتی کی طرح چمکتے۔ ایسا لگتا جیسے ان سے نور ابل رہا ہے۔ چہرہ پر بھری ہوئی گھنی داڑھی۔ خوبصورت سی اونچی گردن۔ سینہ کشادہ۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے کچھ زیادہ۔ چوڑی چوڑی کلائیاں، ہتھیلیاں فراخ اور نرم و گداز، انگلیاں موزوں حد تک دراز۔ ہلکی ہلکی سی ہوئی پنڈلیاں ایڑیوں پر برائے نام گوشت۔ تلوے ذرا گہرے۔ چلتے تو قوت کے ساتھ، ذرا آگے کو جھک کر۔ قدم جما جما کر رکھتے۔ رفتار بہت تیز ہوتی۔ معلوم ہوتا نشیب میں اتر رہے ہیں، چہرہ غور و فکر میں ڈوبا رہتا، اور نگاہوں میں پاکیزہ خیالات اور بلند جذبات چمکتے ہوتے۔ دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا۔

خدیجہ کے ساتھ آپؐ کی زندگی انتہائی پر لطف تھی۔ ان کی رفاقت آپؐ کے لیے راحت ہی راحت تھی۔ وہ ایک نہایت ہوشیار، تجربہ کار اور سمجھدار خاتون تھیں۔ انہوں نے آپؐ کی طبیعت اور مزاج کو، آپؐ کی پسند اور ناپسند کو خوب پہچان لیا، اور ہمیشہ اس کا پورا پورا خیال رکھا۔ آپؐ کے جذبات اور رجحانات کو، آپؐ کی امنگوں اور دلچسپیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا، اور ان کے سلسلہ میں آپؐ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور ہر طرح سے سہولتیں پہنچانے کے لیے کمربستہ رہیں۔

آپ کے رجحانات کیا تھے؟ سراسر سچ بولنا، ہر کام ایمان داری سے کرنا، ہنگاموں سے بچنا، شوروغل کی محفلوں سے دور رہنا، اور تنہائی میں بیٹھ کر غوروفکر کرنا۔ خدیجہؓ نے ان ساری باتوں کا خیال رکھا۔ چنانچہ آپؐ کے معمولات پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ آپؐ اب بھی اسی طرح وسیع اور روح پرور فضاؤں میں نکل جاتے۔ اب بکریوں کی رکھوالی بھی نہ کرنی ہوتی، اس لیے اور زیادہ یکسوئی اور اطمینان رہتا جب تک چاہتے، غوروفکر کرتے، مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتے۔ اس طرح گویا آپؐ فطرت کی رہنمائی میں اپنے دادا ابراہیمؑ کے نقش قدم پر چل رہے تھے، اور علم و عرفان اور ایمان ویقین کی منزلیں طے کررہے تھے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝ (الانعام: ۷۵)

”اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے نظام سلطنت دکھاتے تھے، اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔“

تو کیا آپؐ خدیجہؓ کے حقوق سے غافل رہے؟ نہیں ایسا نہ تھا۔ اگر خدیجہؓ ایک وفاشعار اور فرض شناس بیوی تھیں، تو آپؐ بھی ایک مثالی شوہر تھے۔ عبادت کے ساتھ ساتھ آپؐ خدیجہؓ کا بھی پورا خیال رکھتے۔ ان کے سارے حقوق ادا کرتے۔ ان کے دل بہلاؤ کا سامان کرتے۔ ان کے ذوق، اور طبیعت کی پوری رعایت رکھتے۔ ان کے مال کی ہر طرح حفاظت کرتے، ان کی تجارت کو فروغ دیتے۔ جس پر پورا اطمینان ہوتا، جو سچا اور دیانتدار ہوتا، چالبازیوں سے بیزار ہوتا اسی کو اس میں شریک کرتے۔ غرض آپؐ ایک انتہائی محبوب اور حق شناس شوہر تھے۔ خدیجہؓ کے لیے آپؐ کے رہن سہن میں بڑی دلکشی، اور دل نوازی تھی۔ آپؐ کا ساتھ ان کے لیے بڑا ہی سکون بخش اور پرکیف تھا۔ خدیجہؓ نے آپؐ کو بڑے بڑے مالداروں اور عزت داروں پر ترجیح دی تھی۔ جاہ و منصب والوں کے مقابلے میں آپؐ کو اپنا خاوند بنانا پسند کیا تھا۔ وہ آپؐ کے بارے میں انتہائی حسن ظن رکھتی تھیں۔ آپؐ سے بڑی ہی پُرامید تھیں۔ پھر بھی ان کو پہلے سے کیا اندازہ رہا ہوگا کہ وہ کتنی خوش نصیب ہیں!

تھے تو آپؐ تنہائی پسند، لیکن لوگوں سے میل جول بھی رکھتے۔ ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے۔ ان کی باتوں کو بہت ہی غور سے سنتے۔ اکثر چپ رہتے، بے ضرورت کبھی نہ بولتے، نہ کسی

بات میں لوگوں سے الجھتے ۔ جو بات بھی کہتے ، بہت ہی مختصر اور کام کی کہتے ۔ اس میں بھی ظرافت ہوتی ۔ ظرافت میں بھی لطافت ہوتی ، چہرہ مسکراتا ہوا ، دیکھنے میں بہت دلکش اور بھلا لگتا ۔ بات کرنے والا گرویدہ ہو جاتا ۔ یہی مسکراہٹ کبھی کبھی ہنسی میں تبدیل ہو جاتی ۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے لوگ آپ ؐ کی ہر بات کو وزن دیتے ۔ آپ ؐ کی رائے کا احترام کرتے اور آپ ؐ کے مشوروں پر عمل کرتے ۔

.... ☆☆☆ ....

مکہ کے چاروں طرف پہاڑیوں کا سلسلہ ہے اور بیچ میں کعبہ ہے زور کی بارش ہوتی تو شہر میں پانی بھر جاتا۔ پھر کعبہ کی دیواریں نیچی تھیں، اور دیواروں پر چھتیں بھی نہ تھیں۔ جیسے ہمارے یہاں کی عیدگاہ۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ بہت زبردست سیلاب آیا جس سے بہت سی عمارتیں ڈھے گئیں اور پانی کعبہ کے اندر پہنچ گیا۔ اس طرح دیواروں میں شگاف پڑ گئے، اور بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ یہ چیز مکہ والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی اور انہیں اس کی مرمت کی فکر ہوئی۔ اور دوسروں کی طرح آپ ﷺ کو بھی ہوئی۔

کعبہ ہی ان کے لیے سب کچھ تھا۔ یہ ان کا عبادت گھر تھا۔ ان کے بتوں کا گڑھ تھا۔ پھر دور سے لوگ اس کا طواف کرنے آتے تھے۔ اس سے ان کی تجارت کو فروغ ہوتا، اور کاروبار میں ترقی ہوتی۔ پھر اتنا ہی نہیں، اس کی وجہ سے انہیں لوگوں کی نظروں میں ایک اونچا مقام حاصل تھا۔ آنے والے ان کی عزت کرتے اور اپنے سے اونچا اور برتر سمجھتے۔ کیونکہ یہ اس کے ہمسایہ تھے، اس کے خدمت گزار اور پاسبان تھے، اور اس سے متعلق مختلف عہدوں سے سرفراز تھے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے، اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ کون اسے ڈھائے؟ اور پھر کون اسے تعمیر کرے۔

کعبہ اللہ کا سب سے مقدس گھر ہے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اسے ڈھانے سے اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ کہیں سر پر کوئی عذاب نہ آ جائے۔ عقل حیران تھی کہ کریں تو کیا کریں؟!

لیکن عمارت بالکل بے جان ہو چکی تھی۔ بنیادیں کمزور پڑ چکی تھیں، اور ہر آن اس کے ڈھے جانے کا خطرہ تھا، لہٰذا اس کو ڈھانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ چاروناچار انہوں نے ڈرتے ڈرتے، بہت ہی پس وپیش کے بعد، اسے ڈھانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ابھی ایک مسئلہ اور تھا۔ نئی عمارت مضبوط اور پائیدار ہونی چاہیے۔ اس کے لیے عمدہ سامان کیسے فراہم ہو؟ اور ماہر کاریگر کہاں سے آئیں، جو سلیقے سے پتھر جوڑ سکیں، اور ایک خوب صورت اور مضبوط عمارت تیار کر سکیں؟

خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رومی آدمی مصر سے جہاز لے کر چلا۔ وہ حبشہ جا رہا تھا مگر جہاز

جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ اس جہاز پر عمدہ قسم کی لکڑیاں اور بہترین قسم کا تعمیری سامان تھا۔ اس آدمی نے سارا سامان بندرگاہ پر اتار دیا، اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی جہاز حبشہ جانے والا ملے تو سامان لاد کر وہ لے جائے۔ قریش کو اس واقعہ کی خبر مل گئی، لہٰذا فوراً انھوں نے کچھ آدمی دوڑائے جہاز والے کا نام باقوم تھا۔ یہ لوگ جا کر اس سے ملے اور اسے اپنی ضرورت بتائی۔ وہ بخوشی اپنا سارا سامان بیچنے پر تیار ہو گیا۔ نیز اس نے انھیں بتایا کہ میں ایک ماہر معمار بھی ہوں۔ اب کیا تھا۔ ان کو تو کاریگر کی تلاش تھی ہی، اور بیٹھے بٹھائے ایک اچھا کاریگر مل رہا تھا۔ چنانچہ انھوں نے کہا، اچھا تو آپ بھی ساتھ چلیے، اور اس اہم کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔

باقوم نے جا کر کعبے کو دیکھا۔ پھر اس نے کہا، اس کی تعمیر تو بہت آسان ہے البتہ صحن میں کچھ ستون کھڑے کیے جائیں گے، تاکہ چھت پڑ سکے۔ اس طرح عمارت محفوظ رہے گی۔ پھر آندھی نے جھونکے آئیں یا سیلاب کے تھپیڑے، سب سے محفوظ رہے گی۔ خود ان کی بھی یہی خواہش تھی۔ بس یہ کہنے سے پہلے ہی یہ منظور تھی۔ مکہ میں ایک مصری آدمی رہتا تھا۔ قبطی نسل کا۔ صباح اس کا نام تھا۔ لکڑی کے کام میں وہ ماہر تھا، اس لیے باقوم کی مدد کے لیے وہ بھی بلا لیا گیا۔

اس کے بعد قریش نے کعبے کے الگ الگ حصے کیے اور آپس میں بانٹ لیے۔ کہ کیا تو ڈھانے میں ہر قبیلہ کا ہاتھ رہے اور تعمیر کے شرف سے بھی کوئی محروم نہ رہے۔

اب ڈھانے کا وقت آ گیا۔ لوگ تھر تھر لرزا اٹھے۔ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ شش و پنج میں پڑ گئے، ڈھائیں؟ نہ ڈھائیں؟ کیا کریں؟ ابرہہ کا حشر یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ جو کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن نہ کعبہ تک پہنچ سکا اور نہ واپس جا سکا۔ پورے لشکر کے ساتھ تہس نہس ہو گیا۔ اس واقعہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی ہلاکت و بربادی کا عبرتناک منظر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا، اور وہ سہم جاتے۔ لیکن ان کا مقصد ڈھانا نہیں تھا، بنانا تھا، چنانچہ نمازیں پڑھیں، قربانیاں کیں، دعائیں مانگیں، التجائیں کیں اور منتیں مانیں۔ پھر ایک آدمی آگے بڑھا۔ خوف سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ تھا ولید بن مغیرہ۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے کدال پکڑی اور ایک ستون ڈھا دیا!!

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، اور لوگ چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے تھے، انھیں انتظار تھا کہ دیکھیں ولید کا کیا حشر ہوتا ہے؟ اور وہ کس بلا میں گھرتا ہے؟ رات گزر گئی۔ نئی صبح بھی نمودار ہوئی۔

لیکن ولید کو کچھ نہ ہوا۔ اس پر کوئی بھی آفت نہ آئی! اب قریش کی ہمت بندھی، اور دل کو اطمینان ہوا، اور انہوں نے کعبہ کی عمارت ڈھانی شروع کر دی۔

ڈھانے میں سب نے حصہ لیا اور پتھروں کو ہٹانے میں بھی سب شریک رہے۔ ڈھاتے ڈھاتے وہ ایک سبز چٹان پر پہنچے۔ اس پر بھی کدالیں ماریں، مگر کدالیں چھٹک چھٹک گئیں، اور چٹان جوں کی توں رہی۔ پھر وہی نئی عمارت کی بنیاد بنی۔

قریب ہی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ وہاں سے وہ پتھر ڈھو ڈھو کر لانے، اور نئی عمارت بنانے لگے۔ آپ اور آپ کے سارے چچا اس کام میں پیش پیش تھے۔ دیکھتے دیکھتے محکم دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

کعبہ کی پرانی دیوار میں مشرق کی طرف ایک کالا پتھر تھا، اور اب بھی ہے۔ اس کو "حجر اسود" یعنی "کالا پتھر" ہی کہتے ہیں۔ عرب اسے بہت متبرک سمجھتے تھے۔ اسلام میں بھی اس کا خاص مقام ہے۔ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو ہر طواف اس پتھر سے شروع کرتے ہیں، نیز اسے بوسہ بھی دیتے ہیں۔

قریش نے دیوار کچھ اونچی کر لی۔ اب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا، تو سوال پیدا ہوا کہ یہ شرف کس کے حصہ میں آئے؟ کون اسے اس جگہ پر رکھے؟ کوئی قبیلہ بھی اس شرف سے محرومی پر تیار نہ تھا۔ ہر ایک یہ سعادت خود حاصل کرنا چاہتا تھا، اور دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔

چنانچہ ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں میں نوک جھونک ہوتی رہی۔ اختلاف بڑھتا گیا، اور حالات بگڑتے گئے۔ دونوں جواب تک جڑے ہوئے تھے، اور اللہ کے گھر کے نام پر شیر و شکر ہو گئے تھے، پھٹنا شروع ہو گئے۔ اور ان میں نفرت و عداوت کی آگ سلگنے لگی۔

پانچ راتیں گزر گئیں، اور ہنگامہ برپا رہا۔ نہ کوئی بات طے ہوتی اور نہ کسی رائے پر اتفاق ہوتا۔ حالات نہایت سنگین ہو گئے، اور لوگ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بنی عبدالدار اور بنی عدی دو مشہور قبیلے تھے۔ انہوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا، اور دونوں نے عہد کیا کہ یہ شرف کسی حال میں ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ کسی اور قبیلے کو اس کے قریب نہیں پھٹکنے دیں گے۔ عرب میں دستور تھا کہ جان دینے کا عہد کرتے تو پیالہ میں خون بھر کر رکھتے، اور عہد کرنے والے اس میں

اپنا ہاتھ ڈبو تے۔ انہوں نے اس موقع پر یہ رسم بھی ادا کی، پھر تلواریں لیاں سے باہر آ گئیں اور یہ ہوا کہ اب اس جھگڑے کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ اس وقت ابو امیہ بن مغیرہ اٹھا۔ یہ قریش کا سب سے بوڑھا آدمی تھا۔ ہر ایک اس کا ادب و احترام کرتا، اور اس کی بات کے آگے سر جھکا دیتا۔ اس نے بڑی منت سماجت کی، اور کہا:

"میرے بھائیو! عزت اور سرداری میں تم سب کا رتبہ برابر ہے۔ بلا وجہ آپس میں لڑو جھگڑو نہیں۔ نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکاؤ۔ عقل و ہوش سے کام لو اور میری بات مانو پہلا قریشی جو "باب الصفا" سے داخل ہو کر آئے۔ اس کا فیصلہ اس پر چھوڑ دو۔"

یہ رائے سب نے مان لی۔ کعبہ کے گرد حرم شریف کی چہار دیواری ہے۔ اس کے دروازوں میں سے ایک کا نام باب الصفا ہے، کیونکہ یہ صفا پہاڑ کی طرف پڑتا ہے۔ سب نے نگاہیں باب الصفا پہ گاڑ دیں، اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں ان کی قسمت کا فیصلہ کس کے ہاتھ میں جاتا ہے اور وہ کس طرح اس گتھی کو سلجھاتا ہے۔ رب کا کرشمہ دیکھو تھوڑی ہی دیر بعد ایک خوب صورت جوان باب الصفا سے نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیزی سے چلا آ رہا ہے۔ دیکھتے ہی سب چیخ پڑتے ہیں:

"امین! امین! محمدؐ امین کا فیصلہ تسلیم!"

کتنا اعتماد تھا قوم کو اس جوان پر! پوری قوم میں کوئی نہیں جسے اس کی دیانتداری میں شبہ ہو! کوئی نہیں جسے اس کا فیصلہ ماننے میں تامل ہو! دیکھنا ہے: آج اس نازک موقع پر وہ کیا کردار پیش کرتا ہے!

لوگ بے تابی سے آگے بڑھے، اور آپؐ سے فیصلہ چاہا۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک کپڑا لاؤ" کپڑا آیا تو آپؐ نے اسے پھیلا دیا۔ پھر حجر اسود اٹھایا، اور اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا:

"ہر قبیلے کا سردار ایک ایک کونہ پکڑ لے اور سب مل کر اٹھائیں۔"

چنانچہ قبیلوں کے سردار آگے بڑھے۔ انہوں نے کپڑے کے کونے پکڑے اور جس جگہ پتھر لگانا تھا، وہاں تک لے آئے۔ پھر آپؐ نے اسے خود اٹھایا اور اس کی جگہ رکھ دیا۔ لوگ خوشی سے اچھل پڑے اور ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ کتنا پیچیدہ تھا یہ مسئلہ! اور کتنی آسانی سے حل ہو گیا۔ ہر ایک کی ناک رہ گئی، اور کوئی اس شرف سے محروم نہ رہا۔

آپؐ کی حکمت اور دانائی سے ایک زبردست فتنہ دب گیا، اور قوم انتہائی تباہ کن خانہ جنگی

سے بال بال بچ گئی۔ دشمنی وعداوت کے شعلے بجھ گئے، اور سب پہلے کی طرح شیر و شکر ہو گئے۔
پھر قریش نے کعبہ کی تعمیر مکمل کی۔ ستونوں پر چھت ڈال دی، اور اندر جانے کے لیے ایک دروازہ کھول دیا، جہاں بتوں کا سب سے بڑا ہبل براجمان تھا!!
اس وقت تک عمر مبارک کی ۳۵ بہاریں گزر چکی تھیں۔
آپ نے دیکھا محمدؐ کتنے سچے تھے! قوم میں کس قدر محبوب تھے! بے داغ سیرت! پاکیزہ طبیعت! ہر ایک آپؐ کی عزت کرتا، اور جو کچھ فرماتے اسے تسلیم کرتا۔

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (القلم: ۴)

"اور بے شک تم عظیم کردار کے مالک ہو۔"

☆☆☆

خدا کی آواز

اندھیرے میں چند جگنو!

شب پرستوں کا شرمناک سلوک۔

غار حرا میں حقیقت کی تلاش۔

صحیفے پڑھیے۔

غلاموں کی قسمت جاگ اٹھی۔

علیؓ قربِ رسالت کے سایہ میں۔۔

آغازِ نبوت کا ظہور۔

حضرت جبریلؑ کی آمد اور آپ کا اضطراب۔

بی بی خدیجہؓ کی دلجوئی اور ایمان میں پیش قدمی۔

ورقہ بن نوفل سے ملاقات۔

وحی کا رک جانا۔

وحی کا آنا اور پھر رک جانا۔

تسلی کا پیارا انداز۔

علیؓ اور زیدؓ ایمان کی گود میں۔

ابوبکرؓ قافلۂ حق کے ساتھ۔

مسلمان اور تبلیغ اسلام۔

ابو طالب اسلام کے حامیوں میں

قریش کی شرارتیں۔

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝

''وہ وقت بھی یاد کرو، جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی تجویز کی۔ ہدایت یہ تھی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو پاک رکھنا، طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔''

(الحج:۲۶)

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑ چکے تھے، ان کے پیغام کو بھول چکے تھے اور مورتیوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ لیکن قریش کے کچھ لوگوں کو اس گمراہی کا احساس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے شرک و بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق یاد دلایا۔ مکہ والوں سے انہوں نے کہا:

"قریش کے لوگو! ابراہیم علیہ السلام کے بیٹو! اللہ کا گھر پاک کرو۔ کعبہ میں تم نے جو مورتیاں رکھ چھوڑی ہیں، انہیں توڑ پھوڑ ڈالو، وہ تو بالکل بے جان ہیں۔ نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں۔ ان کو پوجنے سے فائدہ کیا؟ تم ان کا طواف کرتے ہو! ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہو! ان کے نام کی قربانیاں کرتے ہو! بھائیو! توریت اور انجیل میں ایک نبی کا ذکر آیا ہے۔ وہ نبی تمہارے ہی اندر ہوگا۔ وہ بس آنے ہی والا ہے۔ یہودی عالم، عیسائی پادری اور کاہن سب یہی کہتے ہیں۔ لہذا تم اپنے آپ سے توبہ کرلو اور ابھی سے اس کا انتظار کرو۔ دنیا میں کامیاب ہوگے، اور آخرت میں بھی نہال رہو گے۔"

اس وقت یہ بالکل ایک نئی آواز تھی۔ قریش کے کان کھڑے ہوگئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ دیکھتے ہیں تو عمر بن نفیل کے بیٹے زید ہیں۔ نوفل کے بیٹے ورقہ ہیں۔ حارث کے بیٹے عثمان ہیں اور جحش کے بیٹے عبید ہیں۔

یہ سب اپنی قوم کی بزرگ اور قابل قدر ہستیاں تھیں۔ لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ یہ چاروں آدمی دین ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ انہوں نے شراب اور جوئے کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ بت پرستی سے سخت بیزار ہیں۔ بیچاری لڑکیوں کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ اگر سن لیتے ہیں، کہ کوئی شخص اپنی معصوم بچی کو زندہ گاڑنے جارہا ہے، محض مفلسی اور تنگدستی سے ڈر کر، یا باعث ننگ و عار سمجھ کر، تو یہ فوراً جا کر اسے کسی طرح حاصل کر لیتے ہیں۔ اور خود اس کی پرورش کرتے ہیں۔ جوان ہونے پر باپ کی طبیعت راغب ہو تو پھر واپس بھی کر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ سہی، لیکن بھلا قریش کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ ایسی نامانوس صدا بلند

کریں! وہ یہ کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے مذہب پر کھلم کھلا تنقید کی جائے اور اسے غلط ٹھہرا دیا جائے۔ ان کی مورتیوں کا مذاق اڑایا جائے۔ اور ان کی بے بسی کا چرچا کر کے دلوں کو ان سے پھرا دیا جائے!

اسی طرح کی پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں ان کی عمریں گزر گئی تھیں۔ یہی ان کے معبود تھے، جن کو وہ باپ دادا سے پوجتے آئے تھے۔ کیا وہ انہیں چھوڑ دیں؟ یہ تو وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیے۔ اور حقارت سے کان بند کر لیے۔ پھر اسی پر بس نہ تھا۔ بہتوں نے گالیاں بھی دیں، طعنوں کے بھی تیر چلائے۔ تمسخر کے بھی خنجر چبھوئے۔ اور جتنا ہو سکا جسم و روح پر زخم لگائے۔

اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ کوئی تو ہجرت کر گیا۔ اور کوئی عیسائی ہو گیا۔ دین ابراہیم پر صرف زید رہ گئے۔ وہ کعبہ کی دیوار سے لپٹ کر روتے اور کہتے:

"خدایا! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سا طریقہ پسند ہے تو اسی کو اپناتا۔ مگر مجھے معلوم نہیں۔"

پھر بے تحاشا وہ سجدے میں گر پڑتے۔

☆☆☆

چاروں بزرگوں نے اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا۔ جو سمجھا اسے صاف صاف بیان کر دیا۔
اس پر قریش نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ وہی لوگ جو اب تک خوبیوں میں بے مثال اور شرافت وانسانیت کا معیار تھے، انہی میں اب کیڑے ہی کیڑے دکھائی دینے لگے۔ عیب ہی عیب نظر آنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ایک جوان اور ہے، جو ان کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سہارا ہے۔ جوان کو دل سے عزیز اور جان سے بھی پیارا ہے۔ وہ بھی انہی کا ہم خیال اور انہی کے دین کا علمبردار ہے۔ ہاں، اس نے ابھی اعلان نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ابھی وہ خود ہی تنہائیوں میں پڑا سوچ رہا ہے، اور حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے!

مکہ سے چھ میل پر حرا نامی ایک پہاڑ ہے۔ اس میں ایک غار ہے، جو غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے۔ محمدؐ اس غار میں چلے جاتے۔ کئی کئی دن، اور کئی کئی راتیں وہیں رہتے۔ جس حقیقت کے لیے آپؐ بے تاب تھے اس کا انکشاف کرتے اور جس معرفت کی آرزو تھی، اس کی تلاش کرتے۔

وہاں نہ انسانوں کا شور و غل ہوتا، نہ دنیا کے ہنگامے۔ بالکل تنہائی اور خاموشی کا عالم ہوتا۔
آپؐ وہیں غور و فکر میں مصروف رہتے۔ اور جو کچھ روکھا سوکھا میسر ہوتا اسی پر قناعت کرتے۔

یہ تھے آپؐ کے دن! اور یہ تھیں آپؐ کی راتیں!! فکر و خیال کی پہنائیوں میں غوطے لگاتے۔ ذہن و دماغ کی گہرائیوں سے پتہ پوچھتے جو حق معلوم ہوتا شوق کے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور جو باطل معلوم ہوتا، اسے ذہن سے کھرچ دیتے۔

یہ دنیا جس میں ہم زندہ رہتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک سوال تھا، جس کا جواب پانے کے لیے آپؐ سخت بے چین تھے۔

سال پر سال گزرتے رہے۔ اور آپؐ کا یہی حال رہا۔ آئے دن غار میں جاتے رہتے اور جب رمضان کا مہینہ آتا، تو بالکل یکسو ہو جاتے اور رات دن وہیں رہتے! معمول تھا کہ غار سے جب مکہ واپس ہوتے، تو سب سے پہلے آپؐ کعبہ جاتے، اور اس کا طواف کرتے۔

پھر بال بچوں میں آتے۔ بی بی خدیجہ بہت ہی پیار اور محبت سے پوچھتیں:

"محمدؐ! خیریت تو ہے؟"

آپؐ فرماتے:

"ہاں! خدا کا شکر ہے۔"

پھر بچے آپؐ کو گھیر لیتے۔ جو بہت چھوٹے ہوتے، وہ لپٹ جاتے۔ اور جو بڑے ہوتے وہ باتیں کرتے۔ بڑے بھولے پن سے وہ پوچھتے:

"آپؐ کہاں تھے ابا جان؟ آپؐ کے ساتھ ہم بھی چلیں گے!!"

آپؐ ان کو گود میں اٹھا لیتے۔ پیار کرتے۔ محبت سے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے اور فرماتے:

"اچھا کبھی تم بھی چلنا۔"

آپؐ کچھ وقت بال بچوں میں گزارتے۔ اُن کی پیاری پیاری باتوں سے خوش ہوتے۔ اُن سے ہنس بول کر سکون پاتے اور اُن کی معصوم اداؤں میں گلگشت کے مزے لوٹتے۔ پھر غارِ حرا لوٹ جاتے۔

لیکن...... یہ مبارک گھڑیاں، اور یہ خوشی کے لمحے جلد ہی بیت گئے آپؐ کے سب بیٹے ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاسم طیب اور طاہر سب اللہ سے جا ملے۔ زخم پر زخم لگتے رہے لیکن آپؐ صبر کرتے رہے۔ بچپن میں تو یتیمی کا دکھ اٹھایا۔ بڑے ہوئے تو جگر گوشوں کا غم کھایا۔

اب صرف آپؐ کی بیٹیاں رہ گئیں۔ بیٹیاں صرف چار تھیں۔ زینبؓ، رقیہؓ، امِ کلثومؓ، فاطمہؓ۔

زینبؓ جوان ہوئیں، تو ان کی شادی ابو العاص سے کر دی۔ یہ بی بی خدیجہ کے بھانجے اور ربیع کے بیٹے تھے۔ پھر رقیہؓ اور امِ کلثومؓ کی شادی عتبہ اور عتیبہ سے کر دی۔ یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے۔

آپؐ کے ساتھ اب صرف فاطمہؓ رہ گئیں۔ پیاری اور ننھی فاطمہؓ۔

آپؐ بیٹوں سے تو محروم ہو گئے۔ لیکن قسمت سے دو بچے مل گئے۔ بہت ہی ہونہار اور سعادت مند، لائق اور وفا کیش! چنانچہ اب وہ دونوں آپؐ کے بیٹے تھے، اور آپؐ ان کے باپ!

بی بی خدیجہؓ کے ایک بھتیجے تھے حکیم بن حزام۔ ایک روز بی بی خدیجہؓ ان سے ملنے گئیں۔ پھر

واپس ہوئیں تو ایک غلام بھی ساتھ تھا۔ غلام بہت ہی خوب صورت اور ذہانت کا پیکر تھا۔

آپ نے فرمایا:

"یہ کیسا لڑکا ہے خدیجہ؟"

وہ بولیں:

"حکیم میرے بھتیجے ہیں۔ شام سے کچھ غلام لائے تھے۔ ایک مجھ کو بھی دے دیا۔"

آپ نے فرمایا:

"بخدا اس کے چہرے پر شرافت کی چمک ہے۔ عقل و ذہانت کے بھی آثار ہیں۔"

وہ بولیں:

"کہا جاتا ہے کہ یہ بہت ہی عزت والا ہے۔ اتفاق سے کسی قین کے ہاتھ لگ گیا۔ اور انہوں نے اسے حباشہ کے بازار میں بیچ دیا۔"

آپ نے غلام کو بہت ہی پیار و محبت سے دیکھا۔ پھر پوچھا:

"بیٹے! تمہارا کیا نام ہے؟"

وہ بولا:

"میرا نام زید ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"سلسلہ نسب کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میرے والد کا نام حارثہ، دادا کا نام شراحیل اور پردادا کا نام کعب ہے۔ میری ماں کا نام سعدیٰ ہے۔ وہ ثعلبہ کی بیٹی ہیں اور قبیلہ طے سے ہیں۔"

آپ نے بی بی خدیجہ سے فرمایا:

"کیا اب یہ غلام میرا نہیں!؟"

وہ بولیں:

"ہاں ہاں! کیوں نہیں، پیارے بیٹے! یہ آپ ہی کا ہے۔"

آپ نے اسی وقت غلام کو آزاد کر کے بیٹا بنا لیا۔ پھر اس کے ماں باپ کے پاس ایک

آدمی بھیج دیا تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ ان کا بیٹا خیریت سے ہے۔

اطلاع پاتے ہی زید کے باپ اور چچا مکہ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ

"ہم سے منہ مانگے دام لے لیجئے۔ مگر بیٹے کو چھوڑ دیجئے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا

"اور کوئی شکل؟"

وہ بولے:

"وہ کیا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں بلاتا ہوں، اور اسی کی خوشی پر چھوڑتا ہوں، اگر وہ ساتھ جانا پسند کرے تو آپ لوگ اسے لے جائیں شوق سے، مجھے کسی قیمت کی ضرورت نہیں لیکن اگر اس نے میرے ہی ساتھ رہنا پسند کیا، تو پھر میں بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

انہوں نے کہا:

"قربان جائیے۔ اس لطف و کرم پر! اس سے عمدہ بات کیا ہوگی؟"

چنانچہ آپ ﷺ نے زید کو بلایا اور فرمایا:

"دیکھو، یہ دو مہمان آئے ہیں۔ کیا انہیں تم پہچانتے ہو؟"

زید نے کہا:

"ہاں، ہاں، یہ تو میرے باپ اور چچا ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تمہاری خوشی پر ہے۔ چاہو تو ان کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔ ورنہ اگر دل چاہے تو میرے ہی پاس رہ جاؤ۔"

زید فوراً آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور بولے:

"نہیں نہیں۔ میں تو آپ ہی کے ساتھ رہوں گا۔"

یہ سننا تھا کہ زید کا باپ مارے غصے سے لال ہو گیا۔ کڑک کر بولا:

"زید! ماں، باپ اور قوم و وطن کو چھوڑ کر تو غلامی پر راضی ہے؟!"

زیدؓ نے کہا:

"معاف کیجئے گا۔ انہوں نے مجھے غلام نہیں بنایا ہے پھر ان میں تو وہ خوبیاں ہیں کہ میں انہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

اسی وقت آپ ﷺ نے زیدؓ کا ہاتھ پکڑا۔ لے کر قریش کے پاس آئے۔ اور فرمایا

"آپ لوگ گواہ رہیں، آج سے یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔"

حارثہ نے یہ منظر دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑے، اور بیٹے کو آپ ہی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد چچیرے بھائی علیؓ بھی آپ کی پرورش میں آ گئے۔ اس طرح زیدؓ اور علیؓ دونوں ساتھ رہنے لگے۔ اور آپ ﷺ کے لاڈ پیار میں زندگی کی ساری تلخیاں بھول گئے۔

ایسا کیوں ہوا؟ بات یہ تھی کہ ابوطالب کے یہاں بال بچوں کی کثرت، لیکن دولت کی قلت تھی۔ بڑی مصیبتوں سے گزارا کرتے۔ خدا جانے کن کن دقتوں سے دن کاٹتے۔ اس پر غضب یہ کہ عرب میں ایک دفعہ بڑے زور کا قحط پڑا۔ ایسا قحط جو اپنی مثال آپ تھا۔ ابوطالب کا تو پوچھنا ہی کیا بڑے بڑے رئیسوں کی کمر ٹوٹ گئی، اور جانے کتنے دولت مند کنگال ہو گئے۔ آپ کے ایک اور چچا عباسؓ تھے۔ یہ بنی ہاشم کے رئیسوں میں تھے۔ آپ ﷺ نے اسی موقع پر ان سے کہا:

"ہم دونوں چچا ابوطالب کے دو لڑکوں کو اپنی پرورش میں لے لیں۔ اس سے ان کی پریشانیوں میں کچھ کمی ہو جائے گی۔"

عباسؓ نے یہ رائے پسند کی۔ چنانچہ دونوں ابوطالب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ ابوطالب نے کہا:

"جس کو چاہو لے لو۔"

اس طرح عباسؓ نے جعفرؓ کو لے لیا۔ اور آپ ﷺ نے علیؓ کو۔ اور اس وقت سے آپ علیؓ کے شفیق باپ بن گئے۔ اور علیؓ آپ ﷺ کے چہیتے بیٹے۔

☆☆☆

پیارے نبی کی چالیسویں سالگرہ قریب آگئی!

اب آپ پر وہ حقیقت کھلنی شروع ہوئی، جس کی آرزو میں آپ جی رہے تھے۔ جس کی برسوں سے تلاش تھی۔ اور جس کے لیے آپ انتہائی بے تاب تھے۔ سالہا سال کی عبادت اور ریاضت سے روح میں روشنی پھوٹ پڑی۔ دل آئینہ کی طرح چمک اٹھا۔ باطن یکا یک دمک اٹھا۔ اور آپ پر ہدایت کا الہام ہونے لگا۔

آپ کو سچے خواب نظر آنے شروع ہو گئے۔ ان سے آپ پر حقیقت کھل گئی اور تاریکی کے وہ پردے تار تار ہو گئے۔ جنھیں چاک کرنے کے لیے آپ مسلسل زور لگا رہے تھے۔ آپ کے سامنے حق و ہدایت کی شاہراہ روشن ہو گئی اور آپ نے محسوس کیا کہ دنیا کی رنگینی چار دن چاندنی ہے اور یہاں کی راحتیں اور لذتیں وقتی اور فانی ہیں۔

آپ کو اندازہ ہوا قوم کتنی غلط باتوں میں گرفتار ہے۔ اس کے عقیدوں میں کتنا بگاڑ ہے، اور وہ سیدھی راہ سے کتنی دور ہے۔

آپ یہ جان گئے کہ تنہا اللہ ہی سب کا معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ سارے انسان اس کے بندے ہیں۔ زمین و آسمان بھی اسی کے تابع ہیں اور وہ سب کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔ جو اچھائی ہوگی وہ بھی سامنے آئے گی اور برائی ہوگی وہ بھی سامنے آئے گی۔

آپ کو برابر سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ اس طرح جو باتیں جاننے کے لیے آپ بے چین تھے۔ اور جن کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپ تڑپ رہے تھے۔ سب سورج اور چاند کی طرح روشن ہو گئیں۔ حق بالکل عیاں ہو کر نظروں کے سامنے آگیا اور باطل کی بھی ساری حقیقت آپ پر واضح ہو گئی۔ اس سے آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔ دل گلاب کی طرح کھل اٹھا اور سینہ نور ایمان سے دمک اٹھا۔ لیکن ساتھ ہی گھبراہٹ طاری ہوئی اور خوف و وحشت سے برا حال ہو گیا۔

آپ کو ایک زمانے سے حقیقت کی تلاش تھی۔ اس حقیقت کو پا کر آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔ لیکن اس کا اعلان کرنے پر قوم کا کیا رویہ ہوگا؟ یہ سوچ کر آپ گھبرا اٹھے۔ اور خوف سے دل

لرزنے لگا۔

اللہ نے آپؐ کو ہدایت دی! آپ کو وہ راہ سجھائی، جو اس کے نیک بندوں کی راہ ہے۔ لیکن قوم تو گمراہی کے دلدل میں پھنسی ہے۔ اسے ہدایت کی شاہراہ پر کون لائے گا؟ باطل سے اسے بیزار کون کرے گا!!! اور حق کو اس کے دل میں کون اتارے گا!!

جب خواب صبح کی طرح روشن ہو جاتا، اس کی تعبیر کھل کر سامنے آ جاتی، ورنا معلوم باتیں بھی معلوم ہو جاتیں، تو آپؐ بہت فکر مند ہوتے ذہن میں طرح طرح کے خیالات گونجتے تھے۔ اور آپؐ کو اپنے بارے میں شبہ ہونے لگتا۔ چنانچہ آپ نے خدیجہؓ کو سارا حال کہہ سنایا، اور دل پر جو بیت رہی تھی، وہ بھی بتایا۔ خدیجہ نے ساری باتیں توجہ سے سنیں۔ پھر آپؐ کی ڈھارس بندھائی، بولیں:

"میرے سرتاج! آپؐ فکر نہ کریں۔ آپ جیسے پر شیطان کہاں راہ پا سکتا ہے؟"

اس سال رمضان آیا تو آپ پھر غار حرا چلے گئے، اور ہر چیز سے ہٹ کر غور و فکر، اور عبادت میں لگ گئے۔ کسی کسی وقت گھر والے بھی آ جاتے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے، اور کچھ کھانا پانی بھی رکھ جاتے۔ غریب محتاج بھی آتے رہتے اور آپؐ کی سخاوت سے سیراب ہوتے۔

یونہی رمضان کے کچھ دن گزر گئے۔ ایک روز آپؐ غار میں آرام فرما رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ اچانک ایک فرشتہ دکھائی دیا۔ انتہائی حسین و جمیل فرشتہ ہاتھ میں ایک ریشم کا ٹکڑا بھی تھا۔ فرشتے نے کہا:

اِقْرَاْ: "پڑھو۔"

آپؐ بہت گھبرائے فرمایا:

"مَا اَقْرَاُ: "مجھے پڑھنا نہیں آتا۔"

اب آپؐ کو ایسا محسوس ہوا، جیسے وہ گلا گھونٹ رہا ہو اور جسم مبارک کو بھینچ رہا ہو۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاْ: "پڑھو۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ما اقرأ: "مجھے پڑھنا نہیں آتا۔"

یہ کہنا تھا کہ آپ کو پھر محسوس ہوا، وہ گلا گھونٹ رہا ہے اور جسم مبارک کو بھینچ رہا ہے۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا

اقرأ: "پڑھو۔"

آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر اس بار بھی وہی جواب دیا تو پھر گلا گھونٹے گا، اور اس بار اور زور سے بھینچے گا۔ چنانچہ فرمایا

ماذا اقرأ: "کیا پڑھوں؟"

فرشتے نے جواب دیا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق: 1-5)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا مہربان ہے، جس نے قلم سے لکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا، جو اسے معلوم نہ تھا۔"

فرشتے کے بتانے پر آپ نے یہ پڑھا اور پڑھتے ہی ذہن پر نقش ہو گیا۔ پھر فرشتہ چلا گیا۔

اب آپ کھڑے ہو گئے۔ خوف سے دل بیٹھا جا رہا تھا اور گھبراہٹ سے چہرہ اترا ہوا تھا۔ آپ کھوئی کھوئی نگاہوں سے غار میں ہر طرف دیکھنے لگے۔ حیرانی اور بدحواسی کا عالم تھا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے۔

ابھی مجھ سے کس نے باتیں کی ہیں؟ کون مجھے پڑھا کر گیا ہے؟ پھر تیزی سے غار سے باہر آئے اور پہاڑی گھاٹیوں سے گزرنے لگے۔ پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دل میں بار بار خیال آتا کہ شروع میں جو خواب نظر آئے وہ تو بالکل صحیح نکلے۔ ان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ جس چیز کی حقیقت تھی، وہ شکل سامنے آ گئی۔ لیکن وہ کون تھا، جو ابھی یہاں کھڑا تھا؟ وہ کون تھا، جو پڑھنے کو کہہ رہا تھا؟

اچانک ایک آواز آئی: محمد!

آپ ٹھٹک سے ہو گئے۔ گھبرا کر سر اوپر اٹھایا، دیکھا تو وہی فرشتہ آدمی کی صورت میں کھڑا تھا اور پکار کر کہہ رہا تھا

"محمدؐ! تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریلؑ ہوں۔"

آپؐ کی گھبراہٹ اور بڑھی۔ خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وحشت سے قدم رک گئے۔ کبھی دائیں طرف آپؐ دیکھتے اور کبھی بائیں طرف، کہ یہ صورت نظروں سے اوجھل ہو۔ لیکن جدھر دیکھتے، وہی نظر آتا۔ جدھر رخ کرتے۔ وہی موجود ہوتا۔ آگے بڑھیں یا پیچھے۔ نظریں نیچی کریں یا اوپر اٹھائیں، ہر طرف اور ہر جگہ وہی تھا۔

دیر۔ بہت دیر ہو گئی۔ آپؐ یوں ہی ٹھٹھر کا کھڑے رہے اور نہ جانے کیا کیا سوچتے رہے۔ ادھر بی بی خدیجہؓ نے غار میں آپؐ کے پاس آدمی بھیجا آپؐ وہاں نہ ملے۔ رشتہ داروں کے ہاں دکھوایا۔ وہاں بھی نہ تھے۔ یہاں وہاں دوڑایا لیکن نہ ملنا تھا نہ ملے۔

پھر فرشتہ چلا گیا، اور آپؐ خدیجہؓ کے پاس آ گئے۔ خوف سے لرزتے ہوئے اور پسینہ میں نہائے ہوئے۔ آتے ہی آپؐ نے فرمایا:

"مجھے کپڑا اڑھا دو! مجھے کپڑا اڑھا دو!"

فوراً بی بی خدیجہؓ نے چادر اڑھا دی۔ مگر آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر وہ بہت گھبرائیں اور دل میں طرح طرح کے خیالات منڈلانے لگے۔ کیا آپؐ کی طبیعت خراب ہو گئی؟ کیا آپؐ کو تپ لرزہ ہو گیا؟ یا کیا آپؐ پر کوئی آفت آ پڑی؟ پھر جب سکون ہوا۔ خوف کچھ دور ہوا، اور جسم کی کپکپی میں کمی ہوئی تو بولیں۔

"آپؐ تھے کہاں؟ اور آپؐ کو کیا ہوا؟"

آپؐ نے ان کی طرف دیکھا۔ نظروں سے بڑی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، گویا مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ پھر فرمایا:

"خدیجہؓ! مجھے کیا ہو گیا؟!!"

اس کے بعد جو کچھ آپؐ نے دیکھا تھا، وہ بیان کیا۔ اور فرمایا:

"مجھے اپنے بارے میں ڈر ہے۔"

مگر بی بی خدیجہؓ تھیں بہت ہوشیار۔ یہ باتیں سن کر وہ ذرا بھی نہ گھبرائیں بلکہ انہوں نے آپؐ کو بہت ہی عزت کی نظروں سے دیکھا۔ چہرہ پر یقین و اطمینان کی مسکراہٹ تھی۔ پھر آپؐ کو اطمینان دلایا۔ اور بولیں

"میرے چچا کے بیٹے! خوش ہو جائیے، اور جو کر رہے ہیں کرتے رہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے۔ آپؐ اس امت کے نبی ہوں گے۔ آپؐ تو سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، امانتیں ادا کر دیتے ہیں۔ مجبوروں اور بے کسوں کو سہارا دیتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ بھلا: اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضائع کیسے کر سکتا ہے۔"

خدیجہؓ کی ان باتوں سے آپؐ کو بہت ڈھارس بندھی۔ ساری بے چینی دور ہو گئی۔ اور چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھا۔ آپؐ نے اس دلجوئی پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر آنکھیں بند کر لیں، اور سو گئے۔

ادھر بی بی خدیجہؓ نے آپؐ کی باتوں پر غور کیا۔ تو انھیں بے انتہا خوشی ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی کچھ ڈر ہوا۔ کچھ خوف اور اندیشہ ہوا کہ یہ بھی اخلاص و محبت کا تقاضا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سوچا، چلیں چچیرے بھائی ورقہ کے پاس، کچھ ان سے پوچھیں شاید وہ کچھ جانتے ہیں۔

یہ ورقہ، نوفل کے بیٹے، اور انتہائی حکیم اور دانا تھے۔ مختلف مذاہب کو انھوں نے کھنگال ڈالا۔ اور بڑی باریک بینی سے ہر ایک کا جائزہ لیا۔ پہلے یہودیت کی طرف میلان ہوا۔ پھر عیسائیت کو اختیار کیا۔ انجیل پر گہری نظر تھی۔ عربی میں اس کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ خدیجہ آئیں۔ ان کو سارا ماجرا سنایا، اور آپؐ پر جو کچھ بیتی تھی، سب کہہ سنایا۔ سب کچھ سن کر وہ بولے:

"پاک ہے، پاک ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی مٹھی میں ورقہ کی جان ہے۔ خدیجہ! اگر تمہاری بات سچ ہے، تو یہ وہی ناموس (جبرائیلؑ) ہے، جو موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔ بخدا وہ اس امت کا نبی ہوگا۔ اس سے کہو گھبرائے نہیں، اور جو کچھ کر رہا ہے کرتا رہے۔"

اب کیا تھا، بی بی خدیجہؓ خوشی سے بے تاب ہو گئیں، آتے ہی بولیں:

"مبارک ہو، مبارک ہو!"

پھر چچیرے بھائی ورقہ سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب بیان کیں اور کہا: وہ آپؐ سے ملنا چاہتے ہیں۔ پھر اسی وقت وہاں لے گئیں۔

اس کے بعد آپؐ کعبہ کا طواف کرنے چلے، راستے میں ورقہ مل گئے۔ دیکھتے ہی بولے:

"محمدؐ! آپ نے کیا دیکھا؟"

آپؐ نے ساری داستان سنادی۔ ورقہ نے کہا:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اس امت کے نبی ہو گے۔ یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰ کے پاس آتا تھا۔ بھتیجے! نبی ہونے کا اعلان کرو گے، تو لوگ جھٹلائیں گے۔ ہر طرح ستائیں گے، گھر سے بے گھر کر دیں گے، جنگ کرنے سے بھی نہ چوکیں گے، کاش اس وقت میں زندہ رہتا!"

آپؐ نے فرمایا:

"تو کیا لوگ مجھے بے گھر کر دیں گے؟"

ورقہ نے کہا:

"ہاں، جب بھی کوئی نبی آیا، قوم نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ اگر وہ دن دیکھنے نصیب ہوئے، تو تمہاری مدد کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔"

پھر سر مبارک کی طرف بڑھے۔ اور بہت ہی شفقت سے بوسہ دیا۔

اس کے بعد پیارے نبیؐ لوٹ آئے۔ مگر اب آپ بہت فکر مند اور اداس تھے۔ بار بار سوچتے۔

"میرے کمزور کاندھوں پر نبوت کا بوجھ آ پڑا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

میں لوگوں کو کیسے بلاؤں؟ سیدھی راہ کیسے سمجھاؤں؟ یہ تو گمراہ ہیں۔ اور حق سے بھٹک رہے ہیں۔ خدا سے بیزار ہیں، اور بتوں کے پرستار ہیں، بدی کے علمبردار ہیں، اور نیکی سے بدمزہ بیکار ہیں۔ پھر غضب ہے۔ ... اس پر غضب یہ بھی ہے۔

غرض دل میں خیالات کا ایک طوفان اٹھا اور آپؐ وحی کا انتظار کرنے لگے۔

☆☆☆ ....

اب فرشتہ کا انتظار تھا۔
اسی فرشتہ کا جس کو آپؐ نے دیکھا تھا۔
جسے ورقہ نے "ناموسِ موسیٰ" کہا تھا۔
اور جسے خدیجہؓ نے بالیقین فرشتہ بتایا تھا۔
آپؐ انتظار کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ لیکن جبریلؑ نہ آئے اور آپؐ پر کوئی وحی نہ ہوئی۔
دل میں پھر ایک طوفان اٹھا:
"اس وقت میں کیا کروں؟ لوگوں کو کس طرح دعوت دوں؟ یہ بتانے کے لیے جبریلؑ کیوں نہ آئے؟ جبریلؑ نے ملنا کیوں چھوڑ دیا؟ جبریلؑ پھر کوئی پیغام کیوں نہ لائے؟"
آپؐ بہت فکر مند ہوئے۔ دمکتا ہوا چہرہ بجھ گیا۔ اور ہنستا ہوا دل رونے لگا۔ بی بی خدیجہؓ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی آپؐ کی طرح بہت فکر مند ہوئیں۔ اور غم میں گھلنے لگیں۔ لیکن ضبط سے کام لیا۔ اور دل کا غم چہرہ پر نہ آنے دیا۔ جہاں تک ہو سکا تسلی دی اور جس طرح ہو سکا آپؐ کا دل بہلایا۔
آپؐ پھر غارِ حرا جانے لگے۔ دن رات آپؐ وہیں رہتے۔ عبادت کرتے اور اپنے رب سے کہتے:
"اے رب! تو نے مجھے نبی بنایا تھا، پھر یہ کیا ہو گیا؟"
غم سے سینہ جل رہا تھا۔ اک آگ تھی، جو اندر سلگ رہی تھی۔ ایک شعلہ تھا جو بے تاب تھا۔ کبھی بے خود ہو کر آپؐ گھاٹیوں میں پھرنے لگتے اور کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے۔ اور چاہتے کہ کود کر جان دے دیں!! اتنے میں حضرت جبریلؑ آ جاتے۔ اور آپؐ کو اطمینان دلاتے کہ:
"محمدؐ! آپ سچ مچ اللہ کے نبی ہیں۔"
اس سے آپؐ کو سکون ہو جاتا۔ اور آپؐ واپس چلے جاتے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد پھر وہی

کیفیت ہوتی۔ اور پھر آپ پہاڑی پر چڑھ جاتے کہ کود کر جان دے دیں!! حضرت جبریل پھر سامنے آتے اور اس طرح اطمینان دلاتے۔ اور آپ واپس چلے جاتے۔

آپ کے دل پہ کیسی چوٹ تھی!! روح میں کتنی چبھن تھی!! ذہن پر کتنا بوجھ تھا!! وحی کا رک جانا کتنا بڑا عذاب تھا!! شاید رب نے مجھے چھوڑ دیا۔ یہ خیال ایک چبھتا ہوا نشتر تھا!!

ایک دن کہیں سے آپ گزر رہے تھے، کہ یکا یک آسمان سے آواز آئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔

اے اللہ! تو کتنا مہربان ہے، اپنے مومن اور مخلص بندے پر!!

فرشتے کو دیکھتے ہی آپ سہمنے لگے۔ کانپنے اور لرزنے لگے۔ بجلی دوڑ گئی آپ کا جسم کانپ رہا تھا۔ ہوا کے پتوں کی طرح ہل رہا تھا۔ لیکن کیا یہ کانپنا بھی اسی طرح کا تھا؟ کیا یہ سہمنا بھی اسی جیسا تھا؟ خوف اور گھبراہٹ کا؟ رعب اور دہشت کا؟ نہیں اس میں مسرت کی حلاوت تھی۔ خوشی اور اطمینان کی ٹھنڈک تھی۔ آپ اسی حال میں گھر آئے اور فرمایا:

"مجھے کپڑا اڑھا دو، اڑھا دو۔"

چنانچہ آپ پر ایک کپڑا اڑھا دیا گیا۔ اتنے میں فرشتہ یہ وحی لے کر آ گیا:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ o وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ o وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

(المدثر: ۵)

"اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو، پھر ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگیوں سے الگ رہو۔"

اب کلیجے کو ٹھنڈک نصیب ہو گئی۔ ذہن کو سکون مل گیا۔ اور طبیعت کو اطمینان ہو گیا۔ سب اندیشے دور ہو گئے اور سارے خطرے جاتے رہے اور بی بی خدیجہؓ! تو نہ پوچھو، ان کا کیا حال تھا۔ دل گلاب تھا۔ اور چہرہ چمکتا ہوا مہتاب۔ کیونکہ ان کی تمنا پوری ہوئی۔ ان کی آرزو بر آئی۔ وحی کا انتظار تھا، وہ پھر آ گئی۔

اس کے بعد کئی بار وحی آئی۔ حضرت جبریل آتے رہے اور رب کا پیغام سناتے رہے۔ لیکن خدا کا کرنا، کچھ دنوں بعد پھر وحی رک گئی۔ ادھر دعوت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اور کافروں کی طرف سے مخالفت بھی ہو رہی تھی۔ مخالفت کے لیے تنکے کا سہارا کافی تھا۔ وحی کا رک جانا تو خیر

بہت بڑی بات تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بولے:

"یہ تو خوب نبی ہیں۔ دو چار دن آسمان سے بات چیت رہی۔ جبریلؑ کا آنا جانا رہا۔ اور پھر غائب۔ کلام پیام سب بند۔ تو بھائی محمدؐ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب تم سے روٹھ گیا۔ اسی لیے اتنے دنوں منہ نہیں لگایا۔"

وحی کا رک جانا تو آپؐ پر یوں ہی بار ہوتا، اور پھر کافروں کا طعنہ تلخ نازک دل پر تیر کا کام کرتا۔ چنانچہ آپؐ سخت بے چین ہونے لگے لیکن زیادہ دن نہ ہونے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پھر وحی لے کر آگئے:

وَالضُّحٰی ○ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ○ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ○ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ○ (الضحیٰ)

"گواہ ہے سورج کی روشنی اور رات کی تاریکی جب وہ چھا جائے۔ آپؐ کے رب نے نہ آپؐ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپؐ سے ناخوش ہے۔ اور آپؐ کے لیے انجام ابتدا سے بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپؐ کا رب آپ کو دے گا۔ اور آپؐ خوش ہو جائیں گے۔ کیا ایسا نہیں کہ اس نے آپؐ کو یتیم پایا تو ٹھکانا دیا۔ اور بے خبر پایا تو سیدھی راہ بجھائی۔ اور آپؐ کو محتاج پایا تو مالدار کر دیا۔ تو آپؐ بھی کسی یتیم کے ساتھ سختی نہ کریں۔ اور نہ کسی سائل کو جھڑکیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا کرتے رہیں۔"

اللہ اللہ!! خدا آپؐ سے ناراض نہیں ہوا۔ ناخوش ہو کر آپؐ کو چھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ رحمتوں سے ڈھانپ دیا اور نعمتوں سے نہال کر دیا۔

اب وحی برابر آنے لگی۔ آپؐ کے پاس حضرت جبریلؑ آتے۔ آپؐ کو اللہ کی آیتیں سناتے اور بتاتے کہ کیا کریں؟ اور کس طرح کریں؟

حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو یہ بھی بتایا کہ کس طرح وضو کریں اور کس طرح نماز پڑھیں۔ ایک دن آپؐ مکہ کے بالائی علاقہ میں تھے۔ حضرت جبریلؑ آئے انھوں نے آپؐ کے سامنے وضو کیا اور بتایا کہ جب نماز پڑھنی ہو تو اس طرح پاک ہوا کریں۔ پھر آپؐ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر

حضرت جبریلؑ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھ کر دکھائی۔ آپ ﷺ نے بھی انھی کی طرح نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ چلے گئے۔

اب آپ ﷺ خدیجہؓ کے پاس آئے اور ان کے سامنے وضو لیا۔ پھر فرمایا:

”نماز پڑھنے کے لیے پاک ہونے کا یہی طریقہ ہے۔“ چنانچہ بی بی خدیجہؓ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ بی بی خدیجہؓ نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔

☆☆☆

۞

علیؓ آپؐ کے ہی زیرِ پرورش تھے۔ اور آپؐ ہی کے ساتھ رہتے بھی تھے۔ انہوں نے آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ بی بی خدیجہؓ کو بھی دیکھا۔ انہوں نے دیکھا، آپ دونوں رکوع اور سجدے کر رہے ہیں۔ پیاری پیاری آیتیں پڑھ رہے ہیں۔ ان آیتوں میں اچھی اچھی باتیں ہیں، پیاری پیاری باتیں ہیں۔

علیؓ تعجب سے یہ سب دیکھتے رہے۔ ان کو پیارے نبیؐ سے بہت محبت تھی۔ آپؐ کی ہر ادا انہیں محبوب تھی۔ آپؐ کی ہر بات انہیں جان و دل سے عزیز تھی۔ وہ آپؐ ہی کو دیکھ کر ہر کام کرتے اور آپؐ جو کہتے۔ بے تکلف وہ مان لیتے۔

"لیکن آج تو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اور کبھی تو آپؐ اس طرح سجدے نہ کرتے تھے۔ اتنی پیاری پیاری آیتیں بھی میں نے آج ہی سنیں۔"

علیؓ گہری سوچ میں پڑ گئے۔ پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

"یہ اللہ کا دین ہے۔ اسی دین پر چلنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ کے جتنے رسول آئے، سب یہی دین لے کر آئے۔"

علیؓ کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے پوچھا:

"اچھا، یہ رکوع اور سجدے کیسے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ مجھ پر اپنا کلام اتارا ہے تاکہ میں لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاؤں، لوگ بھٹک رہے ہیں، ان کو سیدھی راہ دکھاؤں اور ان کو اللہ کی عبادت پر ابھاروں۔ یہ رکوع اور سجدے ہم اسی اللہ کو کرتے ہیں۔"

علیؓ نے کہا:

"یہ تو بڑی اچھی چیز ہے۔ تو کیا جس پر آپؐ ایمان لائے ہیں، میں بھی لا سکتا ہوں؟ کیا آپ

کی طرح میں بھی عبادت کر سکتا ہوں؟ کیا آپؐ کے ساتھ میں بھی نماز پڑھ سکتا ہوں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ہاں، پیارے بھائی! اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ تم بھی اسی کی عبادت کرو اور لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔ جتنے بت ہیں، سب کو چھوڑ دو۔"

علیؓ نے کہا:

"اچھا، ذرا میں اپنے باپ سے بھی پوچھ لوں۔"

رات بھر علیؓ کو نیند نہ آئی۔ وہ جاگتے رہے اور آپؐ سے جو کچھ سنا تھا، یا جو کچھ کرتے دیکھا تھا۔ سب پر غور کرتے رہے۔ پھر صبح ہوئی تو بولے۔

"میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور آپؐ کی پیروی کا عہد کرتا ہوں۔ مجھے باپ سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بتائیے، میں کس طرح رکوع کروں!

کس طرح سجدہ کروں!! اور کس طرح اللہ کا کلام پڑھوں؟"

آپؐ نے اسی وقت نماز سکھا دی اور جو آیتیں نازل ہو چکی تھیں، وہ بھی یاد کرا دیں۔ اب جب بھی آپؐ نماز پڑھتے علیؓ بھی ضرور ساتھ ہوتے۔

علیؓ اور زیدؓ ایک ساتھ ہی رہتے تھے۔ جناب علیؓ سے پیچھے رہنے والے کب تھے... وہ بھی ایمان لے آئے اور شوق سے دین کی باتیں سیکھنے لگے۔

اس طرح آپؐ پر سب سے پہلے بی بی خدیجہؓ ایمان لائیں۔ پھر علیؓ اور زیدؓ مسلمان ہوئے اور مرتے دم تک آپؐ سے چمٹے رہے۔

ان کا آپؐ کا جب سے ساتھ ہوا، انہوں نے آپؐ کو بہت بڑا انسان پایا۔ آپؐ کو صد درجہ شریف اور نیک دل پایا اور نہ جانے کیا کیا پایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو آپؐ سے بے پناہ محبت ہو گئی اور آپؐ کی رفاقت ان کے لیے آرامِ جاں بن گئی۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ دونوں دعوتِ اسلام سے پہلے ہی مسلمان تھے:

اس کے بعد ابوبکرؓ ایمان لائے۔ یہ ابوقحافہ کے بیٹے تھے، اور آپؐ کے گہرے دوست تھے۔ آپؐ کی سچائی اور پاکبازی سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے بہت محبت کرتے۔ بے انتہا ادب و احترام کرتے اور آپؐ کی صحبت کو غیر معمولی نعمت سمجھتے۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہی ہے۔ آپؐ

بھی ان سے بڑی محبت کرتے اور بہت ہی پیار و خلوص سے ملتے۔ آپؐ نے جوں ہی انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک کی چند آیتیں سنائیں۔ انہوں نے آبائی دین کو ہاتھوں سے سلام کیا، اور کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے۔

آپؐ نے اسلام کی دعوت دی اور دین کی خوبیاں بیان کیں تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے، جو انتہائی اخلاص و عقیدت کا نمونہ تھے۔

صَدَقْتَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ، وَاَهْلُ الصِّدْقِ اَنْتَ، اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپؐ نے سچ فرمایا اور سچ بولنا آپؐ کا کام۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

بی بی خدیجہؓ نے یہ باتیں سنیں تو مارے خوشی کے اچھل پڑیں۔ ان سے رہا نہ گیا۔ فوراً سر پر نقاب ڈالی اور سامنے آ کر مبارکباد دی۔ بولیں:

"ابو قحافہ کے بیٹے! خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو ہدایت دی۔"

ابوبکرؓ اسلام لائے تو آپؐ کو بڑا سہارا ملا۔ اور کام کے لیے گویا میدان بھی ہموار ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ بہت رحمدل اور نرم مزاج تھے۔ ساری قوم ان کی عزت کرتی۔ اور چھوٹے بڑے سب ان کا احترام کرتے۔ وہ قریش کے سب سے اونچے گھرانے سے تھے۔ وہاں کے بھلے بڑے سب ان کی نگاہ میں تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اس میں بڑی برکت ہوئی۔ اللہ نے خوب دولت دی۔ دولت کے ساتھ دل بھی دیا۔ مال آتا رہتا، اور وہ بھی دل کھول کر خرچ کرتے رہتے۔ سوجھ بوجھ اور دانائی بھی بلا کی تھی۔ مشکل سے مشکل بات چٹکی بجاتے حل کر دیتے۔ اسی لیے ہر معاملہ میں لوگ ان سے مشورہ کرتے اور یوں بھی ان کے پاس آ کر بیٹھا کرتے۔ ان میں کچھ ایسی باتیں تھیں، جو دلوں کو موہ لیتیں۔

اب ابوبکرؓ بھی اسلام پھیلانے لگے۔ جو لوگ ان کی سوجھ بوجھ، اور ایمانداری سے متاثر تھے۔ ان کو انہوں نے دین کی باتیں بتائیں اور اسلام لانے کی دعوت دی۔ بہتوں نے ان کی بات مان لی۔ اور اسلام لے آئے۔ جو لوگ پہلے مسلمان ہوئے۔ وہ یہ ہیں:

"عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، اور طلحہ بن

عبیداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔"

پھر جراح کے بیٹے ابوعبیدہؓ اور ابوارقم کے بیٹے ارقمؓ مسلمان ہوئے، پھر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ مرد بھی، عورتیں بھی۔ جو عورتیں ایمان لائیں، ان میں پیارے نبیؐ اور حضرت ابوبکرؓ کی بیٹیاں بھی تھیں۔

☆☆☆

اب اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ لوگ مسلمان ہوتے لیکن کھلم کھلا اسلام کا اعلان نہ کرتے۔ ابھی آپ ﷺ نے بھی کھل کر کام شروع نہ کیا تھا۔ ابھی کھل کر لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ دی گئی اور جو مسلمان تھے وہ بھی اپنے اسلام کو چھپاتے اور اندر ہی اندر دین کی تبلیغ کرتے۔ جن لوگوں میں وہ ایمان داری کی بو پاتے اور کچھ حق کی طلب محسوس کرتے۔ بس ان کو ہی وہ دین کی دعوت دیتے اور قریشی سرداروں کی نظروں سے بہت بچ بچ کر رہتے۔ قرآن کی تلاوت کرنی ہوتی یا آیتیں یاد کرانی ہوتیں۔ تو بستی کے باہر نکل جاتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو چھپ چھپا کر غاروں میں چلے جاتے اور وہاں اطمینان سے نماز ادا کرتے۔ پھر پرانے مسلمان نئے مسلمانوں کو سورتیں یاد کراتے اور دین کی باتیں بتاتے۔

اسی طرح کافروں کو بھی کن سن مل گئی۔ لہٰذا اب سارا بھید جاننے کی فکر ہوئی اور وہ مسلمانوں کی ٹوہ میں لگ گئے۔ چنانچہ بہت جلد ساری باتیں معلوم ہو گئیں اور وہ جان گئے کہ مسلمان غاروں میں چھپ کر نمازیں پڑھتے اور بستی سے باہر جا کر نئی باتیں سیکھتے سکھاتے ہیں۔

انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ تو نئی دعوت دیتے ہیں اور شرک و بت پرستی سے روکتے ہیں۔ بتوں کی دنیا میں تو نئی آواز اٹھی عجیب آواز تھی!!

کیا محمد ﷺ ابوطالب کا یتیم بھتیجا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ کیا وہ سب کو دین سے پھر جانے پر ابھارتا ہے؟ کیا وہ دیوتاؤں سے بے وفائی پر اکساتا ہے؟

قومی دین سے بغاوت!! آبائی دین سے عداوت!! کیا محمد ﷺ کی یہ ہمت ہو گئی؟

ہر سو ایک ہلچل مچ گئی اور ہر طرف ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ جسے دیکھئے غصے سے بے تاب تھا۔

کسی نے تو کہا:

”محمد ﷺ پر جن کا اثر ہے اور کوئی بات نہیں۔“

کسی نے کہا:

”اس کو نام و نمود کی ہوس ہے۔ اور یہ تو ایک نشہ ہے جس کو زمانہ خود ہی اتار دے گا۔ نہیں

کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

یہ سوچ کر ان لوگوں نے آپ کو لائقِ التفات ہی نہ سمجھا مگر کچھ ایسے بھی تھے، جو اس نئے دین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو خیال ہوا کہ چلیں، اس دین کو بھی جانچیں، پرکھیں اور دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟ ہوسکتا ہے، کوئی کام کی چیز مل جائے۔ نقصان تو ہوگا نہیں۔ ہوگا تو فائدہ ہی ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ جائزہ لیتے، نتیجہ یہ ہوتا، کہ اس میں ان کو اچھائیاں ہی اچھائیاں نظر آتیں اور وہ مسلمان ہوجاتے۔

ابو طالب کے بھی دل میں آیا کہ چلیں، بھتیجے سے ملیں اور دیکھیں، اس نے کیسا دین نکالا ہے! ایک دن ابو طالب اسی ارادے سے گھر سے نکلے۔ ساتھ میں علیؓ کے بھائی جعفرؓ بھی تھے۔ آئے تو دیکھا کہ آپ ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ساتھ میں لختِ جگر علیؓ بھی ہیں۔ دونوں آبادی سے بہت دور آکر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کیوں؟ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے ڈر سے آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب نے پوچھا:

"بھتیجے! تم نے یہ کیسا دین اپنایا ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے۔ یہی سارے نبیوں اور رسولوں کا دین ہے۔ دادا ابراہیمؑ کا بھی یہی دین ہے۔ اللہ نے یہ دین دے کر مجھے دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ چچا جان! آپ کا مجھ پر سب سے زیادہ حق ہے۔ میری خیر خواہی کے آپ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ کے ساتھ میری سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ آپ کو اس دین کی دعوت دوں۔ آپ کو بھی چاہیے، میری اس خواہش کو ٹھکرائیں نہیں۔"

ابو طالب نے کہا:

"بھتیجے! باپ دادا کا دین چھوڑنا تو میرے لیے ناممکن ہے۔ البتہ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں جب تک جان میں جان ہے تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

پھر علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے، اور پوچھا:

"بیٹے! اس دین میں تو آگئے لیکن اسے سمجھتے بھی ہو؟"

علیؓ نے جواب دیا:

"ہاں، ابا جان! میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کو مانتا ہوں۔ رب کو خوش کرنے کے لیے نماز بھی پڑھتا ہوں۔"

ابو طالب نے کہا:

"ٹھیک ہے بیٹے! محمدؐ بھلی باتیں ہی بتاتے ہیں، وہ جیسے کہیں، ویسا ہی کیا کرو۔"

ابو طالب خود تو مسلمان نہ ہوئے، مگر بیٹوں کے لیے اسلام کو ہی پسند کیا۔ کیا اس میں بھی کوئی راز تھا؟

قریش کے ساتھ ان کا کیا انداز رہا؟ پیارے نبیؐ کے ساتھ کیا برتاؤ رہا؟ یہ ساری باتیں سامنے آئیں گی، تبھی کوئی فیصلہ ہوگا۔

مسلمان جب نماز پڑھتے، تو قریش ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ رکوع کرتے تو یہ قہقہے لگاتے اور جب وہ سجدے کرتے تو یہ جملے چست کرتے۔ روز بروز یہ چیز بڑھتی ہی گئی۔ بدمعاشوں نے اسے ایک اچھی دل لگی کا سامان بنا لیا۔ مسلمان مکہ کی گھاٹیوں میں عصر اور چاشت کی نمازیں پڑھا کرتے۔ ٹھیک اسی وقت یہ بھی وہیں پہنچ جاتے، پھر آنکھیں مارتے، بھونڈے اشارے بازیاں کرتے اور پھر زور کا قہقہہ لگاتے! اتفاق سے ایک دن مسلمانوں کو غصہ آگیا اور جوش سے وہ بے قابو ہوگئے۔ پھر فریقین کی آستینیں چڑھ گئیں۔ اور جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کو ایسا مارا کہ کھوپڑی پھٹ گئی اور پھر خون کے فوارے جاری ہوگئے۔ یہ پہلا خون تھا، جو عرب میں اسلام کے لیے بہا۔

جتنا ہو سکتا، پیارے نبیؐ مشرکوں سے دور رہتے، تاکہ مسلمان ان کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ قرآن سنانا ہوتا، یا کوئی نئی وحی ہوتی تو آپؐ سب کو دارِ ارقم میں لے کر چلے جاتے۔ آپؐ کو نبی ہوئے تین سال ہوگئے۔ اب ہر ایک جان گیا کہ آپؐ ایک نئے دین کی دعوت دیتے ہیں اور سب کو معلوم ہوگیا کہ آپؐ زور پکڑ گئے ہیں۔ اور ساتھی کافی بڑھ گئے ہیں۔ چنانچہ اب اللہ کا حکم ہوا کہ آپؐ کھلم کھلا دعوت دیں۔ جو کام اب تک چھپ کر کرتے تھے، اب علانیہ کریں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ

"آپؐ کو جو حکم ملے، کہے جائیں اور مشرکوں کے چکر میں نہ پڑیں۔" (الحجر: ۹۴)

☆☆☆

مُحمّد عربی ﷺ

پہلی پکار

سرورِ عالم کی خانہ نشینی۔

اہلِ خاندان کی دعوت۔

ابولہب کی شر انگیزی۔

دوبارہ دعوت۔

غمخوارِ انسانیت کی دردمندانہ تقریر۔

حاضرین کی سرد مہری۔

حضرت علیؓ کی بے باک حق پسندی۔

کوہِ صفا کی پر سوز پکار۔

ابولہب کا شرمناک رویہ۔

لوگوں کی گمراہی پر آپ کی بے قراری۔

قریش کا غیظ و غضب۔

ابو طالب کے یہاں قریش کا وفد۔

قریش کا دوسرا وفد۔

مشرکین کی کج بحثیاں۔

ابو طالب کو بہلانے کی ناکام کوشش۔

ابو طالب کو قریش کا چیلنج۔

رسولِ خداؐ کا حیرت ناک استقلال۔

ابو طالب کی حوصلہ افزائی۔

ابو طالب کی حمایتی سرگرمیاں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ○ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

(الشعراء: ۲۱۴-۲۲۰)

"اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں، ان کے لیے اپنے شانے جھکا دو (تواضع سے پیش آؤ) لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں، تو ان سے کہہ دو، جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے میں بری ہوں اور اس زبردست اور مہربان پر بھروسہ کرو۔ جو تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت کو بھی (دیکھ رہا ہوتا ہے) بے شک وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

☆☆☆

نبوت کو تین سال ہو گئے۔ اتنے دنوں پیارے نبیؐ انفرادی طور پر دعوت دیتے رہے۔ پھر اللہ کا حکم ہوا کہ آپؐ کسی سے نہ ڈریں بلکہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کریں، اور ہر ایک کو رب کا پیغام سنائیں نیز یہ کام پہلے بھائی بندوں سے شروع کریں اور اگر کچھ نادان نہ مانیں تو ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔

یہ حکم پا کر آپؐ نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ ہر وقت گھر ہی میں پڑے رہتے اور سوچا کرتے کہ کیا کریں، اور کس طرح اہل خاندان کو سمجھائیں!

یہ بات ایسی تھوڑی کہ یوں ہی چھپی رہتی۔ چند ہی دنوں میں سارے عزیزوں، رشتہ داروں میں پھیل گئی، ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔ پھوپھیوں نے سنا تو وہ بہت ڈریں اور گھبرائیں کہ محمدؐ بیمار تو نہیں پڑ گئے یا کہیں کسی پریشانی میں تو نہیں گھر گئے، چنانچہ وہ سب آپؐ کے پاس آئیں اور بولیں:

”پیارے محمدؐ! کہو کیا حال ہے؟ گھر سے نکلنا تم نے کیوں چھوڑ دیا؟“

آپؐ نے فرمایا:

”کیا بتاؤں پھوپھی جان! مجھ پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے، اور میں اس سے دبا جا رہا ہوں۔ دیکھو پھوپھی جان! ایک طرف تو ہمارے بھائی بند خدا کو مانتے ہیں، اور دوسری طرف وہ بتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ خدا کو راضی کر لیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تو تباہی کے لچھن ہیں۔ چنانچہ خدا کا حکم ہے کہ میں انہیں ہوشیار کروں، اور ان سے کہوں کہ اپنی حرکتیں چھوڑ دیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں! دل میں آتا ہے کہ سب کو کھانے پر بلاؤں پھر انہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤں۔“

پھوپھیوں نے کہا:

”کیا حرج ہے؟ کر ڈالو دعوت۔ لیکن دیکھو، چچا ابولہب کو مت بلانا۔ وہ مرتے دم تک تمہاری باتیں نہیں سنے گا۔“

0.357

''اے بھائی! تجھ کو شرم نہیں آتی کہ بھتیجے کی مخالفت کر رہا ہے؟ خدا کی قسم جاننے والے تو ایک زمانے سے کہتے آ رہے ہیں کہ آل مطلب میں ایک نبی ہوگا۔ سن لے، وہ یہی نبی ہے۔''

ابولہب (بہت زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے)

''تمہارے بیٹے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لیں۔ وہ گھر میں بیٹھ رہیں۔ اگر قریش دشمن ہو گئے۔ اور ہم سے جنگ کی ٹھان لی۔ اور پھر دوسرے قبیلوں نے بھی ان ہی کا ساتھ دیا تو . . . پھر کیا بنے گا؟ وہ تو ہمیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔''

ابوطالب بولے۔

''جب تک جان میں جان ہے، ہم اس کا ساتھ دیں گے۔''

ابولہب نے کہا

''بھائیو! چلو یہاں سے نکل چلو۔ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔''

چنانچہ سب اٹھ کر چل دیئے اور آپ کے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ اس کے بعد آپ نے ایک بار پھر دعوت کا انتظام کیا۔ اور خاندان والوں کو دوبارہ کھانے پر بلایا۔ پھر جب لوگ کھا پی چکے تو آپ نے پیغام سنایا فرمایا۔

''رہبر اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ خدا کی قسم میں غیروں سے جھوٹ بول بھی لوں، پر تم سے نہیں بول سکتا۔ اوروں کو دھوکہ دے بھی دوں پر تم کو نہیں دے سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں۔ اور اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ سن لو عرب میں کوئی بھی اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز نہیں لایا۔ میں تمہارے پاس دونوں جہان کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ رب کی قسم ہے کہ میں تم کو اسی کی طرف بلاتا ہوں۔ ہے کوئی جو اس کام میں میرا ساتھ دے اور میرے . . . کون اسے باقی رکھے؟''

یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے اور لوگوں کے چہروں کو تکنے لگے کہ کس کا دل ایمان کی طرف مائل ہوا؟

کس کا سینہ اسلام کے لیے کھلا، اور کس نے حق کی حمایت کا فیصلہ کیا؟

لیکن کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ ہر ایک کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کچھ لوگوں نے اسے پاگل کی بڑ جانا، اور حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے اور کچھ لوگوں نے

میں جھونکنا چاہا تو میں نہیں بچا سکوں گا۔ آگ سے بچنے کی تو بس ایک ہی تدبیر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانو۔ اور میرے رسولؐ ہونے کا اقرار کر لو۔"

یہ سننا تھا کہ ابولہب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، جیسے لال انگارہ، چنانچہ فوراً وہ تن کر اٹھا اور کڑک کر بولا:

"ناس ہو تیرا! تو نے اسی لیے بلایا تھا!"

یہ دیکھ کر آپ سناٹے میں آ گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ چچا کی طرف دیکھا کہ کاش چچا چپ ہو رہتے اور آپ لوگوں میں تقریر کر سکیں۔ ان کو سچے دین کی دعوت دے سکیں اور ان کو رب کا پیغام سنا سکیں۔ لیکن اس کو ذرا بھی ترس نہ آیا اس کا انداز اور سخت ہو گیا اور وہ آپ کو جلی کٹی سناتا رہا۔

آخر لوگ وہاں سے چل دیے۔ لیکن اب بھی ان میں وہی باتیں تھیں۔

کوئی کہتا:

"بھائی عبدالمطلب کا نوجوان تو آسمان سے باتیں کرتا ہے!"

کوئی کہتا:

"وہ تو ایسے کی عبادت کرنے کو کہتا ہے، جس کو نہ ہم دیکھ سکیں، نہ سن سکیں۔"

کوئی کہتا:

"جس سے وہ باتیں کرتا ہے، ذرا ہم کو بھی کیوں نہیں کرا دیتا؟"

اسلام کی آواز اٹھاتے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ پیارے نبیؐ دوستوں کو لے کر اپنے گھر آ جاتے یا ارقم کے یہاں چلے جاتے۔ وہاں ان کو قرآن کی آیتیں سناتے۔ جو نا خواندہ ہوتے وہ ان سے کئی کئی بار سنتے کہ خوب یاد ہو جائے اور جو پڑھے لکھے ہوتے، وہ آیتوں کو لکھ لیتے۔ پھر خود یاد کرتے۔ بال بچوں کو یاد کراتے اور دوسرے نو مسلموں کو یاد کراتے۔

آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا گیا۔ اور مسلمان بڑھتے رہے مگر قریش اسے یوں ہی ہنسی مذاق میں ٹالتے رہے۔ "یہ ایک سنجیدہ خطرہ ہے۔" یہ باور کرنے کو بھی وہ تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے رہے کہ یہ تو دیوانے ہیں، ان سے کون الجھے؟

وہ تو سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ محمدؐ کے پیچھے دیوانے ہیں اور انہی کی دھن میں آ کر اپنا دین بھی چھوڑ

بیٹھے ہیں۔ مگر یہ ساتھ نبھنے والا نہیں۔ صرف دو دن کی بات ہے۔ اس کے بعد یہ سب گرد کی طرح اُڑ جائیں گے اور دیر سویر تو یہ دین ہی کی پناہ لیں گے۔ ان ہی دنوں کی بات ہے ایک روز کچھ مشرک کعبہ میں تھے، اور مورتیوں کو سجدہ کر رہے تھے کہ اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپؐ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی اور ان پر بڑا ترس آیا۔ نیز دل میں خیال آیا کہ اس کام سے کسی طرح روکا جائے اور انہیں اس ذلت سے بچایا جائے۔ چنانچہ فرمایا:

''اہلِ قریش! تم تو دادا ابراہیمؑ کے دین سے بالکل ہی ہٹ گئے ہو، تم ان حقیر مورتیوں کو پوجتے ہو اور انہیں اللہ کا ساجھی ٹھہراتے ہو! بتاؤ تو، اللہ تم سے کتنا ناخوش ہوگا؟''

مشرکوں پر یہ بات بہت گراں گزری اور وہ تیج بخی پہ تل گئے، بولے:

''کوئی ہم مورتیوں کو تھوڑی پوجتے ہیں۔ اصل میں تو ہمیں اللہ سے محبت ہے اور اسی سے قریب ہونے کی تمنا ہے۔ یہ تو بس بیچ میں واسطے ہیں۔''

آپؐ نے فرمایا:

''اگر اللہ کو چاہتے ہو تو میری بات مانو، اللہ بھی چاہنے لگے گا۔''

یہ سننا تھا کہ وہ آگ بگولا ہو گئے اور آپس میں بولے:

''اس کی باتیں سنتے سنتے تو کلیجہ پک گیا ہے۔ آخر کب تک برداشت کیا جائے؟''

''ہم چپ کیا رہے کہ یہ بالکل ہی ڈھیٹ ہو گیا! تاکہ ہماری عقلوں پر چوٹیں کرنے لگا اور ہمارے آباؤ اجداد تک کو گمراہ کہنے لگا۔ اور ...... اور ہمارے دیوتاؤں کو بھی تو نہیں بخشتا۔ اچھا تو اب تو ہم بالکل نہیں گوارا کریں گے۔ ایک دم نہیں کریں گے۔''

پھر وہ سب اٹھ کر چل دیے، مگر آنکھیں بالکل سرخ تھیں، اور سینے کھول رہے تھے، اب جہاں دیکھئے، آپؐ ہی موضوع گفتگو تھے۔ کوئی ستانے کے منصوبے بنا رہا تھا تو کوئی ڈرانے اور دھمکانے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

سارے مشرک سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور باہم مشورہ کرنے لگے:

"محمدؐ دیوتاؤں پر زیادتی کر رہا ہے۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟ وہ ہمارے دین کے پیچھے پڑا ہے۔ اس سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے؟ کیا محمدؐ دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے؟ ان دیوتاؤں کی جو ہمارے معبود ہیں! ہم سے پہلوں کے معبود ہیں!! کیا محمدؐ ہم کو الو سمجھتا ہے، جو مورتیوں کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہے؟ ان مورتیوں کو..... جن کے لیے عرب کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں، تاکہ ان کو سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کی طرح ان کا طواف کرتے ہیں! کیا وہ چاہتا ہے کہ سارا عرب ہم پر بلہ بول دے، یا یہ چاہتا ہے، کہ ہر قبیلہ ہمارا بائیکاٹ کر دے اور ہمارے یہاں آنا جانا چھوڑ دے کہ ساری تجارت ٹھپ پڑ جائے، اور ہم دانہ دانہ کو ترس جائیں؟"

بہت دیر تک یوں ہی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر طے پایا کہ کچھ لوگ ابوطالب کے پاس جائیں، اور ان سے بھتیجے کی شکایت کریں۔ نیز کہیں کہ محمدؐ کو منع کر دیجئے کہ وہ نہ ہم کو کچھ کہے، نہ ہمارے دیوتاؤں کو۔ نہ اس کو ہمارے دین سے کوئی سروکار ہے، نہ ہم کو اس کے دین سے۔

چنانچہ قریش کے کچھ سردار ابوطالب کے پاس گئے اور وہ یہ تھے:

"حرب کا بیٹا ابوسفیان، ربیعہ کا بیٹا عتبہ، مغیرہ کا بیٹا ولید، وائل کا بیٹا عاص، اور ہشام کا بیٹا عمرو۔"

ہاں، وہی عمرو جس کی کنیت ابوالحکم تھی، اور جو ابوجہل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سب ابوطالب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ ابوطالب نے بھی ان کی دلدہی کی۔ بڑی نرمی سے بات چیت کی اور کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

اسی طرح دن گزرتے گئے، اور پیارے نبیؐ شرک و بت پرستی سے روکتے رہے اور تنہا اللہ کی عبادت پر ابھارتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک جتھا ہو گیا۔

اب مشرک بہت گھبرائے کہ اگر محمدؐ کامیاب ہو گیا، اور اس کا دین پھیل گیا، نیز ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گیا، تو...... پھر کیا بنے گا؟ تب تو... ہماری شامت آ جائے گی۔ وطن عزیز ویران ہو جائے گا۔ اور ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ گول مول بات ٹھیک نہیں۔ اب کوئی دوٹوک فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ پھر

ابو طالب کے پاس آئے اور بولے:

"ابو طالب! آپ ہمارے بڑے بزرگ ہیں۔ جان و دل سے ہمیں عزیز ہیں۔ ذرا بھتیجے کے معاملہ میں انصاف کیجئے نا۔ اس سے کہیے کہ ہمارے دیوتاؤں کو برا نہ کہے۔ ہمارے دین میں عیب نہ نکالے۔ ہماری عقل وخرد پر حملے نہ کرے، اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ نہ کہے۔ ہاں، تو آپ اسے سمجھا دیجئے۔ ورنہ بیچ سے ہٹ جائیے۔ ہم خود ہی اس سے نمٹ لیں۔ آخر آپ بھی تو اس کی باتوں سے بیزار ہیں۔ آپ کو بھی اس طرح چین مل جائے گا۔"

اب ابو طالب سے کچھ بن نہ پڑا۔ مجبور ہو کر انہوں نے محمدؐ کو بلوایا۔ آپؐ آئے تو وہ بولے:

"بھتیجے! یہ قوم کے مالدار اور سردار لوگ ہیں۔ انہیں تم سے کوئی شکایت ہے۔ کہ تم ان کے دیوتاؤں کو کچھ کہو، نہ یہ تم کو اور تمہارے خدا کو کچھ کہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"چچا! جو چیز ان کے لیے زیادہ بہتر ہے، کیا اس کی طرف انہیں بلانا چھوڑ دوں؟"

ابو طالب نے کہا:

"وہ کیا چیز؟"

آپؐ نے فرمایا:

"میں کہتا ہوں کہ یہ زبان سے صرف ایک فقرہ کہہ دیں۔ اگر یہ راضی ہو جائیں، تو پورا عرب ان کا غلام ہو جائے۔ اور ساری دنیا ان کے قدم چومے۔"

ابو جہل زور سے چیخا:

"تیرے باپ کی قسم وہ کون سا فقرہ ہے؟ اس جیسے دس فقرے ہم سے سن لے!"

آپؐ نے فرمایا:

"صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیجئے۔"

یہ سنتے ہی سب کے سب تلملا اٹھے۔ غصہ سے چہرے سرخ ہو گئے۔ اور نفرت سے گردنیں پھیر لیں۔ اور وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے:

"اچھا دیکھو، اب تیری کیسی مٹی پلید کرتے ہیں ہم!"

☆☆☆

محمدؐ کی دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی اور معاشرے کا صالح عنصر آپؐ کے گرد جمع ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر شرک کے علمبردار بہت تلملائے اور ان کے دلوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ خدا کی عبادت سراسر بتوں کی توہین تھی۔ اسلام کی عزت کفر کے لیے سراپا ذلت تھی اور مسلمانوں کی سربلندی کافروں کے لیے خطرہ تھی۔ لہٰذا کافر غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ بالکل آگ بگولا ہو گئے اور انہوں نے قسمیں کھائیں:

"اب ہم محمدؐ کے لیے ننگی تلوار ہیں۔ جہاں پائیں گے، اسے ستائیں گے، اور جس طرح ہو سکے گا، اس کا دل دکھائیں گے۔ جسم کو بھی زخمی کریں گے اور روح کو بھی چھلنی کریں گے، اور...... اور اس کے دین کو مٹا کر چھوڑیں گے۔"

چنانچہ انہوں نے اپنے شاعروں اور بدمعاشوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکا دیا۔ اب وہ آپؐ کو گالیاں دیتے، آپؐ پر پھبتیاں کستے۔ اشعار میں آپؐ کی ہجو کرتے، لوگوں میں آپؐ کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتے اور آپؐ کی عقل و نیت پر حملے کرتے۔ کوئی کہتا، یہ تو جادوگر ہے، کوئی کہتا، اس پر تو جادو کا اثر ہے اور کوئی کہتا، اس کو شہرت کی ہوس ہے۔

ایک دن کچھ مشرک سردار کعبہ میں جمع ہوئے اور آپؐ موضوع سخن تھے:

"ارے محمدؐ کہتا ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے، تو پھر زندہ کیے جائیں گے، اور اپنے کیے کا حساب دیں گے۔ اچھے کاموں میں اچھا بدلہ پائیں گے اور برے کا برا۔ اچھے کام کریں گے تو جنت میں جائیں گے اور برے کام کریں گے، تو جہنم میں جائیں گے۔"

پھر انہوں نے سوچا کہ ذرا محمدؐ کو بلائیں اور کچھ بحث و مناظرہ کریں اگر وہ اپنی باتوں میں سچا ہو گا تو دلیل دے گا، اور اگر جھوٹا ہو گا اور محض دعویٰ ہی کرتا ہو گا تو ہم کو حق ہو گا کہ اسے جتنا چاہیں، ستائیں۔ اور اس میں ہم بالکل معذور ہوں گے، نہ کسی کو ملامت کا حق ہو گا، اور نہ بازپرس کا۔

چنانچہ انہوں نے فوراً آپؐ کے پاس ایک آدمی دوڑایا۔ آدمی پہنچا تو آپؐ کو ان کی طرف سے کچھ امید ہوئی۔ آپؐ نے سوچا کہ شاید ان پر حق بے نقاب ہو گیا اور شاید اب وہ ایمان لے

آ گئیں۔ یہ سوچ کر آپؐ بے تابی سے ان کی طرف بڑھے لیکن ...... وہاں تو کچھ اور تھا۔ وہاں تو وہی دلخراش باتیں تھیں۔ وہی ضد اور نفرت کی ادائیں تھیں۔ انہوں نے کہا:

"ہم تو جانتے نہیں کہ عرب میں کوئی ایسا آدمی ہوا ہو جس نے تمہاری طرح اپنی قوم کو تنگ کیا ہو۔ تم نے ہمارے دین میں عیب نکالا۔ ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے باپ دادا پر کیچڑ اچھالی۔ یہی کیا؟ پوری قوم کو تتر بتر کر کے رکھ دیا۔ خود ہی بتاؤ، کیا بات رہ گئی، جو تم نے چھوڑ دی۔ لیکن سنو! اب بھی ہم تم کو سینے سے لگانے کے لیے تیار ہیں۔ دولت، عزت، شہرت سب کچھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ دولت کی تمنا ہو تو بتاؤ۔ ہم تمہارے قدموں پر دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔ شہرت کی تمنا ہو تو بتاؤ، ہم تم کو اپنا سردار بنا لیں گے۔ اور اگر کہیں دماغی مرض ہے، یا جن کا اثر ہے تو ہم اچھے سے اچھے علاج کا انتظام کریں۔ علاج تمہارا ہو گا پیسہ ہمارا لگے گا۔"

آپؐ کی عقل و نیت پر زبردست حملہ تھا چنانچہ آپؐ کو بہت ملال ہوا۔ آپؐ نے فرمایا:

"مجھ میں اس طرح کی کوئی شکایت نہیں۔ مجھ کو مال و دولت کی بھی تمنا نہیں۔ شہرت یا بادشاہت کی بھی ہوس نہیں۔ میں تو اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تم کو غفلت سے چونکا دوں۔ برائی کا برا انجام بتا دوں اور نیکی کا نیک انجام بھی سنا دوں اور چاہو تو تمہیں رب سے ملا دوں۔"

ان باتوں کا ان پر کیا اثر ہوا؟ جاہلیت کی رگ اور پھڑک اٹھی اور ان میں ایک غل مچ گیا۔ اب جو کچھ منہ میں آیا وہ بکنے لگے۔ نیز انہوں نے کچھ الٹے سیدھے مطالبات بھی کیے، پھر بولے:

"اگر تم سچ مچ اللہ کے رسولؐ ہو، اور اس نے تم کو ہماری رہنمائی کے لیے بھیجا ہے تو ان مطالبات کو پورا کرو۔ پھر ہمیں یقین آئے گا کہ تم سچے ہو اور اس وقت ہم تمہاری بات مانیں گے۔"

چنانچہ کسی نے کہا:

"اپنے رب سے کہو کہ ہمارے لیے ایک چشمہ رواں کر دے۔ چشمہ بھی ایسا کہ زمزم سے بھی میٹھا ہو اور جیسے شام و عراق میں نہریں بہتی ہیں۔ ہمارے یہاں بھی بہنے لگیں۔"

کسی نے کہا:

"اگر تم نبیؐ ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ تم کو باغوں اور محلوں میں رکھے۔ اور سونے چاندی کے بہت سے خزانے دے دے تاکہ عیش کی زندگی گزرے یہ کیا کہ ہماری طرح بازاروں میں

مارے مارے پھرتے ہو اور روزی کے پیچھے خون پسینہ بہاتے ہو۔"

کسی نے کہا:

"یمامہ میں ایک آدمی ہے رحمان، وہی تم کو یہ سب باتیں سکھاتا ہے، تو سن لو، ہم رحمان پر تو ایمان لانے سے رہے اور اگر ایسا نہیں تو تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھو، اور وہاں سے ایک تحریر لاؤ جس کو ہم بھی پڑھ لیں۔"

کسی نے کہا:

"فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ انہی کو ہم پوجتے ہیں اب اگر تم اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو تو ہم تم پر ایمان لے آویں۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کہ کیسی سزا اور کیسا عذاب ہے جس کی یہ دھمکیاں ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"پاک ہے میرا رب! کیا میں ایک پیغمبر کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟"

اللہ نے فرمایا:

"بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو تمہیں اس سے بھی اچھی چیزیں دے دے۔ چاہے تو ایسے باغ دے دے۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہوں، اور چاہے تو بہت سے محل دے دے۔"

ان لوگوں نے کہا:

"محمدؐ! ہم نے تمہارے سامنے کتنی ہی باتیں رکھیں۔ لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ ہم نے تم سے کتنی ہی خواہشیں کیں، لیکن تم نے سب ٹھکرا دیں۔ سن لو، اب ہم معذور ہیں۔ اور اب ہمیں حق ہے کہ تمہارے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کریں۔ یاد رکھو، ہم تمہاری جان ہی لے کر چھوڑیں گے۔ اب تو یا تم رہو گے یا ہم۔"

اور اب انہوں نے آپؐ کے قتل کا فیصلہ کر لیا، بالکل آخری اور محکم فیصلہ۔

"لیکن اگر محمدؐ کو قتل کیا تو ... ابوطالب کا کیا ہو گا؟ ان کے کلیجہ میں آگ لگ جائے گی، اور جہاں وہ بگڑے، سارے آل مصلب بگڑ جائیں گے۔ پھر تو بہت برا ہو گا۔ یہی لوگ تو قریش کے سردار اور سرکار ہیں، ان کے بعد کیا بنے گا؟!"

یہ خیال آتے ہی ان کی ہمت جواب دینے لگی اور سارے حوصلے پست ہو گئے۔

"مگر ہاں، ایک شکل ہے، کوئی ترکیب کی جائے کہ محمدؐ ابوطالب کی نظر سے گر جائے یا کم از کم ان کا دل پھیکا ہو جائے کہ اس کو ہم قتل کریں تو وہ چپ چاپ رہیں۔"

چنانچہ انہوں نے بہت سوچا، بہت سوچا، اور کئی دن تک سوچا، بالآخر ان ناداتوں کی عقل نے مشورہ دیا:

"ابوطالب کے پاس اپنا ایک جوان لے کر جاؤ۔ جوان بھی ایسا کہ طاقت اور بہادری میں مشہور ہو اور دنیائے حسن کا بھی بادشاہ ہو۔ پھر ان سے کہو کہ اپنے بھتیجے کو دے دیں۔ اور اس کی جگہ اس جوان کو رکھ لیں۔"

☆☆☆

اپنی اس بودی تدبیر پر قریش بہت مگن تھے۔ چنانچہ وہ ابو طالب کے پاس آئے اور ساتھ میں ایک جوان بھی لائے، ولید بن عمارہ نامی جوان، اور بولے:

"ابو طالب! یہ عمارہ کا بیٹا ولید ہے۔ قریش کا سب سے بہادر، اور طاقت ور جوان۔ اور پھر دنیائے حسن کا بھی بادشاہ۔ آج سے یہ آپ کا بیٹا ہے۔ ہر معاملہ میں صحیح مشورہ دے گا۔ اور ہر کام میں آپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ ہاں، تو اس کو اب آپ رکھیے اور اس کے بدلے بھتیجے کو ہمیں دے دیجئے کہ اس کا قصہ ہی پاک کر دیں۔ خواہ مخواہ کے لیے اس نے ایک فتنہ ابھار رکھا ہے اور ساری قوم کو تتر بتر کر کے رکھ دیا ہے، اور پھر آپ کو تو اس سے بھی اچھا آدمی مل رہا ہے۔"

قوم کے سمجھداروں کی زبان سے ایسی باتیں! اس قدر عجیب و غریب اور عقل سے ہٹی ہوئی باتیں۔

ابو طالب ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ دیر تک تو وہ حیرت سے اُن کا منہ تکتے رہے پھر بولے:

"اے عقل کے مارے دیوانو! کتنا بُرا سودا کر رہے ہو تم! تمہارا بیٹا تو میں اپنے پاس رکھ کر موٹا کروں اور اپنے کلیجہ کو دے دوں کہ تم اس کی تکہ بوٹی کرو؟ خدا کی قسم یہ تو قیامت تک نہ ہوگا۔"

عدی کا بیٹا مطعم بولا کہ یہ بھی قریش کے سرداروں میں تھا:

"خدا کی قسم ابو طالب! قوم نے بہت انصاف کیا اور لاکھ کوشش کی کہ ناگواری کی کوئی بات نہ ہو، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ان کی کوئی بات ہی ماننے کو تیار نہیں؟"

ابو طالب نے کہا:

"بخدا میرے ساتھ ذرا بھی انصاف نہیں کیا گیا۔ اصل میں تم نے مجھے رسوا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کہ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہی رہو گے۔ تو جاؤ۔ جو جی میں آئے، کر دیکھو۔"

لوگوں نے کہا:

"ہم نے ذرا بھی ناانصافی نہیں کی۔ نہ آپ کے ساتھ کی نہ بھتیجے کے ساتھ کی۔ ہم نے بار بار کہا کہ بھتیجے کو سمجھائیے اور اس کو ان کی حرکتوں سے روکیے، لیکن آپ نے کبھی نہیں روکا۔ سن لیجئے،

اب اگر اس نے دیوتاؤں کا نام لیا یا بزرگوں کو کچھ کہا، یا ہماری عقل و سمجھ پر کوئی حملہ کیا، تو برداشت نہ ہوگا۔ اب بس دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپ سمجھا بجھا کر اس کا منہ بند کر دیں۔ ورنہ ہم لوگ جنگ کریں گے اس سے بھی کریں گے اور آپ سے بھی کریں گے، اور ہر اس شخص سے کریں گے جو آپ دونوں کا ساتھ دے گا۔ اب تو یا آپ رہیں گے یا ہم!"

پھر یہ کہہ کر لوگ چلے گئے۔ معاملہ چونکہ سخت تھا اور موقع بڑا نازک تھا اس لیے ابوطالب کو بہت رنج ہوا، اور دل کو بہت دکھ ہوا، اور قوم اور خاندان کے اس کھلے چیلنج نے ان کا جگر چیر دیا۔

قوم کی دشمنی مول لینے کا یارا نہیں، اور بھتیجے کو بے سہارا چھوڑ دینا بھی گوارا نہیں۔ ایک عجیب و غریب کش مکش تھی اور بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ چنانچہ ابوطالب کا سر جھک گیا اور وہ سوچنے لگے:

"میں کیا کروں؟ اف......... اب میں کیا کروں؟"

ابوطالب! اب تم کیا کرو گے؟ بولو، اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ کیا بھتیجے کو ظالموں کا لقمہ تر بناؤ گے؟ یا اس کی حمایت میں جان لڑاؤ گے؟

ایک فیصلہ کن گھڑی تھی اور دنیا کو انتظار تھا کہ دیکھیں، کیا ہوتا ہے؟

بالآخر ابوطالب نے طے کیا کہ آپؐ کو بلائیں اور کسی طرح دعوت دینے سے روک دیں، کہ یہی دعوت قوم کی عداوت کا سبب تھی۔ اسی نے قریش کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اسی نے ان کی شان و شوکت کا محل ڈھا کر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ محمدؐ چچا کے پاس گئے۔ چچا نے سارا قصہ سنایا اور قریش کا چیلنج بھی بتایا۔ پھر بولے:

"جان عم! خدارا مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کھاؤ۔ مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں سہار نہ سکوں۔"

یہ ایک فیصلہ کن گھڑی تھی اور دنیا پھر سراپا انتظار تھی کہ دیکھیں، اب کیا ہوتا ہے!

کیا محمدؐ رب کی پکار سے رخ پھیر لیتے ہیں اور چچا کی پکار پر لبیک کہتے ہیں؟

کیا محمدؐ حق کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اور دین اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں؟ کیا اب دنیا نور ایمان سے جگمگاتی ہے، یا کفر کی تاریکی ہی چھائی رہتی ہے؟

محمدؐ! اپنے دردمند چچا کی باتیں سن لیں، کہو اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ بولو اب کیا ارادہ ہے؟

آپؐ نے وہی فیصلہ کیا، جو فیصلہ آپؐ کے رب کا تھا۔ آپؐ نے وہی بات پسند کی، جس میں خود خدا کی پسند تھی۔ چنانچہ پورے عزم و ہمت سے فرمایا:

"چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند، اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں، تو یہ ناممکن ہے یا تو یہ کام پورا ہوگا، یا میری جان بھی اسی راہ میں کام آئے گی۔"

اللہ اللہ۔۔۔ یہ حق کی طاقت، اور ایمان کی عظمت! یہ باطن کی قوت اور روح کی عظمت!

محمدؐ حق کے ساتھ تھے۔ حق ہی کے لیے آپؐ کا جینا تھا اور حق ہی کے لیے آپؐ کو مرنا تھا!

اب چچا نے بھتیجے کو بہت ہی حیرت اور تعجب سے دیکھا، آپؐ کے عزم و حوصلہ کا ان پر بڑا اثر ہوا، اور وہ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ مقصد کی یہ دھن! اور کام کی لگن! اس راہ میں کیا مصیبتیں آئیں گی؟ اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ قوم کیا سلوک کرے گی؟ اس کی کوئی فکر نہیں۔

پھر محمدؐ چچا کے پاس سے اٹھے، اور چل دیے۔ روکنا بہت چاہا، مگر آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے، اور دل میں ایک ہلچل مچ گئی۔

"اب کیا ہوگا؟ اب تو چچا کی بھی آنکھیں بدل گئیں۔ ان کے عزم و ہمت نے بھی جواب دے دیا۔ انہوں نے اب مجھ کو بے سہارا چھوڑ دینا گوارا کر لیا ہے۔۔۔ جس چچا نے مجھے سدا کلیجے سے لگائے رکھا، آج مصیبتوں کے طوفان میں اس نے تنہا چھوڑ دیا۔"

لیکن ابھی آپؐ کچھ ہی دور گئے تھے، کہ چچا نے آواز دی:

"بھتیجے! ذرا سننا۔"

چنانچہ پھر چچا کے پاس گئے۔

چچا نے کہا:

"بھتیجے جاؤ! اور جو دل چاہے کہو! جب تک جان میں جان ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

چچا کی زبان سے آپؐ نے یہ باتیں سنیں تو خوشی سے چہرۂ مبارک کندن کی طرح دمکنے لگا، اور سینہ میں ایک نیا حوصلہ اور ولولہ موجیں مارنے لگا۔ مشرکوں کے چہرے پر بل آتا ہے، آیا کرے۔ ان کی تیوری چڑھتی ہے، چڑھا کرے۔ ہم تو اس راہ میں جان لڑاتے رہیں گے اور تاریک دنیا میں نورِ اسلام پھیلا کے رہیں گے۔ یہ تھا آپؐ کا عزم! اور یہ تھا آپؐ کا حوصلہ!

اب چچا بھتیجے کی مدد کے لیے کمر کسنے لگا، اور اس کے لیے خاندان کو بھی تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اس نے جھٹ پٹ سب کو جمع کیا، اور کہا:

"بھائیو! سب محمدؐ کے پیچھے پڑے ہیں، اور بالکل اس کی جان لینے پر تل گئے ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ان کی یہ تمنا بر نہ آئے اور ہم سب مل کر اس کا ساتھ دیں۔"

یہ سن کر سب نے ابوطالب کی ہمت بڑھائی اور مدد کا وعدہ کیا، بس ایک ابولہب تھا، جس کو بھتیجے پہ ذرا بھی ترس نہ آیا، اور اس نے بھتیجے ہی آپ کی دشمنی کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ میں قریش کے ساتھ ہوں اور انہی میں مل کر کام کروں گا۔

اب قریش پورے زور شور سے آپؐ کی مخالفت پر تل گئے، اور دعوت کو ناکام بنانے کے لیے نت نئی چالیں چلنے لگے۔ نیز انہوں نے آپؐ پر وہ ظلم ڈھائے کہ خدا کی پناہ! زمین لرز اٹھی اور آسمان تھرا گئے۔ لیکن ان ظالموں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ پھر یہ چیز آپؐ ہی تک محدود نہ تھی۔ ساتھیوں کو بھی انہوں نے اپنی بے رحمیوں کا نشانہ بنایا اور ظلم وستم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔

لیکن پیارے نبیؐ اور آپؐ کے ساتھی سب کچھ سہتے رہے!

☆☆☆

مُحمّد عربی ﷺ

طوفانی کشمکش

قریش کا طوفانِ بدتمیزی۔

ابوجہل کی ناکام سازش۔

رسول اللہ حافظ حقیقی کی حفاظت میں۔

مشرکین کی دلدوز سفاکیاں۔

بے بس مسلمانوں کی حیرت ناک استقامت۔

حضرت حمزہؓ اسلام کی آغوش میں۔

حضرت حمزہؓ کی جرأت و بے باکی۔

رسولِ خدا اور عتبہ کی گفتگو۔

عتبہ کا تاثر اور قریش کو مشورہ۔

بت کدے میں قرآن کی گونج۔

ایک عظیم شور و شر۔

قرآن کے بارے میں شرک کے علمبرداروں کا تاثر۔

رسالت کا زندہ ثبوت۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی۔

کافر ہاتھ دھو کر پیارے نبیؐ اور ساتھیوں کے پیچھے پڑے رہے چنانچہ وہ بڑی بے دردی سے ستاتے، گالیاں دیتے۔ پتھر برساتے اور اپنی ذلیل حرکتوں کی ایسی ایسی نمائش کرتے کہ شرافت نے کبھی تو آنکھیں بند کر لیں اور کبھی کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

رقیہؓ اور ام کلثومؓ آپؐ کی دو بیٹیاں تھیں۔ یہ عتبہ اور عتیبہ کو بیاہی تھیں۔ عتبہ اور عتیبہ ابولہب کے بیٹے تھے اور باپ ہی کی طرح یہ دونوں بھی اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ چنانچہ ایک زمانہ تک یہ نیک بیویوں کا ناک میں دم کیے رہے، اور کڑوی کڑوی باتوں سے ان کے دل چھیدتے رہے مگر بدنصیب ابولہب کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی اور اس نے ان کو بیٹوں سے جدا کر دیا۔

پھر چونکہ وہ پیارے نبیؐ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اس لیے اس کا وجود آپؐ کے لیے ایک مستقل درد سر تھا۔ حد یہ ہے کہ آئے دن وہ آپؐ کے دروازے پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتا اور کبھی غلاظت بھی لا کر ڈال جاتا۔ اس کی بیوی ام جمیل بھی کچھ کم نہ تھی۔ یہ راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتی۔

دشمنوں کا آپؐ کے ساتھ یہ برتاؤ تھا مگر اس پر بھی آپؐ نے شرافت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ان کی بدتمیزی کا جواب ہمیشہ عالی ظرفی اور خوش اخلاقی سے دیا۔ وہ سب کچھ کرتے رہتے اور آپؐ دیکھا کرتے اور صبر کرتے اور کبھی پریشان ہو جاتے تو صرف اتنا فرماتے:

"آل مطلب! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ؟"

پھر قریش تو آپؐ کے قتل ہی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سب آپؐ کے ساتھ ہیں اور آپؐ پر جان دینے کو تیار ہیں تو اس سے وہ سہم کے ٹھٹھکائے اور اب ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے یہ ناپاک ارادہ دل سے نکال دیا۔ البتہ چوٹیں کرنے اور پھبتیاں کسنے سے وہ اب بھی باز نہ آئے۔ کہیں راستے میں آپؐ کو پا جاتے یا ساتھیوں میں دیکھتے تو زور زور کا قہقہہ لگاتے اور کہتے:

"کیوں محمدؐ! آسمان سے آج کچھ نہیں آیا؟"

یا کہتے:

''کیا اور کوئی نہیں تھا، کہ خدا نے تمہیں رسول بنا دیا؟ یہاں تو ایک سے ایک موجود تھے۔ تم سے زیادہ ہوشیار بھی اور مالدار بھی!!''

یا وہ تالیاں پیٹتے، اور سیٹیاں بجاتے کہ آپ بات نہ کر سکیں۔ کمزور اور نادار مسلمانوں کو دیکھتے تو قہقہے لگاتے اور اشارہ کرتے ہوئے کہتے:

''یہ لوگ تو زمین کے بادشاہ ہیں۔ جلد ہی روم و ایران کو تاراج کریں گے۔''

آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل تھا۔ دشمنی میں یہ ایک دم دیوانہ تھا اور شرافت و وقار سے بالکل ہی بے گانہ۔ آپ کے لیے ہر برا کام اسے گوارا تھا۔ چنانچہ جہاں پاتا، وہ آپ کو کوستا، اور اوروں کو بھی آپ کے خلاف اکساتا۔ آپ نماز پڑھتے تو کچھ اوباشوں کو ساتھ لے کر خوب ہنسی اڑاتا اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے تو غنڈوں کو جمع کر کے قہقہے لگاتا اور بار بار لوگوں سے کہتا:

''محمد کے پرزے اڑا دو، پھر چین کی بنسی بجاؤ!!''

یہی کیا؟ ایک دن تو اس نے ساتھیوں سے کہا:

''خدا کی قسم، کل ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا۔ اتنا بھاری کہ اٹھائے نہ اٹھے اور جونہی محمد سجدہ میں جائے گا، اس کا سر پیس کر رکھ دوں گا۔ پھر چاہے تم لوگ میرا ساتھ دو، یا چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ آل مناف بھی جو کچھ کریں گے، دیکھا جائے گا۔''

ساتھیوں نے بھی خوب ہمت افزائی کی، اور جوش دلاتے ہوئے بولے:

''توبہ توبہ، ہم لوگ ساتھ چھوڑ سکتے ہیں! اس طرف سے تو آپ بالکل بے غم رہیے، اور جو جی میں آئے، بے دھڑک کیجیے۔''

چنانچہ صبح ہوئی تو ابوجہل نے ایک بھاری پتھر لیا اور کعبہ کے پاس انتظار میں بیٹھ گیا، اور قریب ہی ساتھی بھی بیٹھ گئے، پھر روز کی طرح پیارے نبی آئے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوئے اور نماز[1] میں مصروف ہو گئے۔ پھر جونہی آپ سجدے میں گئے، ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور آپ کی طرف بڑھا۔ ساتھی چپ چاپ بیٹھے رہے اور غور سے دیکھتے رہے، کہ کیا ہوتا ہے؟

کتنا عجیب منظر تھا یہ.....! ایک دشمن خدا اس سر کو کچلنے جا رہا تھا جو سر خدا کے قدموں کو چھو رہا

---

[1] چاشت کی نماز آپ حرم میں ادا کرتے تھے۔ یہ نفل نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ (ابن الاثیر)

تھا، اور اس وجود کو مٹانے جارہا تھا۔ جس کا نگہبان خود خدا تھا۔

ساتھی ہونے والے حادثہ پر نظریں جمائے، دھڑکتے ہوئے دل سے ابو جہل کو دیکھتے رہے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لوٹ پڑا۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ اور آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں پتھر جوں کا توں تھا۔

ساتھی سخت حیران ہوئے۔ بڑھ کر انہوں نے پوچھا:

"ارے ابوالحکم! کیا ہوا، کیا ہوا؟"

ابو جہل (ہانپتے ہوئے):

"ارے تم کو کچھ نہیں دکھتا؟ سامنے آگ کا الاؤ ہے ذرا بھی آگے بڑھتا تو بھسم ہو کر رہ جاتا۔"

یہ سن کر وہ اور حیران ہوئے اور حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے پھر انہوں نے سوچا کہ معلوم ہوتا ہے، ارادہ بدل گیا ہے اور کرنے کو جی چاہتا نہیں۔ بس اسی کے لیے یہ سب حیلے بہانے ہیں۔ چنانچہ ایک ساتھی تو جوش سے بے تاب ہو گیا، اور فوراً اس نے وہی پتھر اٹھایا، اور اسی ارادہ سے آپ کی طرف بڑھا، مگر کچھ ہی دور گیا، کہ اس کے بھی قدم رک گئے، اور پھر وہ لوٹ پڑا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا اور خوف سے آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی، اور دشمنوں کی سازش دھری کی دھری رہ گئی۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ قریش نے بڑی بڑی سازشیں کیں، اور بار بار کیں۔ لیکن ان کے ارمان کبھی پورے نہ ہوئے اور وہ مسلسل منہ کی کھاتے رہے۔ پر اب بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ آپ پر کسی طرح بس نہ چلا تو انہوں نے بے چارے کمزور مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ان کو تڑپا تڑپا کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ پھر اس کام میں قریش تنہا نہ تھے اور بہت سے قبیلے بھی ان کے ساتھ تھے، اور ان کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ ان قبیلوں نے آپس میں ایک معاہدہ بھی کیا۔

اس معاہدہ کی رو سے کوئی قبیلہ کسی مسلمان کو پناہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہر قبیلہ کا فرض تھا کہ جہاں کہیں مسلمان مل جائیں، وہ ان کے لیے سراپا ظلم و ستم بن جائے۔ ان کو خوب مارے پیٹے اور جس طرح ہو سکے انہیں ذلیل و رسوا کرے۔ شرافت اور انسانیت سر پیٹیں تو پیٹا کریں، وہ اس کی ذرا بھی پروا نہ کرے اور اگر کسی کا غلام یا باندی مسلمان ہو جائے، تو اس پر وہ ذرا بھی ترس نہ

کھائے۔ تو پیٹ بھر کھانا تو در کنار، اسے وہ اتنا ستائے کہ وہ تنگ آ کر دین سے بیزار ہو جائے اور پھر اپنے آبائی دین ہی کی پناہ لے۔

دن بدن ان کے مظالم بڑھتے ہی گئے۔ ان میں ایسے ایسے بھی بے رحم تھے، جن کے سینوں میں دل نہ تھے، پتھر کے ٹکڑے تھے۔ ان ظالموں نے بے کس مسلمانوں کو قید کیا۔ مارا پیٹا، بھوکا پیاسا رکھا۔ مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا۔ پانی میں غوطہ دیا اور نہ جانے کیا کیا کیا!!

مگر ان سب کے باوجود اہل ایمان پوری پامردی سے اسلام پر جمے رہے اور مردانہ وار ساری آزمائشوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

انہی جواں مردوں میں یاسرؓ، ان کی بیوی سمیہؓ اور لخت جگر عمارؓ بھی تھے۔ یہ تینوں مکہ کے غریبوں میں سے تھے، اور بہت پہلے اسلام لے آئے تھے۔ خاندان والے اُن کے کپڑے اتار دیتے اور جب دوپہر سخت ہو جاتی، تو تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے۔ اس کے علاوہ کبھی آگ میں جلاتے اور کبھی پانی میں غوطے دیتے۔ اسی بے کسی کے عالم میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو آپ ان کو تسلی دیتے اور بہت ہی درد بھرے لہجے میں فرماتے:

"صبر کرو، صبر تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔"

حضرت یاسرؓ نے تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے دی لیکن حضرت سمیہؓ کو ابو جہل نے شہید کیا۔ یہ ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا رہتا۔ اور بڑی بے دردی سے ستاتا۔ چنانچہ ایک روز انہیں جوش آ گیا۔ اور گفتگو کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا۔ اب کیا تھا، ابو جہل غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اتفاق سے اس وقت ہاتھ میں برچھی بھی تھی۔ کھینچ کر اس نے ایسا مارا کہ آپ کا دم نکل گیا۔ اس طرح اسلام میں سب سے پہلے شہادت کا شرف انہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمارؓ کو بھی ظالم لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے یا تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔ لیکن اس مار پیٹ اور دھوپ کی سختی سے ایمانی گرمی میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

انہی جواں مردوں میں حضرت خبابؓ بھی تھے۔ یہ ام انمار کے غلام تھے۔ ام انمار روز لوہے کی سلاخیں گرم کرتی اور ان کے سر پر رکھ دیا کرتی۔ اس کے علاوہ اور نہ جانے ان پر کیا کیا ستم

ہوتے۔ حد یہ ہے کہ ایک دن کوئلے دہکائے گئے اور وہ ان پر چت لٹا دیئے گئے، اور اسی حال میں کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔ تاب نہ لا کر حضرت خبابؓ نے ان بے دردیوں کی فریاد رحمتِ عالم سے کی تو آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

"خدایا! خبابؓ کی مدد کر۔"

چنانچہ دعا رنگ لائی اور اُمِّ انمار کے سر میں کوئی بیماری ہو گئی۔ حکیموں نے اس کا علاج کیا بتایا........! گرم سلاخوں سے وہ سر کو داغا کرے۔ چنانچہ حضرت خبابؓ لوہے کی سلاخیں گرم کرتے، اور پھر اس کا سر داغتے۔

انہی جواں مردوں میں حضرت بلالؓ بھی تھے۔ یہ حبش کے رہنے والے تھے۔ اور خلف کے بیٹے امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کا کھانا پانی سب بند کر دیتا۔ پھر جب بھوک پیاس سے وہ بے قرار ہو جاتے اور ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو وہ تپتی ہوئی چٹانوں پر انہیں چت لٹا دیتا اور چھاتی پر بہت بھاری پتھر رکھوا کر کہتا:

"یا تو محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دو، اور لات وعزیٰ کو پوجو ورنہ اسی طرح ایڑیاں رگڑتے رہو۔"

حضرت بلالؓ یہ سارے مظالم سہتے اور اس وقت بھی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ ہوتے:

احَدٌ! احَدٌ!!

"ایک ہے، بس ایک ہے۔"

وہ تو ایمان کے نشہ میں چور تھے، اور وہ نشہ ایسا نہ تھا، جو ان تلخیوں سے اتر جاتا۔ چنانچہ جوش کے عالم میں وہ بار بار یہی الفاظ دہراتے۔

رحمتِ عالم کا گزر ہوتا، تو ان کی یہ مظلومی دیکھ کر تڑپ اٹھتے، اور بہت ہی درد بھرے لہجہ میں فرماتے:

"بلالؓ! گھبراؤ نہیں۔ احد، احد جلد ہی نجات دے گا۔" ورقہ بن نوفل کا گزر ہوتا تو وہ کہتے:

"بلالؓ! بخدا وہ ایک ہی ہے۔ ہاں، وہ ایک ہی ہے۔"

پھر وہ ظالموں کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے:

"خدا کی قسم! اگر تم لوگوں نے اسی طرح اس کی جان لے لی، تو میں اس کی قبر کو زیارت گاہ بناؤں گا۔"

غرض حضرت بلالؓ یہ سختیاں جھیلتے رہے اور صبر کرتے رہے یہاں آخر ایک دن حضرت ابوبکرؓ امیہ کے پاس گئے اور بولے

"ارے تجھ کو ذرا بھی خدا کا ڈر نہیں کہ اس بیچارے کو دُکھ دے ڈال رہا ہے؟"

وہ بولا

"تم نے ہی تو اس کو بگاڑا ہے۔ اب تم ہی بچا لو بھی۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا

"میرے پاس ایک مشرک غلام ہے۔ تو اسے لے لے۔ اور اسے مجھے دے دے۔"

وہ بولا

"چلو منظور ہے۔ لے جاؤ اسے۔"

اس طرح حضرت ابوبکرؓ نے اپنا غلام امیہ کو دے دیا اور اس سے حضرت بلالؓ کو لے کر آزاد کر دیا۔ صرف حضرت بلالؓ ہی نہیں۔ اور نہ جانے کتنے غلام تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور اسی جرم میں بے رحم آقاؤں کی سفاکیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ان مظلوموں کو دیکھ دیکھ کر تڑپ اٹھتے۔ آخر ان سے رہا نہ گیا۔ اور سب کو خرید خرید کر انہوں نے آزاد کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کے باپ نے کہا:

" بیٹے! تم تو بہت کمزور کمزور غلام آزاد کر رہے ہو۔ ذرا ایسے غلام آزاد کرو جو بہادر اور طاقتور ہوں۔ کہ وقت پڑنے پر تمہارے کام بھی آ سکیں۔ اور مصیبت میں تمہاری مدد کر سکیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا

"ابا جان! میرا مقصود تو صرف اللہ کو خوش کرنا ہے۔"

بارگاہِ خداوندی میں یہ بات بہت پسند آئی اور وحی ہوئی:

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝ (الليل ۱۹-۲۱)

"اور کسی کا اس کے ذمہ کوئی احسان نہیں ہے، جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔ اسے بس اپنے بلند و برتر رب کی خوشی حاصل کرنی ہے اور وہ جلد ہی راضی ہو جائے گا۔"

☆☆☆

ابوجہل ہمارے نبیؐ کو ستانے میں ذرا بھی نرم نہ پڑا۔ وہ موقع بہ موقع دل کا بخار نکالتا رہا۔
نبوت کا چھٹا سال تھا۔ ایک روز آپؐ کے پاس سے اس کا گزر ہوا۔ دیکھتے ہی وہ گالیاں دینے لگا۔ اور جتنا برا بھلا آپؐ کو کہہ سکتا تھا، کہتا رہا۔ مگر آپؐ اس سے منہ نہ لگے۔ منہ لگنا تو در کنار آپؐ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے۔ یہ بات اس کو اور کھل گئی۔ اور وہ غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ چنانچہ جھک کر اس نے زمین سے مٹھی بھر کنکری اٹھائی۔ اور روئے مبارک پر پھینک ماری۔ پھر آپؐ کو دیر تک صلواتیں سناتا رہا۔ اور منہ میں جو کچھ آتا رہا، بکتا رہا۔
وہیں ایک لونڈی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ یہ عبداللہ تیمی کی لونڈی تھی۔ ہاں، وہی عبداللہ تیمی جو آپؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ قریش کے سرداروں میں اس کا شمار تھا۔ اور بہت ہی دولت مند رئیس تھا۔ مگر عیاشی اور بدکاری میں طاق تھا۔ باندیاں خرید خرید کر رکھتا اور ان سے بدکاری کراتا۔
رسولِ خدا سے دشمنِ خدا کا یہ سلوک! اس لونڈی کا دل بھر آیا۔ کیونکہ اسلام سے اس کو بڑی محبت اور حضورؐ سے بے پناہ الفت تھی۔ اگرچہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے اور اس نے بھی کسی کو جتایا نہیں تھا۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ آقا اگر جان گیا تو مارتے مارتے بے دم کر دے گا۔
شام کو اسے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ ابوقبیس نامی پہاڑ کی طرف سے آ رہی تھی۔ دیکھا تو ایک آدمی چلا آ رہا تھا۔ قد درمیانہ تھا۔... آنکھیں سیاہ تھیں۔ کاندھے چوڑے چوڑے تھے۔ چہرے سے وقار اور ہیبت ٹپک رہی تھی۔ کمر میں تلوار بندھی تھی۔ اور گردن سے کمان لٹک رہی تھی۔ پشت پر ترکش بھی تھا۔ وہ کون تھا؟ شیرِ قریش... حمزہؓ تھا۔ ہاں وہی حمزہؓ جو عبدالمطلب کا بیٹا اور حضورؐ کا چچا تھا۔ ایک رشتہ سے آپؐ کی خالہ کا بیٹا تھا اور دودھ شریک بھائی بھی تھا وہ شکار سے واپس ہوا تھا اور کعبہ کا طواف کرنے جا رہا تھا۔ اس کا ہمیشہ یہی معمول تھا۔ شکار سے واپس ہو کر سب سے پہلے وہ کعبہ جاتا۔ وہاں پہنچ کر طواف کرتا اور پھر گھر واپس آتا۔
حمزہ قریب ہوا تو لونڈی بولی:

"ابوعمارہ! کیا آپ لوگوں میں غیرت نام کو نہ رہی کہ بنی مخزوم کے غنڈے محمدؐ کو اتنی آزادی سے ستا رہے ہیں!" حمزہؓ چلتے چلتے رک گیا اور بڑی حیرانی سے اس نے پوچھا:

"عبداللہ کی لونڈی! تو کیا کہہ رہی ہے؟"

لونڈی نے جواب دیا:

"میں کیا بتاؤں، آج تمہارے بھتیجے پہ کیا بنی! محمدؐ یہیں پہ تھے کہ اتنے میں کہیں سے ابوجہل بھی آ گیا۔ آتے ہی اس نے وہ وہ گالیاں دیں کہ میں تو سر پیٹ کے رہ گئی۔ پھر اسی پر بس نہ کیا۔ مٹھی بھر کنکری بھی اس نے ان کے منہ پہ پھینک ماری۔"

حمزہ نے کہا:

"کیا یہ آنکھوں دیکھی بات ہے؟"

لونڈی بولی:

"ہاں، ہاں میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔ اور میرے ان کانوں نے سنا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ حمزہؓ غصہ سے لال ہو گیا۔ چنانچہ لپک کر وہ کعبہ گیا۔ اور آج کسی سے کوئی بات چیت نہ کی۔ سلام تک نہ کیا۔ پہنچتے ہی وہاں ابوجہل پر نظر پڑ گئی۔ جو لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ حمزہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اور کمان سنبھال کر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اب کیا تھا۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اور پورا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ پھر حمزہؓ نے پھنکارتے ہوئے کہا:

"وہ میرا بھتیجا ہے۔ جسے تو نے بے وارث سمجھ رکھا ہے وہ میرا بھتیجا ہے، جس کا چہرہ گالیوں اور پتھر کھانے کے لیے نہیں ہے۔"

حمزہؓ بہت بارعب آدمی تھا۔ اس کے غصہ سے ہر ایک کانپتا تھا۔ وہ بگڑ جاتا تو کوئی بول نہ سکتا تھا۔ اس لیے ابوجہل نے اس خطا کو خوشما بناتے ہوئے کہا:

"صاحب! اس نے تو ہم کو اوچھا سمجھ لیا ہے۔ جو چاہتا ہے، بک دیتا ہے۔ کبھی ہماری عقلوں پہ چوٹیں کرتا ہے۔ اور کبھی باپ دادا کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ اس پر بھی بس نہیں۔ وہ ہمارے دیوتاؤں تک کو نہیں بخشتا۔ پھر ہمارے جتنے لونڈی غلام ہیں۔ ان سب کو وہ بہکاتا ہے۔"

حمزہ بولا:

"تم سے زیادہ نادان ہے بھی کون، کہ اللہ کو چھوڑ کر بے جان مورتیوں کو پوجتے ہو! سن لو،

میں بھتیجے کے ساتھ ہوں۔ اب اسلام ہی کے لیے میرا جینا ہے اور اسلام ہی کے لیے میرا مرنا ہے۔"

چونکہ ابوجہل قبیلہ بنی مخزوم سے تھا اور وہاں اس قبیلہ کے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ اس لیے فوراً وہ ابوجہل کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بولے۔

"حمزہؓ! معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دین سے پھر گئے اور کسی اور کے چکر میں آ گئے۔"

حمزہؓ نے کہا:

"جب اس کا حق ہونا مجھ پر واضح ہو گیا، تو پھر کیوں نہ مانوں؟ سن لو، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، بالکل حق ہے! خدا کی قسم اب میں اس سے نہیں پھر سکتا۔ ہاں اگر تم سچے ہو، اور کچھ بل بوتہ رکھتے ہو تو روک کر دیکھو۔"

ابوجہل نے حمزہؓ کا یہ غصہ دیکھا تو وہ ڈرا اور سمجھ گیا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ساتھیوں سے وہ بولا:

"جانے دو، میں نے واقعی محمدؐ پر بڑا ظلم کیا۔"

اس طرح حمزہؓ نے بھرے مجمع میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، اور پوری بے باکی سے جتا دیا کہ میرا وہی دین ہے، جو محمدؐ کا ہے۔

مگر پھر لوٹ کر جب گھر آئے تو فکر مند ہوئے کہ

"کیا میں جو کچھ کہہ کے آیا ہوں، صحیح ہے؟ کہیں میں نے غلط بات کا تو اعلان نہیں کیا؟ کہیں میں جذبات کی رو میں تو نہیں بہہ گیا؟"

اسی طرح وہ سوچتے رہے اور سوچتے رہے، یہاں تک کہ آنکھوں آنکھوں میں رات کٹ گئی۔ وہ پوری رات جاگتے رہے، اور دعا کرتے رہے:

"خدایا! مجھ کو سیدھا راستہ دکھا۔ میرے دل کو قرار عطا فرما۔"

پھر صبح ہوئی تو انہیں ایسا معلوم ہوا، گویا سینہ کے پٹ کھل گئے۔ دل کو پورا اطمینان ہو گیا اور باطن نور یقین سے جگمگا اٹھا۔ چنانچہ وہ دوڑے ہوئے بھتیجے کے پاس آئے اور اپنے مسلمان ہونے کی خوشخبری سنائی۔ نیز مرتے دم تک دین کے لیے جان لڑانے کا عہد کیا۔

حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے ایوان کفر میں زلزلہ آ گیا۔ کیونکہ باطل ایک بہت بڑے بہادر

اور جانباز سپاہی سے محروم ہو گیا۔

حمزہؓ کے ایمان لانے سے آپؐ کو کتنی خوشی ہوئی؟ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ لوگوں نے دیکھا کہ اس وقت چہرۂ مبارک گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا، اور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ تیز اسی موقع پر بے اختیار آپؐ کی زبان سے نکلا:

"خدایا! حمزہؓ کو ثابت قدم رکھ۔"

کیونکہ حمزہؓ قریش کے سب سے بڑے پہلوان تھے۔ ان کی بہادری کا ہر طرف چرچا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے دبتا تھا۔ اس طرح ان کا مسلمان ہونا اسلام کے دورِ اقبال کا آغاز تھا۔ پھر اسی وقت آپؐ نے یہ دعا بھی فرمائی:

"خدایا! عمر اور عمرو میں جو تجھے زیادہ محبوب ہو، اس سے اسلام کی مدد فرما۔"

عمر خطاب کا بیٹا تھا۔ اور عمرو (ابو جہل) ہشام کا۔ یہ دونوں بھی قریش کے بہت ہی طاقتور اور بااثر سردار تھے۔ آپؐ کی تمنا تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے کہ اسلام کی شوکت دوبالا ہو جائے۔

........☆☆☆........

مسلمان رفتہ رفتہ بڑھ رہے تھے۔ اس سے قریش بہت پریشان اور فکر مند تھے لیکن حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا تو ان کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ان کی عزت و اقتدار کے لیے کھلا ہوا خطرہ تھا۔ چنانچہ جس نے بھی یہ خبر سنی سر پیٹ کے رہ گیا اور غم و غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ ہر طرف مایوسی پھیل گئی اور ہر طرف بے قراری اور اداسی چھا گئی۔ اب جہاں بھی دو آدمی جمع ہوتے، اسی کا رونا روتے اور اسی پر رنج و غم کا اظہار کرتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے۔ قریش جمع تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پیارے نبیؐ کا ذکر چھڑا تھا۔ اور وہی اپنی بے بسی کا رونا تھا کہ عتبہ بن ربیعہ۔۔۔ قریش کا ایک بڑا سردار بولا:

”بھائیو! کیا میں جاؤں، اور محمدؐ سے گفتگو کروں؟ میرا خیال ہے کہ اس کے سامنے کچھ باتیں رکھوں، ہو سکتا ہے کہ کوئی بات وہ مان لے، اور سر سے یہ بلا ٹل جائے۔“

سب نے کہا:

”ضرور جاؤ۔ ضرور جاؤ، ابو الولید! جا کر اس کو کسی طرح راضی کرو۔“

چنانچہ عتبہ اٹھ کر پیارے نبیؐ کے پاس آیا اور بولا:

”بھتیجے! تمھیں معلوم ہے کہ تم کتنے اونچے خاندان کے فرزند ہو۔ ہمارے دل میں تمھارا کیا مقام ہے؟ اس سے بھی خوب واقف ہو، مگر تم نے تو بہت بڑی آواز اٹھائی ہے۔ دیکھ رہے ہو۔ پوری قوم تتر بتر ہو گئی۔ اور سارا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اچھا سنو، میں کچھ باتیں رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات دل کو لگ جائے۔ اور تم اپنا یہ کام چھوڑ دو۔“

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

”ہاں، ہاں، کہیے ابو الولید! میں خوشی سے سنوں گا۔“

عتبہ بولا:

”بھتیجے! قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ دولت چاہتے ہو تو بتاؤ تمھارے سامنے ہم دولت کے ڈھیر لگا دیں۔ سرداری کا شوق ہو تو تمھیں اپنا سردار بنا لیں۔ بادشاہت کی تمنا ہو تو ہم

کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ پھر تمہارے بغیر کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔ اور جو تم کہو گے، وہی ہوگا۔ اور اگر آسیب کا اثر ہو گیا ہے، اور اس کے مقابلے میں تم بے بس ہو جاتے ہو، تو بتاؤ، ہم علاج کا اچھے سے اچھا انتظام کریں گے، اور جب تک اچھے نہیں ہو جاؤ گے پانی کی طرح دولت بہائیں گے۔"

اس طرح عتبہ وہی باتیں کرتا رہا، جو اس سے پہلے لوگ کر چکے تھے۔ پھر عتبہ اپنی بات سے فارغ ہوا تو آپ ؐ نے فرمایا:

"ابوالولید! ذرا سنیے، میں بھی کچھ سناتا ہوں۔"

اس کے بعد آپ ؐ نے سورۂ سجدہ کی تلاوت کی۔ عتبہ پوری توجہ سے سنتا رہا۔ اور کئی جگہ تو اس کا دل دہل گیا۔ پھر آپ ؐ تلاوت سے فارغ ہوئے تو وہ اٹھا۔ اور قریش کی طرف لوٹ پڑا۔ لیکن اب اس کی رائے پہلی جیسی نہ تھی۔ اب اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ چنانچہ ساتھیوں کی نظر پڑی، تو انہوں نے دور ہی سے کہا:

"خدا کی قسم! یہ وہ چیز نہیں جو یہاں سے لے کر گیا تھا۔"

پھر وہ قریب ہوا تو سب نے پوچھا:

"کہو ابوالولید! کیا رہا؟"

ابوالولید بولا:

"خدا کی قسم! میں نے شاعروں کے قصیدے سنے ہیں۔ کاہنوں کے بھی کلام سنے ہیں۔ لیکن یہ چیز ہی اور ہے۔ اس جیسی چیز تو میرے کانوں نے اب تک نہ سنی۔ بھائیو! میری بات مان لو اور جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دو۔ اس کو عرب پر چھوڑ دو۔ اگر وہ غالب آ گئے تو تمہارا مقصد حاصل ہے بھائی کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچ جاؤ گے۔ اور اگر وہ اس کے سامنے جھک گئے، تو اس کی عزت تو تمہاری عزت ہے۔ اس کی طاقت تو تمہاری طاقت ہے۔"

قریش بولے۔

"ابوالولید!... خدا کی قسم... تم بھی اس کے جادو سے بچ نہ سکے۔"

عتبہ نے کہا:

"میں نے جو سمجھا، کہہ دیا۔ اب تمہارا جو دل چاہے، کرو۔"

قریش کسی کو قرآن گنگناتا سن لیتے تو بہت ستاتے، اور مذاق اڑاتے۔ کسی کو نماز پڑھتا دیکھ

لیتے تو آواز سے کہتے اور قہقہہ لگاتے۔ سراسر ہٹ دھرمی اور دشمنی کے مارے۔ ورنہ پیارے نبی کی باتیں جاننے کا انہیں بہت شوق تھا۔ نیز قرآن کی آیتیں سننا بھی انہیں بہت مرغوب تھا۔ ہاں تو مسلمان ان سے بہت بچتے تھے۔ قرآن پڑھنا ہوتا تو چھپ کر پڑھتے۔ اور کچھ یاد کرنا ہوتا تو ہلکی آواز سے کرتے۔ پھر ایک روز کسی نے کہا:

"قرآن بہت ہلکی آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ قریش نے تو کبھی اسے سنا نہیں وہ کیا جانیں اس کے جمال وجلال کا عالم؟! ہے کوئی جو اس کی ہمت کرے؟ ہے کوئی جو انہیں جا کر قرآن سنائے؟"

عبداللہ بن مسعودؓ حضور کے ایک مخلص ساتھی تھے اور بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ وہ بولے:

"میں جاتا ہوں۔"

لوگوں نے کہا:

"عبداللہ! ہمیں تمہارے بارے میں خطرہ ہے۔ کوئی ایسا آدمی ہو، جس کا وہاں قبیلہ بھی ہو اور مشرک تشدد کریں تو اس کو وہ بچا سکے۔"

عبداللہ بولے:

"جانے دو اللہ مجھے بچانے گا۔"

چنانچہ وہ اٹھے۔ اور ٹھیک دوپہر میں خانہ کعبہ آئے۔ قریش بھی اس وقت وہیں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ مقام ابراہیم کے پاس وہ پہنچے تو باآواز بلند کہا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o" (الرحمٰن)

پھر وہ سورۂ رحمٰن پڑھتے گئے۔ اب لوگ ابن مسعودؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر ایک دوسرے سے پوچھنے لگا:

"ابن ام معبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کیا کہہ رہا ہے؟"

کسی نے کہا:

"یہ تو شاید محمدؐ کا کلام ہے۔"

اب کیا تھا۔ سارے مشرک ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور بے تحاشا منہ پر طمانچے برسانے لگے۔

مگر ابن مسعودؓ نے ذرا بھی پروا نہ کی۔ مار پڑتی رہی۔ اور وہ بلند آواز سے قرآن پڑھتے رہے پھر جی بھر کے جب سنا لیا۔ تو لوٹ کر ساتھیوں میں آئے۔ چہرہ اس وقت بالکل لہولہان تھا۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا:

"ابن مسعودؓ! ہم کو اسی کا تو ڈر تھا۔"

وہ بولے:

"خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نہیں نظر آئے۔ کہو تو کل پھر اسی طرح سنا آؤں۔"

ساتھیوں نے کہا:

"رہنے دو۔ اتنا کافی ہے۔ جس چیز سے انہیں چوٹ تھی، ان کے کانوں میں وہ پڑ چکی۔"

قرآن ...ہاں، یہی قرآن، جس سے قریش کو اتنی چڑ تھی، اسے سننے کے لیے بھی وہ بے قرار رہتے۔ اور ساتھیوں سے چھپ چھپ کے اسے سنا کرتے۔ ہر ایک کو شوق تھا کہ ذرا محمدؐ کا کلام سنیں۔ اور دیکھیں وہ کیسا کلام ہے۔ جس کے سامنے شاعروں کی شاعری پھیکی پڑ گئی، کاہنوں کا کلام ماند پڑ گیا اور جو جادوگروں سے بھی نمبر لے گیا۔

چنانچہ جب رات کی تاریکی پھیل جاتی۔ اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔ تو قریش کے بڑے بڑے سردار حجرۂ مبارک کا رُخ کرتے۔ اور وہاں قریب ہی کہیں دبک کر بیٹھ جاتے۔ خاموشی اور سکون کا وقت ہوتا۔ اس سکون میں آپؐ نماز میں مصروف ہو جاتے۔ بہت ہی میٹھی آواز سے قرآن پڑھتے اور خوبصورتی کے ساتھ اسے بار بار دہراتے۔ یہ لوگ خاموشی سے بیٹھے سنا کرتے۔ پھر جب طلوع ہونے کو ہوتی، تو دبے پاؤں گھر لوٹ آتے اس طرح رات کے پردہ ہی میں یہ سب ہو جاتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔ حتیٰ کہ خود آپؐ بھی بے خبر رہتے۔

ایک دن کی بات ہے، ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ ہر طرف اندھیرا اور سناٹا تھا ہی۔ یہ تینوں حجرۂ مبارک کے پاس آئے۔ اور قریب ہی چھپ چھپ کے بیٹھ گئے۔ تینوں اپنے اپنے گھروں سے چلے۔ مگر چونکہ رات اندھیری تھی۔ کوئی کسی کو دیکھ نہ سکا۔ پھر وہاں پہنچے، تو آپؐ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انتہائی رسیلی اور پیاری آواز سے جو کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔ چنانچہ ہر ایک قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا اور سمجھتا رہا، میں یہاں تنہا ہوں پھر صبح ہونے

کو ہوئی تو سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ پڑے۔ خدا کا کرنا ایسا کہ راستے میں ایک جگہ آ کر تینوں مل گئے اور ایک دوسرے کا ارادہ تاڑ گئے۔ اب تینوں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوئے۔ اور ہمیشہ کے لیے کان پکڑ لیے۔ ہر ایک نے کہا:

"اگر کسی نے دیکھ لیا تو پھر بڑا غضب ہو جائے گا۔ ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا، اور محمدؐ کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔"

مگر دوسری رات آئی تو ابوجہل پھر حجرۂ مبارک کے پاس جا کر دبک گیا اور قرآن سننے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔ کچھ دیر بعد ابوسفیان بھی آ پہنچا اور وہ بھی قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا۔ اس کا بھی خیال تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد اخنس بھی آ پہنچا اور وہ بھی کہیں قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کا بھی خیال تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

پھر صبح ہونے کو ہوئی، تو تینوں لوٹ پڑے۔ اتفاق سے آج بھی سب کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ چنانچہ وہ سب پھر شرمندہ ہوئے اور آئندہ کے لیے توبہ کی۔

تیسری رات آئی تو پھر ابوجہل نے حجرۂ مبارک کا رخ کیا۔ اس نے سوچا کہ دونوں دو بار آئے۔ اور ہر بار جھڑے گئے۔ بھلا اب پھر یہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں!

اس طرح ہر ایک نے یہی سوچا، اور پھر جا پہنچے اور راستے میں آج بھی مڈبھیڑ ہو گئی چنانچہ تینوں نے پھر انتہائی شرمندگی کا اظہار کیا اور پھر ان میں نیا عہد و پیمان ہوا۔ ہر ایک نے پھر قسمیں کھائیں کہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔

اس کے بعد صبح ہوئی تو اخنس ابوسفیان کے پاس گیا۔ بولا:

"ابو حنظلہ! محمدؐ کا کلام تم نے سنا۔ اب بولو، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

ابوسفیان نے کہا:

"قسم ہے ابو ثعلبہ! کچھ تو ایسی چیزیں سنیں جن کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔ لیکن کچھ ایسی باتیں بھی ہیں، جن کا مدعا ہی نہیں کھلتا۔ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ان سے کیا مراد ہے؟"

اخنس بولا:

"خدا کی قسم! اپنا بھی یہی حال ہے۔"

پھر وہ ابوجہل کے پاس آیا۔ اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ ابوجہل نے کہا

"پوچھو سنا تم نے؟ ہم اور عبد مناف ہمیشہ نیک نامی میں برابر رہے۔ کوئی بھی ایسا کام نہیں جو انہوں نے کیا، اور ہم نے چھوڑ دیں۔ ہر موقع پر ہم ان کے دوش بدوش رہے۔ اور ہر میدان میں ان کے حریف رہے۔ یوں سمجھ لو، ہم دونوں مقابلے کے دو گھوڑے تھے۔ اب آج وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی ہے اور اس کے پاس وحی آتی ہے۔ بتاؤ، اب اس چیز میں ہم ان کو کہاں پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم تو قیامت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی بات بھی نہیں مانیں گے!"

اللہ اللہ! یہ کینہ اور حسد!

وہ جانتے تھے کہ محمدؐ حق پر ہیں۔ اور آپؐ کی باتیں بالکل سچ ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ آپؐ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ آسمانی بادشاہ کی طرف سے آپؐ پر وحی آتی ہے۔ لیکن دشمنی میں وہ اندھے ہو گئے تھے اور حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ ادھر شیطان بھی ان کی خوب پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔

وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ محمدؐ کو ملا ہے، ہم کو بھی مل جائے اور جو کچھ محمدؐ پر آتا ہے، ہم پر بھی آنے لگے تا کہ شرف نبوت میں ہم آل مطلب سے پیچھے نہ رہیں۔

ولید بن مغیرہ تو کھلم کھلا کہتا

"کیا میرے ہوتے محمدؐ پر وحی آسکتی ہے؟ حالانکہ میں تو قریش کا سردار ہوں۔ سب کی نظروں میں قابل احترام ہوں۔ کیا ابو مسعود ثقیف کا سردار بھی چھوڑ دیا جائے گا؟"

کتنی عجیب بات ہے ...! یہ لوگ نبوت کو آپ ہی تقسیم کرنا چاہتے تھے، حالانکہ روزی تک تو اللہ نے خود تقسیم کی ہے!

قریش میں ایک بہت بڑا شیطان تھا نضر بن حارث۔ اس نے قسم کھائی کہ ہمیشہ آپؐ کے مقابلے میں ڈٹا رہے گا۔ لوگوں کو آپؐ کے خلاف اکساتا رہے گا۔ اور ذرا بھی رواداری کو راہ نہ دے گا۔ یمن کا ایک مشہور شہر ہے حیرہ۔ نضر وہاں بھی جا چکا تھا اور وہاں اس نے شاہان فارس کے قصے بھی پڑھے تھے۔ اور علماء اور حکماء کی صحبتیں بھی اٹھائی تھیں۔ چنانچہ یہ سایہ کی طرح آپؐ کے پیچھے لگا رہتا اور جہاں کہیں دیکھتا کہ آپؐ لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں یا کفر کے برے انجام سے ڈرا رہے ہیں۔ یا عبرت کے لیے پچھلی قوموں کے واقعات سنا رہے ہیں اور کس طرح ان کے

دلوں کو نرم کرنا چاہتے ہیں۔ تو جھٹ یہ بھی وہیں پہنچ جاتا۔ پھر جب آپؐ وہاں سے چلے جاتے تو لوگوں سے کہتا:

"بھائیو! میں تو اس سے اچھی باتیں کر سکتا ہوں۔ لو سنو، میں سناتا ہوں۔"

پھر وہ انہیں ایران کے واقعات سناتا۔ وہاں کے بادشاہوں کے قصے سناتا۔ وہاں کے مذاہب و ادیان کے تذکرے کرتا۔ اور نہ جانے کیسی کیسی دلچسپ اور خیالی داستانیں سناتا۔ پھر کہتا:

"محمدؐ مجھ سے زیادہ خوش کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا میری ہی طرح وہ بھی پچھلوں کی داستانیں نہیں سناتا؟"

اس طرح سارے لوگ الجھن میں پڑ جاتے۔ کون حق پر ہے؟ اور کون باطل پر؟ کون ہمارا خیر خواہ ہے؟ اور کون بدخواہ؟ یہ فیصلہ کرنا ان کے لیے دشوار ہو جاتا۔

نضر کی سرکشی پورے عروج پر تھی۔ اسی زمانہ میں ساتھیوں نے اس سے کہا:

"ابو معیط کے بیٹے عقبہ کو اپنے ساتھ لے لو۔ اور مدینے جا کر یہودی عالموں سے ملو۔ اور ان سے محمدؐ کی ساری باتیں بیان کرو۔ نیز پوچھو کہ اس سلسلہ میں ان کا کیا خیال ہے کیونکہ وہ لوگ اہل کتاب ہیں۔ نبیوں کا علم ان کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں۔"

چنانچہ نضر اور عقبہ یہودی عالموں کے پاس گئے اور ان سے اپنے آنے کی غرض بتائی ساری باتیں سن کر یہودیوں نے کہا:

"پچھلے زمانہ میں کچھ جوان تھے۔ ان کی داستان بڑی عجیب و غریب ہے۔ ذرا محمدؐ سے پوچھو، دیکھو ان کے متعلق کچھ بتاتے ہیں۔ ایک آدمی اور گزرا ہے۔ اس نے زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ محمدؐ سے پوچھو کہ اس کے متعلق بھی جانتے ہیں؟ نیز یہ بھی پوچھو کہ یہ قرآن وہ لاتے کہاں سے ہیں؟ اگر یہ تینوں باتیں وہ بتا دیں، تو سمجھ لو کہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ ورنہ جھوٹے ہیں۔ اور [illegible] کی میں آ جے کرو۔"

اس کے بعد وہ دونوں لوٹ کر مکہ آئے۔ قریش کو انتظار تو تھا ہی۔ دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا کہو، بھائیو! کیا رہا؟

اب یہودیوں سے جو بات چیت ہوئی تھی۔ سب ان دونوں نے دہرا دی۔

پھر یہ لوگ محمدؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہی سوالات کیے آپؐ نے کچھ مہلت چاہی اور

وحی کا انتظار کرنے لگے۔

مگر تھوڑا یا وقفہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ساری باتیں بتا دیں۔ جوانوں کا قصہ بھی بتایا جو سورۂ کہف میں تفصیل سے موجود ہے۔ سیاح کے متعلق بھی بتایا کہ وہ ذوالقرنین تھے اور ان کا یہ واقعہ ہے۔ ان کا ذکر بھی سورۂ کہف میں موجود ہے۔ پھر تیسرے سوال کے بارے میں فرمایا:

"انہیں بتا دو کہ یہ وحی میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگ انسانی کلام اور آسمانی کلام میں تمیز ہی نہیں کر پاتے اور شبہ کرتے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے اور کوئی انسان اسے گھڑا کرتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ تم علم سے محروم اور بصیرت سے کوسوں دور ہو۔"

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل: ۸۵)

"اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔"

اس وقت پیارے نبی ﷺ دوڑتے ہوئے مشرکوں کے پاس آئے اور ان کو سوالات کے جواب بتائے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کو نبی مان لیں۔ لیکن یہاں تو دل ہی سیاہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ ذرا بھی نرم نہ پڑے۔ نرم پڑنا تو درکنار اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ چنانچہ نضر بولا:

"بھائیو! رکو۔ محمد ﷺ جیسی باتیں ابھی میں تمہیں سناتا ہوں۔"

ایک دوسرے نے کہا:

"اس قرآن کو سنو ہی نہیں۔ یہ تو بالکل پاگلوں کی بکواس ہے۔ اور جتنا ہو سکے اس کا مذاق اڑاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح محمد ﷺ قابو میں آ جائے۔"

ابوجہل بولا:

"کیا محمد ﷺ کی باتوں سے تم ڈرتے ہو؟ ہو سکتا ہے کہ آگ میں جلانے کے لیے اور اللہ کے انیس سپاہی ہیں۔ وہ کل بھاگنے نہیں دیں گے۔ تو کیا یہ بھی کوئی ڈرنے کی بات ہے۔ کیا ہم میں کے سو بھی ایک کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔"

اف خدا کی پناہ! یہ جہالت! اور یہ سرکشی! حالانکہ قرآن کا یہ بیان تھا کہ ایک ہی فرشتہ ساری

دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا.

(المدثر ۳۱)

"اور ہم نے اس آگ پر رہنے والوں کو فرشتے ہی بنایا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کو بس آزمائش بنا دیا ہے، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا۔"

☆☆☆

مُحمَّد عرَبی ﷺ

کالی گھٹائیں

اللہ کے لیے گھر بار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسنے کا نام ہجرت ہے۔ جب عرب کی زمین مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگئی اور وہاں رہنا ان کے لیے بالکل ہی دوبھر ہوگیا تو پیارے نبیؐ نے مخلص ساتھیوں سے فرمایا:

"خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اپنے لیے اب کوئی اور جگہ تلاش کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ظالموں سے نجات مل جائے اور تم آرام سے زندگی بسر کرسکو۔"

ساتھیوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! آپ ہی بتائیں ہم کہاں جائیں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ بڑا انصاف پسند ہے۔ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ لوگ وہاں بہت سکھ چین سے رہتے ہیں!"

حبشہ افریقہ کا ایک مشہور ملک ہے جو عرب سے بہت قریب ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک سمندر حائل ہے۔ جس کا نام بحر احمر ہے۔ وہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں اور وہ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

رجب کا مہینہ اور نبوت کا پانچواں سال تھا۔ اشارہ پاتے ہی بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کا رخ کیا، اور دو، دو، چار، چار کر کے سب نے عرب کو خیر باد کہا۔ پھر حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اپنے یہاں بڑی عزت سے بسایا اور ہر طرح کا آرام پہنچایا۔

قریش کو خبر ہوئی تو وہ بہت جزبز ہوئے، جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

ایسا کیوں تھا؟ مسلمانوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ بے چاروں نے اپنا گھر ہی تو چھوڑا تھا۔ پھر ان کے چلے جانے سے قریش کو سکون بھی تو مل گیا تھا!

بات یہ تھی کہ قریش ان سے ڈرتے تھے۔ وہ سوچتے تھے۔ کہ کہیں باہر سے ان کو مدد مل گئی تو کیا بنے گا؟ تب تو ہم ان کے سامنے بے بس ہو جائیں گے، اور ان کے لیے میدان بالکل

صاف ہو جائے گا۔ پھر تو ان کی آواز ہر طرف سے گونج اٹھے گی اور جدھر دیکھو اسلام ہی کا بول بالا ہوگا، اور ..... اور بتوں کے لیے قیامت آجائے گی۔

چنانچہ فوراً انھوں نے شاہ حبش کے پاس دو سفیر بھیجے۔ ایک ابو ربیعہ کا بیٹا عبداللہ تھا، اور دوسرا عاص کا بیٹا عمرو۔ یہ لوگ گئے تاکہ بادشاہ کے کان بھریں، اور مسلمانوں کو پکڑ کر پھر اپنے یہاں لے آئیں۔ بادشاہ کو لبھانے کے لیے وہ قیمتی تحفے بھی ساتھ لے گئے۔

حبش پہنچتے ہی وہ پہلے پادریوں سے ملے، کیونکہ اسکیم یہ تھی کہ پہلے انہی کو ہموار کیا جائے۔ چنانچہ اس غرض سے ان کو بھی کچھ تحفے دیے۔

پھر اس کے بعد دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بڑی نیاز مندی سے تحفے پیش کیے، پھر بولے:

"بادشاہ سلامت! ہمارے یہاں سے کچھ مجرم بھاگے ہیں اور انھوں نے حضور کے یہاں پناہ لی ہے۔ جہاں پناہ! انھوں نے قومی دین سے بغاوت کی ہے اور حضور کا دین بھی نہیں اپنایا ہے۔ ایک نیا ہی دین لے کر وہ اٹھے ہیں، اس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ حضور۔ گھر گھرانے والے بھی ان سے عاجز آچکے ہیں۔ چنانچہ ان کو پھیرنے ہی کے لیے انھوں نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ ان کی رگ رگ سے واقف ہیں اور ان کے عزائم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

پادریوں نے بھی فوراً تائید کی اور زوردار انداز میں بولے:

"جہاں پناہ! یہ بالکل سچ کہتے ہیں۔ واقعی کچھ مجرم یہاں گھس آئے ہیں۔ انھیں ضرور ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

لیکن نجاشی نے انکار کیا، اس نے کہا:

"جن لوگوں نے ہمارے یہاں پناہ لی ہے اور ہمارے پاس رہنا پسند کیا ہے۔ میں ان کی باتیں بھی سنوں گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، حاضر کیے جائیں۔"

جبکہ یہی چیز تھی، جس سے قریشی سفیر سب سے زیادہ گھبرا رہے تھے چنانچہ مسلمان حاضر ہوئے تو بادشاہ نے پوچھا:

"سنا ہے کہ تم لوگوں نے قومی دین چھوڑ دیا، اور میرا دین بھی نہیں اپنایا اور جو دوسرے دین ہیں، ان سب سے بھی بیزار ہو۔ سنا ہے کہ تم لوگ کوئی نیا دین لے کر اٹھے ہو آخر وہ کون سا دین

ہے؟ کیا قصہ ہے؟"

ابوطالب کے بیٹے حضرت جعفرؓ بھی موجود تھے، وہ سب کی طرف سے بولے:

"اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتا۔ اتنے میں اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا۔ اس رسولؐ کے خاندان کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کی سچائی اور پاکبازی سے بھی خوب واقف ہیں۔ اس رسولؐ نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی، اور اس نے کہا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ بے جان مورتیوں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ ایماندار بنیں۔ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کو آرام پہنچائیں۔ ظلم سے باز آئیں۔ بدکاری چھوڑ دیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ شریف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں اور خیرات دیں۔ چنانچہ ہم نے اس کو سچ جانا اور اس پر ایمان لے آئے۔ نیز اللہ کی طرف سے اس نے جو کچھ بتایا اسے جان و دل سے تسلیم کرلیا۔ بس یہی جرم ہے، جس پر قوم ناراض ہوگئی، اور ہم کو بے دردی سے ستانے لگی، تاکہ ہم اس دین سے توبہ کرلیں، اور پھر غلط راہوں میں بھٹکتے پھریں۔ جب ہم بالکل ہی تنگ آگئے۔ اور وہاں سانس لینا دوبھر ہوگیا تو مجبوراً ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی کہ شاید یہاں چین نصیب ہوجائے اور ظلم و ستم کا سایہ سر سے ٹل جائے۔"

نجاشی بولا:

"اس پر جو کلام اترا ہے، اسے میں بھی سننا چاہتا ہوں، کیا تمہارے پاس کچھ موجود ہے۔"

حضرت جعفرؓ تو موقع کی تلاش میں تھے ہی، انہوں نے انتہائی سوز کے ساتھ سورۂ مریم کی چند آیتیں سنادیں۔ نجاشی پر ان آیتوں کا بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے بے تحاشا آنسو ابل پڑے، وہ اتنا رویا کہ ڈاڑھی بھیگ گئی۔ جتنے پادری وہاں موجود تھے ان سب کا بھی دل پگھل کر رہ گیا، اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ روتے روتے ان سب کی بھی ڈاڑھیاں اور صحیفے تر ہوگئے۔ پھر نجاشی بولا:

"خدا کی قسم! یہ اور عیسٰیؑ کا کلام دونوں ایک ہی چشمہ کی شاخیں ہیں۔ اور ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔"

پھر اس نے قریش کے سفیروں سے کہا:

"واپس ہوجاؤ۔ بخدا اب یہ تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔"

اس طرح اس کو مسلمانوں سے خاص ہمدردی ہو گئی اور ان کو ظالم دشمنوں کے حوالہ کرنا اس نے گوارا نہ کیا۔ قیمتی تحفوں کو اس نے نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیا، اور سفیروں کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہ ہوا چنانچہ وہ دونوں اپنا سامنہ لیے واپس آ گئے، اور مسلمان حبشہ میں آرام واطمینان سے رہتے رہے۔

☆☆☆

۞

"اب تو مسلمان حبشہ میں امن سے ہیں۔ اب تو مسلمانوں کے زور پکڑنے کی راہیں کھل گئیں۔"

یہ سوچ کر مشرک سردار تڑپ اٹھے۔

چنانچہ ایک دن وہ اکٹھے ہوئے اور آپس میں ایک کانفرنس کی۔ مغیرہ کا بیٹا ولید صدر بنا۔ جو بہت ہی بوڑھا تھا، اور پوری قوم میں ہر دلعزیز تھا۔ پھر کانفرنس میں محمدؐ کی بات چھڑ گئی۔ ولید نے کہا:

"حج کے دن قریب آ گئے ہیں، اس لیے باہر سے اب وفد آئیں گے اور محمدؐ کا تو چرچا ہے ہی۔ اس لیے اس کے بارے میں بھی وہ تحقیق کریں گے۔ لہٰذا آپس میں ایک بات طے کر لو اور سب مل کر وہی کہو۔ دیکھو، ایک دوسرے کی الٹی مت کہنا، ورنہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور پھر سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

قریش نے کہا:

"عبد شمس کے باپ! پھر ہمیں کوئی ایک بات بتا دیجیے کہ ہم سب وہیں کہیں۔"

ولید بولا:

"نہیں، پہلے تم بتاؤ۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

قریش نے کہا:

"ہم کہیں گے محمدؐ کاہن ہے۔"

ولید بولا:

"نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں۔ ہم نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں۔ کاہنوں کے گیت اور ان کے کلام دوسرے ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔"

قریش نے کہا:

"تو ہم کہیں گے، وہ مجنوں ہے۔"

ولید بولا:

"نہیں، وہ مجنوں بھی نہیں۔ ہم نے جنون کو خوب دیکھا بھالا ہے۔ اس کے اندر ایک بھی جنون کی علامت نہیں اور مجنونوں کی سی کوئی بھی کیفیت نہیں۔"

قریش نے کہا:

"تو ہم کہیں گے، وہ شاعر ہے۔"

ولید بولا:

"وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم نے خوب خوب زمین شعر کی خاک چھانی ہے اور ہم ساری بحروں سے اچھی طرح واقف ہیں، اس کا کلام شعر نہیں ہو سکتا۔"

قریش نے کہا:

"تو ہم کہیں گے، وہ جادوگر ہے۔"

ولید بولا:

"وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے بہتیرے جادوگر دیکھے ہیں اور جادو کے بیسیوں کرتب بھی دیکھے ہیں۔ یہ جادوگروں کا ٹونا منتر نہیں معلوم ہوتا۔"

قریش نے کہا:

"(بہت حیرانی کے ساتھ) پھر ہم کیا کہیں گے عبدشمس کے باپ؟"

ولید بولا:

"خدا کی قسم اس کے کلام میں بلا کی مٹھاس ہے۔ وہ گویا ایک ایسا درخت ہے، جس کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہیں اور شاخیں تجانی چھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہیں، لہٰذا ان میں سے کوئی بات بھی کہی تو سارا پول کھل جائے گا، اور جو سنے گا، سمجھ جائے گا کہ یہ پروپیگنڈا ہے۔ سب سے ٹھیک بات یہ ہے کہ وہ ایک جادوگر ہے جو جادو اثر کلام لے کر آیا ہے۔ اور اس سے وہ باپ بیٹے، بھائی بہن، بیوی شوہر، اور خاندان، خاندان میں پھوٹ ڈال رہا ہے۔"

یہ رائے سن کر جی لوگ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جلسہ برخاست ہو گیا، اور اب طے ہو گیا کہ حاجیوں کے قافلے آئیں گے تو سب لوگ یہی پروپیگنڈہ کریں گے۔

لیجئے حج کا زمانہ آ گیا اور حاجیوں کے قافلے بھی آ گئے اور اب وہ ہر وقت تاک میں لگے رہتے، اور جہاں موقع پاتے، ان کے کان بھرتے۔ اس وقت جس کو دیکھو، بس زبان پر یہی الفاظ

تھے:

"محمدؐ تو ایک جادوگر ہے جو جادو اثر کلام لے کر آیا ہے۔"

پھر قافلے لوٹ کر اپنے یہاں گئے، اور سب کو آپؐ کی خبر دی۔ اس طرح پورے عرب میں آپؐ کا چرچا ہو گیا۔ اور بہتوں کو حقیقت حال جاننے کا بھی شوق ہوا، اور وہ اسی دھن میں گھروں سے نکل پڑے۔

آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے۔ مشرکوں نے آپؐ کے خلاف سازش کی مگر وہ سازش خود ان کے سر پر آ پڑی۔ انھوں نے اسلام مٹانے کی کوشش کی مگر اس سے اسلام کی اور ترقی ہوئی۔

سارے عرب میں آپؐ کا شہرہ ہو گیا تو اس کے اثرات بہت دور تک پہنچے جبکہ مشرکوں کو سب سے زیادہ ڈر اسی کا تھا۔ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہمیں آبائی دین عزیز ہے، اور ہم جان لڑا کر اس کی حفاظت کریں گے لیکن اصل بات کچھ اور تھی کیونکہ دین سے زیادہ ان کو دنیا کی فکر تھی۔ عرب بالکل آزاد زندگی گزارتے آئے تھے۔ وہاں نہ کوئی اصول تھا نہ قانون۔ جو جی میں آتا تھا وہ کرتے تھے۔ ہر طرف بے حیائی اور بدکاری کا بازار گرم تھا۔ لوگ انجام سے آنکھیں بند کیے رنگ رلیوں میں مست تھے ادھر پیارے نبیؐ کی دعوت ان برائیوں کے خلاف ایک زبردست آواز تھی۔ پھر یہی نہیں، مکہ بتوں کا گڑھ تھا، اس لیے لوگ دور دور سے ان کی زیارت کو آتے تھے اور قریش ہی ان بت خانوں کے مجاور اور ان آستانوں کے پجاری تھے، اس لیے ان کو بھی نذرانے ملتے تھے۔ پھر مختلف چالوں سے یہ اچھی طرح لوٹتے بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا پھیلنا اس کاروبار کے لیے ایک خطرہ تھا۔ اس لیے اب وہ نچلے کب بیٹھ سکتے تھے۔

نہیں... اب ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ آج سے بالکل برداشت نہیں کر سکتے۔ اب ہمدردی کا کوئی سوال نہیں۔ چاہے محمدؐ ہو یا اس کے ساتھی!

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو مشرکوں کے غلام تھے۔ یہ ظالم انھیں بہت ہی بے دردی سے ستاتے اور چاہتے کہ کسی طرح یہ اسلام سے پھر جائیں۔ مسلمانوں سے یہ بے رحمیاں دیکھی نہ جاتیں۔ بے اختیار رو رو تڑپ تڑپ اٹھتے، اور جو لوگ کچھ مالدار ہوتے، ان مظلوموں کو خرید خرید کر آزاد کر دیتے۔

مشرکوں نے دیکھا کہ اس طرح تو مسلمانوں کی طاقت اور بڑھ رہی ہے لہٰذا اب انھوں

نے غلاموں کو بیچنا بھی بند کر دیا اور سوچا کہ ان کا خوب ناک میں دم کریں، خود ہی یہ ساری مستی بھول جائیں گے۔

جو مسلمان رسول خداؐ کے ساتھ تھے، اور حبش نہیں جا سکتے تھے، ان کو بھی ظالم پہلے سے زیادہ ستانے لگے۔

دائی کیا؟ خود آپؐ کو بھی وہ اور ستانے لگے، اور ظلم کی بھٹی میں بُری طرح تپانے لگے۔
حالانکہ ابوطالب کھل کر آپؐ کے ساتھ تھے اور اہل خاندان بھی آپؐ ہی کے طرفدار تھے۔

☆☆☆

رسول خداؐ نے دعا فرمائی تھی:

"خدایا! ہشام کے بیٹے ابوالحکم یا خطاب کے بیٹے عمر کو ہدایت دے اور اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔"

آپؐ کا خیال تھا کہ اس طرح اسلام کی مظلومی کافی حد تک دور ہو جائے گی۔

عمر کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ وہ عزم و حوصلہ کا پتلا تھا۔ طاقت بھی اس کی بے پناہ تھی۔ کسی سے وہ ڈرتا اور نہ کسی سے دبتا تھا۔ جو کرنے کا ارادہ کر لیتا اسے کر کے ہی دم لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کی دشمنی میں بھی آگے آگے تھا اور مسلمانوں کے لیے سنگدلی اور بے رحمی کا ایک نمونہ تھا۔ کوئی باندی اسلام لے آتی اور اس کے ہاتھ لگ جاتی تو اسے بے تحاشا پیٹتا اور مارتے مارتے جب تک تھک نہ جاتا، ہاتھ نہ روکتا پھر تھک کے چور ہو جاتا تو کہتا:

"میں نے تو تھک کر چھوڑ دیا ہے ذرا دم لے لوں، پھر تیری خبر لوں گا۔"

ایک طرف بے رحمی کا یہ عالم تھا، لیکن ساتھ ہی سینے میں درد مند دل بھی تھا۔ وہ رشتہ داروں کا بہت ہی ہمدرد اور گھر والوں پر انتہائی مہربان تھا۔ اس کو جب خبر ہوئی کہ بہت سے مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تو اس کے دل کو بہت سخت چوٹ لگی۔ اور جب اس نے یہ سنا کہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دے دی اور مکہ سے گئے ہوئے دونوں سفیر ناکام لوٹ آئے تو وہ سر پیٹ کے رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور کنپٹی کی رگیں بھی غصہ سے تھرا گئیں کہ

"محمدؐ ہی اس کی گانٹھ ہے، اسی نے قریش میں پھوٹ ڈالی ہے اسی نے خاندانوں میں یہ خلیج کھودی ہے اور اسی نے اپنوں کو باہم ٹکرایا ہے۔ ہاں تو اب اس کا سر ہی قلم کر کے دم لوں گا۔"

چنانچہ وہ تلوار لٹکا کر گھر سے نکلا اور تیزی سے چل پڑا کہ آج آپؐ کا قصہ ہی پاک کر دے اور روز روز کی فکر و بے چینی سے نجات پا جائے۔

اتفاق سے راستہ میں بنی عدی کے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی یہ نعیم بن عبداللہ تھے۔ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے لیکن کسی کو خبر نہ تھی۔ وہ ظلم و ستم کا جائزہ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

اس لیے کھل کر سامنے نہیں آ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ عمر بہت جوش میں ہے اور کمر سے تلوار بھی لٹکی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے اور پوچھا:

''خطاب کے بیٹے! کدھر چل دیئے؟''

عمر نے جواب دیا:

''اسی بددین کے پاس جو دیوتاؤں کی توہین کر رہا ہے اور اس طرح سارا نظام درہم برہم کیے دے رہا ہے۔''

نعیمؓ عمر کا غصہ جانتے ہی تھے۔ انہوں نے سوچا، کہیں سچ مچ آپؐ کی جان خطرہ میں نہ پڑ جائے، اس لیے کسی طرح عمر کا رُخ بدل جائے۔ چنانچہ فوراً ایک تدبیر ان کے ذہن میں آئی، اور وہ بولے:

''عمر! تم کس دھوکے میں ہو؟ کیا محمدؐ کو قتل کر دو گے تو بنو عبد مناف تمہیں جیتا چھوڑ دیں گے؟ اور ذرا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو!''

عمر بولا:

''کیا کہا، کیا کہا... میرے گھر میں کون؟''

نعیمؓ نے جواب دیا:

''بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں، انہوں نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے، پہلے ان سے تو نمٹ لو!''

یہ سنتے ہی عمر ہکا بکا رہ گیا، جیسے سارے بدن میں آگ لگ گئی ہو۔ بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے تھے اور اسی کے لیے جینے اور مرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر عمر بالکل ہی بے خبر تھا، کیونکہ انہوں نے اب تک اس کو چھپایا تھا۔ چنانچہ عمر فوراً بہن کی طرف پلٹا۔ دو حالت یہ تھی کہ سینہ سلگ رہا تھا اور غصہ سے رگیں پھول آئی تھیں۔

وہاں وہ پہنچا تو اندر سے کسی کے پڑھنے کی آواز آئی۔ اب وہ بے تحاشا دروازہ پیٹنے لگا۔ جس سے گھر کے سب لوگ گھبرا گئے۔ اور انہوں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا:

''عمر!''

عمر سننا تھا کہ لوگ چونک اٹھے اور خوف سے بدحواس ہو کر ادھر ادھر چھپنے لگے۔

عمر کی بہن کا نام فاطمہؓ تھا، اور بہنوئی کا نام سعیدؓ۔ یہ دونوں خبابؓ سے قرآن پڑھتے تھے۔ خبابؓ کو خود پیارے نبیؐ نے متعین کیا تھا۔ چنانچہ جو آیتیں نازل ہوتیں یہ پڑھ کر سنا دیا کرتے، اور وہ دونوں یاد کر لیتے اس وقت خبابؓ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ عمر کی آواز سنتے ہی وہ اندر چھپ گئے، سورہ جس صحیفہ سے وہ پڑھ رہے تھے اسے فاطمہؓ نے اپنے پیچھے چھپا لیا۔ پھر شوہر ہمت کر کے آگے بڑھے اور جا کر دروازہ کھولا۔

دروازہ کھلتے ہی عمر ایک غضب ناک شیر کی طرح اندر آیا، اور عقابی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، کہ ابھی جو آواز کانوں میں پڑی، وہ کہاں سے آئی۔ لیکن بہن اور بہنوئی کے سوا سامنے کوئی نہ تھا، اس لیے کڑک کر اس نے پوچھا:

''ابھی آواز کہاں سے آ رہی تھی؟''

خوف سے تو برا حال تھا ہی۔ اس لیے سچ سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جھٹ وہ بولے:

''یہاں تو کچھ بھی نہیں!''

عمر نے کہا:

''چھپاؤ نہیں کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے اسلام سے میں بے خبر ہوں؟''

یہ کہہ کر وہ بہنوئی کی طرف بڑھا اور بے تحاشا انہیں پیٹنے لگا۔ فاطمہؓ سے یہ دیکھا نہ گیا اور بڑھ کر شوہر کو بچانے لگیں۔ اب عمر نے بہن کو مارنا شروع کیا، اور اتنا مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا مگر آگ کو جتنا ہی چھیڑو، وہ اتنا ہی اوپر اٹھتی ہے۔ عمر کی مار سے بھی جوش و عقیدت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ چنانچہ فاطمہؓ اور ان کے شوہر چیخ اٹھے:

''ہاں، ہم اسلام لے آئے ہیں، جو جی چاہے، کر لو!''

یہ آواز ..... بے انتہا عزم و سوز میں ڈوبی ہوئی آواز ...... دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز براہ راست عمر کے دل سے ٹکرائی اور اب عمر آگ سے پانی تھے۔ اور پتھر سے موم تھے چنانچہ بے رحم ہاتھ چلتے چلتے رک گئے۔ بہن کے سر سے خون کے فوارے بھی جاری تھے۔ عمر کا دل یہ درد ناک منظر دیکھ کر پسیج گیا اور سر فوراً شرم سے جھک گیا پھر یکایک نظر اس صحیفہ پر پڑی جس سے خبابؓ پڑھ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے بہن سے کہا:

''یہی تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ ذرا دینا میں بھی اسے دیکھوں۔''

بہن بولیں

"مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر نہیں ملے گا۔"

مگر عمر نے اطمینان دلایا اور قسم کھا کر کہا کہ میں اسے ضرور واپس کر دوں گا۔ چنانچہ فاطمہؓ نے وہ صحیفہ دیا اور دل میں یہ تمنا چٹکیاں لے رہی تھی کہ کاش یہ اسلام لے آئے۔

عمر نے صحیفہ کھولا، اور صحیفہ کو غور سے دیکھا۔ پڑھتے ہی دل کانپ اٹھا اور خوف و دہشت سے لرز اٹھے۔ پھر بے اختیار زبان سے نکلا:

"کتنا اچھا اور پاکیزہ کلام ہے یہ!"

خبابؓ قریب ہی چھپے تھے، اور سارا ماجرا دیکھ رہے تھے، وہ فوراً باہر آ گئے، اور بولے، عمر! رسول خدا نے دعا فرمائی تھی کہ

"خدایا! ہشام کے بیٹے ابوالحکم یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کی مدد فرما۔"

عمر خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ دعا سن لی۔ عمر! اب اللہ سے ڈر جاؤ۔ اب اس کے در کو نہ چھوڑو!

عمر بولے:

"اچھا خبابؓ! بتاؤ محمدؐ کہاں ہیں؟ جاتا ہوں۔ اب مسلمان ہو جاؤں گا۔"

یہ سننا تھا کہ خبابؓ کا دل خوشی سے کھل اٹھا اور بولے:

"آپؐ کوہ صفا کے پاس ارقمؓ کے گھر میں ہیں۔"

اللہ اللہ...!! فاطمہؓ کی زندگی کا یہ کتنا پرمسرت لمحہ تھا، اور سعیدؓ کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ آج فاطمہؓ کا بھائی اور سعید کا سالا اسلام کی گود میں تھا۔

عمر آئے تو مشرک تھے اور خون محمدؐ کے پیاسے تھے اور جا رہے تھے تو خدا کے... تنہا خدا کے غلام، اور محمدؐ کے سچے جاں نثار تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے جا رہے تھے، کہ آپؐ کو جا لیں اور مبارک قدموں میں اپنا سر ڈال دیں!

عمر ارقمؓ کے گھر پہنچے تو کواڑ بند تھے۔ کنڈی کھٹکھٹائی تو بلالؓ کی آواز آئی

"کون ہے؟"

جواب ملا:

"خطاب کا بیٹا!"

اس وقت رسولِ خدا کچھ ساتھیوں میں تشریف فرما تھے۔ حمزہؓ، ابوبکرؓ، بلالؓ اور علیؓ بھی وہیں موجود تھے۔ بلالؓ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا:

"اللہ کے رسول! دروازے پر خطاب کا بیٹا عمر ہے۔ اگر دروازہ کھول دیا تو ڈر ہے کہ کہیں پریشان نہ کرے۔"

آپ نے فرمایا:

"آنے دو، اگر نیت ٹھیک ہے تو کیا کہنا!"

حمزہؓ نے کہا:

"اور اگر نیت بری ہوئی تو اس کو ختم کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

چنانچہ بلالؓ دروازہ کھولنے گئے اور حمزہؓ بھی ساتھ ہو لیے کہ عمر نے اگر حملہ کیا تو بلالؓ کی مدد کریں گے۔

دروازہ کھل گیا تو عمر اندر آ گئے۔ اور اسی لمحے حمزہؓ اور بلالؓ جھپٹے اور بازوؤں میں جکڑ لیا۔

پھر عمر پر نظر پڑی تو رسولِ خدا نے دعا فرمائی:

"خدایا! عمر کے دل میں جو کھوٹ ہو اسے دور کر دے اور اس کا سینہ نورِ ایمان سے چمکا دے۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"حمزہؓ! عمر کا ہاتھ چھوڑ دو۔ بلالؓ! تم بھی چھوڑ دو!"

چنانچہ حمزہؓ اور بلالؓ الگ ہو گئے۔ پھر عمرؓ آگے بڑھے اور حضورِ اقدس کی بارگاہ میں کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

"عمرؓ! کیا جب تک کوئی دردناک عذاب نہ آ لے اپنی روش نہیں چھوڑو گے؟ کہو کیا ارادہ ہے؟"

عرض کیا

"ایمان لانے آیا ہوں۔"

یہ کہنا تھا کہ مسلمانوں نے اتنے زور کا نعرہ لگایا کہ گھر کی دیواریں ہل گئیں اور مکہ کی پہاڑیوں گونج اٹھیں۔

اللہ اکبر... اللہ اکبر... اللہ اکبر

تھوڑی دیر کے لیے عجیب سماں بندھ گیا اور پوری فضا پر ایک دہشت اور جلال چھا گیا۔
یہ ایک فقرہ تھا، جو بے اختیار زبانوں سے نکل پڑا۔ یہ بتا رہا تھا کہ ان کو کتنی زیادہ خوشی ہے، اور روح کو کتنا سکون اور دل کو کتنا سرور ہے، کیونکہ آج عمرؓ مسلمان تھے۔ آج عمرؓ ان کے ساتھ تھے۔ عمرؓ مسلمان ہوئے تو آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ان کے سینہ پر دست مبارک پھیرا، اور دعا کی:

''خدایا! عمرؓ کو ہدایت دے۔ خدایا! عمرؓ کو ثابت قدم رکھ۔''

عمرؓ بھی اب مسلمانوں میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسولؐ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ چاہے مریں، چاہے جئیں؟''

آپؐ نے فرمایا:

''یوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم حق پر ہو۔ مرنے اور جینے سے کیا ہوتا ہے۔''

انہوں نے کہا:

''پھر چھپنا کیسا اے اللہ کے رسولؐ؟''

آپؐ نے فرمایا:

''ہم تھوڑے ہیں اور دشمن بہت ہیں۔''

انہوں نے عرض کیا:

''خدا کی عبادت اور چھپ کر کی جائے، بخدا یہ نہ ہوگا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن مجلسوں میں اب تک میں نے کفر کے گن گائے ہیں۔ اب اسلام کے نعرے لگاؤں گا۔''

چنانچہ آپؐ نے ساتھیوں کی دو صفیں بنائیں۔ ایک کے میر حضرت عمرؓ تھے۔ اور دوسری کے حضرت حمزہؓ۔ پھر بہادر جوانوں کی دونوں صفیں کعبہ کی طرف بڑھیں اور وہاں پہنچ کر انہوں نے نماز ادا کی۔ پھر نعرہ لگایا کہ جس سے مکہ کی پہاڑیاں دہل گئیں:

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ''

آج ہوا اسلام کی تابانی کا پہلا دن تھا۔ آج پہلی بار اسلام پوری شان و شوکت سے نمودار تھا۔
اس دن قریش کو جتنا رنج و ملال ہوا، اس سے پہلے اور کبھی نہ ہوا تھا۔ اور مسلمانوں کو جتنی

خوشی تھی، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ ان سے کہیں زیادہ خوشی خود حضرت عمرؓ کو تھی کہ آج دنیا کی سب سے بڑی دولت سے وہ مالا مال تھے۔

پھر حضرت عمرؓ نے گھوم گھوم کر اسی رات اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی۔ گویا جو دلیری اور بے باکی بھی اس سے روکنے میں صرف ہورہی تھی، آج وہی دلیری و بے باکی اس کی تبلیغ میں نمایاں تھی۔ ابوجہل ان کا ماموں تھا، اس لیے اس کے یہاں بھی گئے۔ گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی تو وہ باہر آیا اور بہت ہی پیار و محبت سے بولا:

"خوش آمدید بھانجے! کہو کیسے آئے؟"

عمرؓ نے جواب دیا:

"بس یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور محمدؐ کو نبی مان لیا۔ نیز ان کی ساری باتوں کو تسلیم کر لیا۔"

یہ کہنا تھا کہ ابوجہل کے ذہن و دماغ پر جیسے بجلی گر گئی۔ اس نے زور سے دروازہ بھیڑا اور کڑک کر بولا:

"خدا تجھے غارت کرے اور تیرے دین کا بھی جنازہ اٹھے۔"

اب قریش عمرؓ پر پل پڑے اور ان کو ستانے اور تنگ کرنے لگے مگر عمرؓ نے بھی تلوار سے مقابلہ کیا۔ کافروں میں ہوتے ہوئے بھی ڈر کا نام نہ تھا۔ بار بار وہ شیر کی طرح گرجتے اور پوری بے باکی سے کہتے:

"سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کوئی بھی ہلا تو سر قلم کر دوں گا۔"

اسی وقت پیارے نبیؐ نے انھیں فاروق کا خطاب دیا کہ اللہ نے ان کے ذریعہ حق اور باطل میں فرق کیا۔

یہ نبوت کا چھٹا سال تھا اور ذی الحجہ کا مہینہ۔ حضرت حمزہؓ کو مسلمان ہوئے صرف تین ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ بھی اسلام لے آئے۔

☆☆☆

اب دن بدن مسلمانوں کا زور بڑھ رہا تھا، اور لوگ اسلام کی طرف تیزی سے کھنچ رہے تھے تو کیا قریش ہاتھ پاؤں رکھ کر بیٹھ رہے؟ نہیں، وہ برابر اس دھن میں رہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں یا جاں نثاروں کو حضورؐ سے بدگمان کر دیں۔

اسی غرض سے وہ ایک روز سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے، کیا تدبیر کی جائے کہ محمدؐ کے عقیدت مندوں کا بادل چھٹ جائے۔ پیارے جاں نثار گرد کی طرح اڑ جائیں اور وہ بے بس ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ بہت دیر ہو گئی۔ اور وہ سوچتے رہے اور غور وفکر کرتے رہے۔ پھر آخر میں رائے ہوئی کہ محمدؐ کا بائیکاٹ کیا جائے مکمل بائیکاٹ۔ یعنی آپؐ سے اور آپؐ کے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ نہ ان سے کوئی شادی بیاہ کرے، نہ خرید وفروخت کرے، نہ انہیں کھانے پینے کا کوئی سامان دے اور نہ کسی طرح کا ان سے کوئی لین دین کرے۔

اس رائے کی سب نے تائید کی۔ پھر مزید اطمینان کے لیے ایک تحریری معاہدہ بھی تیار ہوا، جس میں انہی ناپاک عزائم کا تذکرہ تھا، اور وہ معاہدہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا، کہ ہر ایک اس کا احترام کرے، نہ کوئی اس کی خلاف ورزی کرے اور نہ اس کو ہاتھ لگانے کی جرأت کرے۔

پھر قریش کے کچھ سردار آل مطلب کے پاس گئے، اور بولے:

''اب بس دو ہی شکلیں ہیں، یا تو محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم اس کو قتل کر دیں۔ اس طرح تم کو بھی آرام مل جائے گا اور ہم کو بھی چین نصیب ہو جائے گا۔ نیز ہم تم کو بہت سا خون بہا بھی دیں گے۔ اگر اس پر راضی ہو جاؤ تو کیا کہنا۔ ورنہ ہم تمہارا بائیکاٹ کر دیں گے۔ پھر نہ تم سے کبھی خرید وفروخت کریں گے اور نہ اور کوئی لین دین۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ اب کہو، کیا خیال ہے؟''

آل مطلب کبھی یہ سوچنے کو بھی تیار نہ تھے کہ آپؐ کو ان بے رحم ہاتھوں میں دے دیا جائے اور وہ اپنے دل کے ارمان پورے کریں کہ آپؐ ہی ان کی آنکھوں کا نور، اور دل کا سرور تھے، اور آپؐ ان کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ چنانچہ انہوں نے قریش کی ان دھمکیوں کا ذرا بھی

خیال نہ کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ:

"ہر بات گوارا ہے، پر محمدؐ کو چھوڑ نا گوارا نہیں۔"

مشرکوں نے بھی کہا:

"تب ٹھیک ہے۔ آج سے ہم تمہارے دشمن ہیں، اور تم ہمارے دشمن، اور اب ہم تمہارا محاصرہ کریں گے۔"

چنانچہ قریش نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور بھوکوں مارنے کی مہم شروع کر دی۔ بنی ہاشم چونکہ آلِ مطلب کے رشتہ دار تھے، اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ تھے، بس ایک ابولہب نے بے وفائی کی، یعنی اس نے خاندان کی مخالفت کی اور قریش کی طرف داری کی، کیونکہ یہ خاندان سے بیزار تھا، اور ان کو مصیبت میں دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ حتیٰ کہ یہی وہ شخص اوّل تھا جس نے آلِ مطلب کا بائیکاٹ کرنے اور ان سے کسی طرح کا لین دین نہ کرنے پر ابھارا تھا۔

محرم کا مہینہ اور نبوت کا دسواں سال تھا۔ ابوطالب پورے خاندان کے ساتھ ایک درّہ میں بند ہو گئے۔ یہی وہ درّہ ہے جو بعد میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ دن رات یہیں پڑے رہتے، نہ کسی سے کچھ تعلق اور نہ کوئی لین دین، گویا یہ ایک جیل خانہ تھا، جس میں وہ ہمیشہ رہتے اور صرف محترم مہینوں میں اس سے باہر آتے جبکہ عرب کی ساری جنگیں رک جاتیں۔ لڑائی جھگڑے بند ہو جاتے، ہر طرف کے خطرے جاتے رہتے اور ہر آدمی بالکل آزاد اور بے غم ہوتا۔

انہی مہینوں میں آنحضرتؐ بھی باہر آتے اور پھر دعوتِ دین میں لگ جاتے۔

حاجی انہی دنوں مکہ میں آتے۔ تاجر مکہ کے قریب ہی بازار لگاتے اور تجارت کے سامان لگاتے۔ آپؐ ان سب کے پاس جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے بہت ہی درد و محبت سے فرماتے:

"خدا کا دین قبول کر لو، وہ بہت خوش ہو گا، تم پر مہربان ہو گا، اور اچھا بدلہ دے گا، اور اگر کفر و شرک سے چپٹے رہے اور اس دین کو ٹھکرا دیا۔ تو وہ ناراض ہو گا اور بہت سخت عذاب دے گا۔"

جو لوگ حبشہ میں تھے، ان کو اطلاع ملی کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں، اور اس طرح اسلام کے قدم جم گئے ہیں اور اس کی مظلومی اور بے بسی ختم ہو گئی ہے۔ مسلمان اب بے جھجک قریش کو دعوت

اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور ان کو ان کی گمراہی پر متنبہ کر رہے ہیں۔ مکہ کا کونہ کونہ اب نور اسلام سے جگمگا رہا ہے، اور نہ صرف مکہ بلکہ بیرون مکہ بھی اس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ سن کر وہ خوشی سے بے تاب ہو گئے۔ اتنے بے تاب کہ انہوں نے حبشہ کو خیر باد کہہ دیا اور پھر مکہ کا رخ کیا۔

مگر قریب پہنچے، تو معلوم ہوا کہ مسلمان تو نظر بند ہیں اور قریش کا ان پر انتہائی سخت پہرہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بڑی تنگی اور بہت مصیبت میں ہیں۔ لہٰذا ایسے میں وہ مکہ کیا جاتے، مجبوراً پھر الٹے پاؤں وہ حبشہ لوٹ گئے۔

درہ میں پیارے نبی ﷺ اور مخلص ساتھی پڑے رہے۔ ایک مہینہ نہیں، دو مہینہ نہیں، سال چھ مہینے بھی نہیں، مسلسل تین سال پڑے رہے۔ بلائیں امنڈ امنڈ کر آتی رہیں اور سب سہتے رہے۔ بالآخر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو آپ ﷺ نے ان ساتھیوں کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مخلص ساتھیوں نے حبشہ کا رخ کیا، اور وہاں پہنچ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، اور اب مکہ میں صرف گنے چنے مسلمان رہ گئے۔

جو مسلمان رہ گئے، ان پر ایک عرصہ تک دشمنوں کا پہرہ رہا۔ جس کی وجہ سے ایک ایک لمحہ ان کے لیے عذاب بن گیا۔ لیکن واہ ری غیرت و حمیت! سب کچھ ایک طرف اور آل مطلب کا جوش و جذبہ ایک طرف۔ بھوک و فاقہ کی سختیاں وہ سہتے رہے مگر آپ ﷺ پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دی اور جی جان سے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ چچا ابوطالب کی شفقت و محبت بھی قابل دید تھی۔ وہ آپ ﷺ کے پیچھے بالکل دیوانے تھے۔ جیسے ایک شفیق ماں اپنے لخت جگر کے پیچھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی وہ آپ ﷺ سے غافل نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ سوتے بھی تو ساتھ سلاتے۔ اور اگر کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے چھوڑنا ہی پڑتا تو اپنی جگہ کسی بیٹے کو کر دیتے کہ رات میں جاگ کر وہ آپ ﷺ کی حفاظت کرے۔

کتنا کٹھن مرحلہ تھا یہ! سارا ماحول دشمن، دوست عزیز سب سے ان بن۔ پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں[1]۔ لوگوں سے کوئی لین دین نہیں گویا ہر وقت موت منہ کھولے کھڑی ہو۔ مگر ایسے میں اللہ نے مدد کی، اور کچھ دلوں کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر انہیں ترس

---

[1] یہ زمانہ اتنا سخت تھا کہ خدا کی پناہ ... پتے کھا کر انہوں نے دن گزارے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی ہیں۔ وہ بھی اس وقت مسلمان تھے۔ وہ بھی آزمائش سے دوچار تھے۔ ان کا بیان ہے۔ ایک بار رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر آگ میں بھونا، اور پانی میں ملا کر کھایا!

آنے لگا۔ اور اب وہ چھپ چھپ کر ان کے پاس آتے اور کچھ کھانے پینے کا سامان دے جاتے۔ انہی لوگوں میں ایک حزام کے بیٹے حکیم تھے۔ خدیجہؓ ان کی پھوپھی تھیں۔ یہ اپنی پھوپھی کو روٹی، سالن دے جاتے۔ حضرت خدیجہؓ خود کھاتیں، اوروں کی بھی کھلاتیں۔ اسی طرح عمرؓ کے بیٹے ہشام بھی ان مسلمانوں کے بڑے ہمدرد تھے۔ وہ اونٹ پہ بہت سا کھانا کپڑا لاد لیتے۔ پھر رات ہو جاتی، تو ان مظلوموں کے پاس آتے۔ اونٹ کو گھاٹی میں باہر ہی بٹھا دیتے۔ اور سارا سامان اندر پہنچا دیتے۔ ہشام برابر ایسا ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں میں قریش کو بھی پتہ چل گیا۔ اور اب وہ ان کو بھی ستانے لگے۔ لیکن وہ اپنی ہمدردیوں سے باز نہ آئے پھر ہشام نے ایک کام اور کیا۔ وہ ابوامیہ کے بیٹے زہیر کے پاس گئے۔ جو عاتکہ کا بیٹا تھا اور عبدالمطلب کا نواسہ تھا۔ اس سے جا کر ہشام نے کہا:

"زہیر! تم خوب عیش کرو۔ عمدہ سے عمدہ کھانے کھاؤ۔ اور اچھے سے اچھے کپڑے پہنو۔ اور تمہارے ماموں اس طرح رسوائی اور بے کسی کے ساتھ دن پورے کریں۔ کیا تمہیں یہ گوارا ہے.... ! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ ابوالحکم (ابوجہل) کے ماموں ہوتے، اور تم اس سے ایسا کرنے کو کہتے، تو وہ ہرگز نہ تیار ہوتا۔"

زہیر بولا:

"میں تن تنہا کر ہی کیا سکتا ہوں؟ خدا کی قسم اگر کوئی اور ساتھ دینے والا ہوتا، تو میں تو اس معاہدہ کو توڑ دیتا۔"

ہشام نے کہا:

"کوئی اور مل جائے تو؟"

زہیر بولا:

"وہ کون؟"

ہشام نے کہا:

"میں!"

زہیر بولا:

"اچھا ایک اور آدمی تلاش کرو، کوئی اور مل جائے تو بڑا اچھا رہے گا۔"

چنانچہ دونوں جوان معاہدہ توڑنے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ وہ معاہدہ جو سارے قریش کا معاہدہ تھا۔ اور اب کسی تیسرے کو ڈھونڈنے لگے۔ اللہ نے ان کی مدد کی اور نہ صرف ایک، بلکہ تین تین بہادر ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ تینوں قریش کے معزز سردار تھے۔ ایک عدی کے بیٹے مطعم تھے، دوسرے ہشام کے بیٹے ابوالبختری۔ اور تیسرے اسود کے بیٹے زمعہ تھے۔

صبح ہوئی تو ہشام، مطعم، ابوالبختری اور زمعہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے کعبہ کے قریب جہاں قریش جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ یہ چاروں سردار بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ مگر زہیر گئے۔ اور انہوں نے کعبہ کا طواف کیا۔ پھر آ کر بولے۔

"مکہ والو! ہم تو مزے سے کھاتے پیتے ہیں اور بنی ہاشم ایک ایک دانے کو ترس رہے ہیں۔ نہ کسی سے لین دین کر سکتے ہیں، نہ خرید و فروخت۔ کیا یہ مناسب ہے؟ کیا انسانیت اور شرافت کا تقاضا یہی ہے؟ خدا کی قسم میں تو چین سے نہیں بیٹھ سکتا، جب تک کہ اس معاہدہ کی دھجیاں نہ اڑ جائیں۔"

یہ سنتے ہی ابوجہل تن کر اٹھا اور تڑک کر بولا:

"تو نے غلط کہا۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا!"

اسی دم زہیر کے سب ساتھی ایک ساتھ بول اٹھے:

"زہیر بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ یہ ہو گا اور ہو کر رہے گا۔"

ابوجہل سمجھ گیا کہ یہ سوچی سمجھی اسکیم ہے اور اس میں بولنا بیکار ہے، چنانچہ وہ کلیجہ مسوس کر بیٹھ گیا۔

پھر مطعم عہدنامہ پھاڑنے کے لیے آگے بڑھا، مگر دیکھا تو اس کو دیمک چاٹ گئی تھی اور اب صرف ایک فقرہ باقی تھا، جو عہدنامے کے شروع میں تھا۔ وہ فقرہ تھا:

"بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ"

"اے اللہ! تیرے نام سے۔"

عہدنامہ چاک ہو گیا تو پیارے نبی اور مخلص ساتھی درّہ سے باہر آ گئے اور پوری سرگرمی سے پھر دعوت و تبلیغ میں لگ گئے۔

یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔

☆☆☆

سر سے نظر بندی کی بلا تو ٹل گئی۔ لیکن یہیں پر بس نہ تھا۔ جو بلائیں ابھی گھات میں تھیں، وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور جاں گسل تھیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے۔ کہ ابوطالب بیمار پڑ گئے۔ اور حالت بہت نازک ہوگئی۔ یہاں تک کہ قریش کو ان کی موت کا اندیشہ ہونے لگا۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ ایک بار پھر ابوطالب کے پاس چلیں۔ اور ان سے کہیں وہ زندگی ہی میں ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ اگر موت کے بعد اس کو ستائیں گے، تو اہل عرب عار دلائیں گے۔ اور کہیں گے کہ زندگی میں تو ہمت نہ ہوئی۔ اب چچا مر گیا تو یہ شیر بن گئے۔

غرض ابوطالب بستر مرگ پر پڑے آخری سانس لے رہے تھے۔ کہ اسی وقت قریش کے کچھ سردار پہنچے اور بولے:

"ابوطالب! ہمارے دل میں آپ کا کیا مقام ہے؟ اس سے آپ بے خبر نہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ بھتیجے کے بارے میں آپ انصاف کریں اور اس سے کہہ دیں کہ نہ وہ ہمارے دین کو کچھ کہے اور نہ ہم اس کے دین کو کچھ کہیں۔"

چنانچہ ابوطالب نے پیارے نبیؐ کو بلوایا اور آپؐ کے سامنے قریش کی بات رکھی۔ سب کچھ سن کر آپؐ نے فرمایا:

"آپ لوگ صرف ایک فقرہ کہہ دیں اور بس۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔"

قریش نے کہا:

"وہ کیا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

یہ سنتے ہی وہ غصہ سے تلملا اٹھے۔ اور غصے میں یہ کہتے ہوئے چل دیئے۔

"یہ شخص تو تمہاری بات ماننے کو نہیں۔ اب اس کے ساتھ جو چاہو معاملہ کرو۔"

پھر آپؐ نے چچا سے:

"چچا ایک فقرہ کہہ دیجئے، کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔
میرے مہربان چچا! صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیجئے۔"

چچا نے جواب دیا:

"عرب طعنے دیں گے اور کہیں گے کہ ابوطالب تو موت سے ڈر گیا۔ بھتیجے! اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں تیری بات ضرور مان لیتا۔"

پیارے نبی ﷺ کو چچا سے بہت محبت تھی۔ آپ کے دل میں ان کی بڑی چاہ تھی۔ جہاں آپ ان کے لیے دنیا کی کامیابی چاہتے تھے، وہیں آخرت کی سرخروئی کے بھی متمنی تھے۔ وہ اسلام نہیں لائے تو آپ تڑپ کر رہ گئے۔ دل کو بہت سخت چوٹ لگی۔ اور پھر حسرت و غم میں آپ گھلنے لگے۔ آپ کا یہ حال ہوا تو خدا کی طرف سے وحی ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص۔ ۵۶)

"تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

اس طرح ابوطالب مر گئے۔ ہاں وہی ابوطالب جو آپ کے سہارا اور مددگار تھے۔ آپ کے مونس اور غمگسار تھے۔ اور آپ قریش کی بے رحمیوں کا نشانہ بننے کے لیے تنہا رہ گئے۔

پھر اس سانحہ کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دوسرا سانحہ آپ کا جگر چیر گیا۔ وہ سانحہ کیا تھا؟ بی بی خدیجہ [illegible] بی بی خدیجہ کی وفات۔

ہاں وہی خدیجہ جو آپ کی باوفا بیوی اور آپ کے دکھ درد کی شریک تھیں۔

ہاں وہی خدیجہ جو آپ کے لیے پیار و محبت کا دریا اور شفقت و دلسوزی کا مجسمہ تھیں۔

ہاں وہی خدیجہ جنہوں نے سدا آپ کی شخصیت کو سینے سے لگائے رکھا اور عشق و عقیدت کی آنکھوں میں بٹھائے رکھا۔

ہاں وہی خدیجہ جنہوں نے پہلے دن سے آپ کا ساتھ دیا۔ مایوسی میں ڈھارس بندھائی۔

اداسی میں تسکین پہنچائی اور پھر اپنی جان و مال سے مدد کی۔

ہاں وہی خدیجہ جو سب سے پہلے ایمان لائیں۔

[illegible]

[illegible]

ہاں، وہی خدیجہؓ[1] جن کو رب ہاں، خود رب نے سلام کہلایا اور جنت میں موتیوں کے محل کا مژدہ سنایا۔

ابوطالب اور خدیجہؓ کی موت کیا تھی؟ ایک سہارا تھی جو ٹوٹ گیا ایک قلعہ تھا جو ڈھے گیا۔ لیکن اب نور اسلام مکہ سے باہر پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اب ناممکن تھا کہ شریروں کی پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جاتا۔ چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ۔ کمزور ہوں یا زور آور۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا۔ چاہے کافر کتنے ہی چیں بچیں ہوں۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. (الصف۔۸)

٭٭٭٭٭

---

[1] خدیجہ کی وفات ۱۰ رمضان کو ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ حجون میں دفن ہوئیں۔ حضور خود ان کی قبر میں اترے۔

نازک مرحلے

رحمت عالم، ظلم و ستم کے نرغے میں۔

عائشہؓ اور سودہؓ رسول پاکؐ کے نکاح میں۔

طائف کا سفر۔

اہل طائف کا شرمناک سلوک۔

رسول پاکؐ کی پرسوز فریاد۔

جنوں کی ایک جماعت اسلام کے دامن میں۔

قریش کی سازش۔

مطعم کے امان میں۔

فرش سے عرش تک۔

ابوجہل کی شرانگیزی۔

معراج کے اثرات۔

ابوبکرؓ کو "صدیق" کا خطاب۔

سفر معراج کی ایک جھلک۔

کافروں نے بہت کوشش کی کہ محمدؐ اسلام کی دعوت دینا بند کر دیں، لیکن انہیں ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اسلام کا چراغ گل کرنے کی مسلسل کوشش، اور پھر مسلسل ناکامی! دشمنوں کے لیے یہ ایک المناک سانحہ تھا۔ عقل حیران تھی کہ کیا کریں؟ اور آپؐ کے مقابلے میں کون سی چال چلیں.....!!

لیکن.... افسوس، ابوطالب جا چکے تھے۔ ہاں، وہی ابوطالب جو آپؐ کے سہارا اور مددگار تھے۔ بلاؤں کے طوفان میں ایک محکم دیوار تھے اور جو پورے قبیلے کا شیرازہ اور سارے خاندان کا گلدستہ تھے۔ کہ انہی کی بدولت لوگ آپؐ کی تحریک سے وابستہ اور دل و جان سے آپؐ کی حمایت پر کمر بستہ تھے۔

اب میدان خالی تھا، راستہ ہموار تھا۔ دل کا بخار نکالنے کے لیے موقع سازگار تھا۔ اب نرمی اور رحمدلی کا کیا سوال تھا۔ اب تو ظلم و ستم کے تیز جھونکے تھے۔ اور بغض و عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے۔ اب آپؐ کو ستانے میں ہر ایک شیر تھا۔ اور ذرہ بھر بھی رو رعایت سے کام لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ انتہا یہ کہ ایک روز آپؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک بدبخت کو شرارت سوجھی اور اس نے آپؐ پر بکری کی اوجھ لا کر ڈال دی۔ رحمت عالم کی طرف سے اس بدتمیزی کا کیا جواب تھا؟ کیا اس ظالم کو برا بھلا کہا؟ کیا اس کو کوئی بددعا دی؟ نہیں صرف اتنا فرمایا:

''آل مناف! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ؟''

ایک دفعہ آپؐ کہیں جا رہے تھے۔ کسی بدبخت نے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپؐ اسی حال میں گھر آئے۔ بیٹی فاطمہؓ نے یہ دیکھا تو دوڑ کر پانی لائیں۔ اور سر کو دھونے لگیں۔ وہ پانی گرا رہی تھیں، اور اس میں گرم گرم آنسو بھی ملا رہی تھیں۔ باپ کی مظلومی ان کا جگر چیر رہی تھی اور قریش کی بدسلوکی دل کو تڑپا رہی تھی۔ اور...... اور آپؐ ان کو تسلی دے رہے تھے:

''بیٹی! رو و نہیں۔ خدا تمہارے باپ کی مدد کرے گا۔''

اور ابولہب کا کیا رنگ تھا؟ ابوطالب کی وفات ہوئی تو وہ چند دنوں تو خاموش رہا۔ پھر پہلے سے بھی زیادہ بے دردی سے ستانے لگا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے تو ناک میں دم کر دیا۔ خدا کی پناہ!

ناک میں دم کر دیا۔

اور ابو جہل کا کیا انداز رہا؟ وہ تو رات دن گھات میں رہتا۔ کبھی اوباشوں کو پیچھے لگا دیتا۔ اور وہ خوب ستاتے۔ کبھی غنڈوں کو اشارہ کر دیتا۔ اور وہ اپنی بدتمیزیوں کا مظاہرہ کرتے۔ کبھی کچھ کمینوں کو لے کر بیٹھ جاتا۔ اور جب آپؐ نماز پڑھنے آتے، یا طواف کا ارادہ کرتے۔ تو وہ بدبخت آپؐ کو مارنا چاہتے اور آپؐ کے قتل کی اسکیم بناتے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کو روکتے اور ان کی حرکتوں پر بیزاری و نفرت کا اظہار کرتے۔ بہت ہی حسرت کے ساتھ کہتے:

"کیا کسی کو محض اس بات پر قتل کر دو گے، کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے! حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے واضح نشانیاں بھی لے کر آیا ہے؟"

نتیجے میں ابو بکرؓ بھی ان کی اذیتوں سے مذبح پاتے۔ سب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے۔ اور بے تحاشا مارتے کہ آئندہ ہونٹ ہلانے کی بھی جرأت نہ کریں۔ اور وہ اپنی ناپاک حرکتوں کو پوری آزادی سے انجام دے سکیں۔ مگر ابو بکرؓ کب ماننے والے تھے۔ وہ جانتے بوجھتے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتے کیونکہ ان کو اپنی جان سے زیادہ آپؐ کی جان پیاری تھی۔ پھر ماننے کا سوال بھی کیا تھا؟ کہ دوست کے لیے ہر چوٹ ان کے لیے آرام جان اور باعث تسکین و اطمینان تھی۔

اور آپؐ کا کیا حال تھا؟ آپ بہت ہی درد و حسرت کے ساتھ بار بار فرماتے:

"خدا کی قسم! جب تک ابو طالب زندہ رہے قریش نے مجھ کو کبھی نہ ستایا!"

☆☆☆

"رسولِ خدا! آج سب کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ زبانوں کے تیر آپ کے جگر میں پیوست ہو رہے ہیں۔"

یہ سوچ کر تمام ساتھیوں کو دکھ ہوتا تھا۔ کیونکہ اس طرح آپ دو دو غموں سے دوچار تھے۔ ایک تو چچا ابوطالب اور پیاری خدیجہؓ کی وفات کا صدمہ، اور پھر قریش کی بدسلوکی کا ملال۔ لیکن مکہ میں مسلمان تو بہت تھوڑے تھے۔ بس گنتی کے چند۔ اور ادھر دشمنوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ بھلا ایسے میں وہ بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے؟ وہ تو بالکل بے بس تھے۔ چنانچہ وہ صبر کرتے، اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاں تک ہو سکتا آپ کا بچاؤ کرتے۔

اور مسلمان عورتیں! وہ بھی آپ پر باتوں کی بوچھاڑ دیکھتیں تو بہت رنجیدہ ہوتیں، اور کچھ سوچ کے رہ جاتیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت خولہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ یہ حکیمؓ کی بیٹی اور عثمان بن مظعونؓ کی بیوی تھیں۔ بولیں:

"کیوں نہیں آپ شادی کر لیتے؟ کوئی خدیجہؓ جیسی تو ملنے سے رہی۔ لیکن پھر بھی سہارا نصیب ہوگا۔ کچھ تو دل کا بار ہلکا ہوگا۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"تمہاری نظر میں! کس کی طرف اشارہ ہے؟"

خولہؓ بولیں:

"کنواری بھی مل سکتی ہے اور چاہیں تو شوہر آشنا بھی مل جائے گی۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"کنواری کون؟"

خولہؓ نے فرمایا:

"آپ کے سب سے زیادہ عزیز ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"اور شوہر آشنا کون؟"

خولہؓ بولیں:

"زمعہ کی بیٹی سودہؓ۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں۔ اور تمام باتیں خوشی خوشی تسلیم کی ہیں۔ مہاجرین حبشہ میں ان کے شوہر بھی تھے۔ وہاں سے وہ واپس آئے تو انتقال ہو گیا۔"

پیارے نبی نے فرمایا:

"اچھا جاؤ دونوں کے لیے بات چیت کرو۔"

خولہؓ سودہؓ کے پاس گئیں۔ بولیں:

"اللہ اللہ! تمہاری قسمت! کتنی برکتوں کا تم پر سایہ ہے!"

سودہؓ کو بہت تعجب ہوا۔ (بڑی حیرانی سے):

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔"

خولہؓ بولیں:

"رسول خدا تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اسی کے لیے بات چیت کرنے آئی ہوں۔"

سودہؓ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ بولیں:

"سبحان اللہ!! ذرا جائیے والد سے بھی تذکرہ کیجیے۔ دیکھیے، وہ کیا کہتے ہیں۔"

خولہؓ سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور ان کو یہ مبارک خبر سنائی۔ والد نے یہ خبر سنی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

"اس جوڑے کا کیا کہنا!"

پھر خولہؓ ام رومانؓ کے یہاں گئیں۔ جو عائشہؓ کی والدہ اور ابوبکرؓ کی بیوی تھیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ بولیں:

"زہے نصیب! یہ برکتوں اور رحمتوں کی بارش؟ رسول خدا عائشہؓ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

ام رومانؓ نے کہا:

"واہ واہ! کتنی مبارک تقریب ہوگی یہ! ذرا ٹھہرو ابوبکرؓ بھی آ جائیں۔"

پھر کچھ ہی دیر میں ابوبکرؓ بھی آ گئے۔ اور انہوں نے بڑی خوشی خوشی اس برکت کا خیر مقدم کیا۔

اس طرح حضرت خولہؓ نے آپ ﷺ کی شادی سودہؓ اور عائشہؓ سے کرا دی۔ شادی سے ساتھیوں کا تعلق آپ ﷺ سے اور زیادہ استوار ہو گیا۔

دونوں نکاح ہو گئے۔ سودہؓ رخصت ہو کر آپ ﷺ کے گھر چلی آئیں۔ مگر عائشہؓ ابھی چھوٹی تھیں۔ اس لیے چند سال بعد رخصت ہوئیں۔

☆☆☆

مشرکوں کی زیادتیاں پورے شباب پر تھیں۔ کیونکہ ابوطالب کی وفات ہوئی، تو قریش نے عہد کیا تھا:

''محمدؐ کو ہم اس وقت تک ستاتے رہیں گے، جب تک وہ دعوت دین سے باز نہ آ جائیں۔ یا ہماری تلواریں اُن کے خون سے رنگ نہ جائیں۔ اور ساتھیوں کا بھی ناک میں دم کیے رہیں گے، جب تک وہ اسلام سے بیزار نہ ہو جائیں۔ اور پھر آبائی دین کو نہ اپنالیں۔''

نبوت کا دسواں سال اور جمادی الاخریٰ یا شوال کا مہینہ تھا۔ محمدؐ جب ان کی سختیوں سے تنگ آ گئے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، تو آپؐ طائف کو روانہ ہوئے۔ اس وقت آپؐ انتہائی بے چین تھے۔ اور پھر اس بے چینی میں تنہائی! مت پوچھو، دل پہ کیا بیتی ہوگی! اور پھر گئے بھی ایسا کہ سب بے خبر۔ وہاں آپؐ کیوں گئے تھے؟ صرف اس لیے کہ شاید وہاں والے مدد کریں۔ اور آپؐ اطمینان کا سانس لے سکیں۔

لیکن آپؐ وہاں پہنچے، تو معاملہ برعکس تھا۔ مدد کرنا تو درکنار، انھوں نے اپنے یہاں آپؐ کو ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا۔ پوری ہٹ دھرمی سے نبوت کا انکار کر دیا۔ آپؐ کی دعوت کو جھٹلا دیا۔ اور بڑی بے شرمی سے آپؐ کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ کیونکہ ان کو بھی قریش کی طرح دینِ اسلام سے خطرہ تھا۔ طائف کی آب و ہوا اچھی تھی۔ وہاں کی سرزمین بالکل باغِ ارم تھی۔ انگور اور دوسرے پھلوں کی پیداوار بے حد تھی۔ اس لیے اشرافِ قریش گرمیاں وہیں گزارتے۔ پھر عرب کا مشہور بت ''لات'' بھی وہیں تھا۔ جو کعبہ ہی کی طرح زیارت گاہِ خاص و عام تھا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے طائف بھی عرب کی بہت خاص اور متبرک بستی تھی۔ ان کو ڈر تھا کہ اگر آپؐ کو اماں دے دی تو سارا قریش دشمن ہو جائے گا۔ اور پھر طائف کی ساری حیثیت اور مقبولیت خاک میں مل جائے گی۔

اب آپؐ کو اندیشہ ہوا کہ اگر اہلِ مکہ کو طائف کا ماجرا معلوم ہو گیا، تو وہ اور زیادہ مذاق اڑائیں گے اور ظلم و ستم میں پہلے سے بھی زیادہ دیباک ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ثقیف (طائف کا ایک قبیلہ ہے) کے ایک سردار سے آپؐ نے فرمایا:

"تم لوگوں نے میری بات تو نہیں مانی۔ لیکن کم از کم میرے معاملہ کو پوشیدہ رکھو۔"

لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ پھر یہی نہیں۔ انہوں نے طائف کے بازاریوں اور اوباشوں کو بھی ابھار دیا۔ ان اوباشوں نے پوری بے دردی سے پائے مبارک پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں ...! جب آپ زخموں سے نڈھال ہو جاتے اور پتھر کھاتے کھاتے بے دم ہو جاتے، تو بیٹھ جاتے۔ مگر ظالموں کو اب بھی ترس نہ آتا۔ وہ ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔ ساتھ ہی گالیاں بھی دیتے اور تالیاں بھی بجاتے۔ اف ... دنیائے انسانیت کتنا عجیب ایمان کش منظر تھا یہ!

وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے

یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

اے محمدؐ! پیغمبری میں جو جو پریشانیاں اٹھائیں، دعوت کی راہ میں جو جو سختیاں جھیلیں، ان کے بدلے میں اللہ آپؐ کا ہو گیا!

آپؐ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ بستی کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا باغ تھا۔ جس میں انگور کی بہت سی بیلیں تھیں۔ جگہ جگہ خوش نما خوشے لٹک رہے تھے۔ آپؐ اسی باغ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح کہیں جا کر جان چھوٹی!

نگاہیں بے اختیار آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آپؐ مولیٰ سے گڑگڑانے اور اپنی بے بسی کی فریاد کرنے لگے، کہ اس کی رحمت کو جوش آئے۔ اور آپؐ کو اپنے دامن میں لے لے۔ زبان مبارک پر یہ الفاظ لرز رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُو ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ.

"خدایا! میں اپنی بے بسی، بے چارگی، اور لوگوں میں بے وقعتی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔"

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ.

"اے رحمت کے بادشاہ! تو کمزوروں کا رب ہے۔ تو ہی میرا بھی رب ہے!"

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ. اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَهَّمُنِیْ، اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَهٗ اَمْرِیْ.

"تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے...؟ جو مجھے دیکھ کر تیوری چڑھائے...؟ یا کسی دشمن کے؟ جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہو۔"

إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَىَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي.

''خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں۔''

وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ أَوْسَعُ لِي.

''لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ آرام دہ ہے!''

أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

''میں پناہ چاہتا ہوں، تیرے چہرہ کے نور سے، جس سے ساری تاریکیاں کافور ہو گئیں... اور جس پر دونوں جہان کا نظام قائم ہے۔''

مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ أَوْ تُحِلَّ عَلَيَّ سَخَطَكَ.

''میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ مجھ پر تیرا عتاب ہو۔ یا تو مجھ سے روٹھ جائے۔''

لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى!

''جب تک تو خوش نہ ہو جائے، تجھے منانے جانا ناگزیر ہے۔''

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ.

''ساری طاقتیں اور ساری تدبیریں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔''

یہ باغ جس میں آکر آپؐ ٹھہرے تھے، وہ دو آدمیوں کا تھا اور وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ایک کا نام عتبہ تھا، اور دوسرے کا نام شیبہ، اور یہ ربیعہ کے بیٹے تھے۔ دونوں نے اپنی آنکھوں سے ماجرا دیکھا تھا، اور وہ دردناک منظر ان کی نگاہوں میں تھا، جبکہ قوم کے غنڈے آپؐ پر پتھراؤ کر رہے تھے اور آپؐ خون میں نہائے ہوئے... بڑی بے کسی اور بے قراری کے عالم میں آگے بڑھ رہے تھے۔ اس وجہ سے دونوں کو بڑا ترس آیا، اور آپؐ کی مظلومی پر ان کا دل بھر آیا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً عیسائی غلام کو آواز دی اور بولے:

''عداس! باغ سے انگور کا خوشہ توڑو، اور ایک پلیٹ میں رکھ کر اس غریب کو دے آؤ، کہو، اسے کھائے۔''

عداس نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ انگور لے کر آپؐ کے پاس آیا اور سامنے رکھتے ہوئے بولا:

''اسے کھائیے۔''

آپؐ نے بسم اللہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور کھانے لگے۔ عداس ہکا بکا سا ہو گیا۔ حیران ہو کر بولا:

"خدا کی قسم! یہاں تو کبھی کسی زبان سے اس طرح کا فقرہ سنا نہیں!"

آپؐ نے فرمایا:

"تم کس سرزمین کے ہو اور کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

عداس نے جواب دیا:

"میں نینوا کا رہنے والا، عیسائی مذہب کا پیروکار اور نام میرا عداس ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"یونس بن متیؑ کی بستی کے؟ وہ تو بہت نیک آدمی تھے۔"

یہ سن کر عداس کی حیرانی اور بڑھی۔ بڑی بے تابی سے بولا:

"آپؐ کیسے جان گئے، یونس بن متیؑ کیا تھے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"یونس میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے۔ میں بھی نبی ہوں۔"

یہ سن کر عداس بے قابو ہو گیا، اور فوراً اس نے جھک کر آپؐ کے ہاتھ پیر چومے، اور سر مبارک کو بوسہ دیا۔

عتبہ اور شیبہ یہ سب دیکھ رہے تھے اور سخت حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ پھر عداس لوٹ کر گیا تو وہ بولے:

"میاں عداس! اس آدمی کے ہاتھ پیر کیوں چوم رہے تھے؟"

عداس نے جواب دیا:

"میرے آقا! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے ایک ایسی بات بتائی، جس کو بس نبی ہی بتا سکتا ہے!"

یہ سن کر وہ بولے:

"میاں عداس! اس کی باتوں میں آ کر کہیں اپنا دین مت کھو بیٹھنا۔ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔"

پیارے نبیؐ ثقیف کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے اور ان سے مدد ملنے کی بھی کوئی امید نہ رہی، اس لیے اب آپؐ نے طائف کو خیرباد کہا اور صحرا میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ اب آپؐ کا رخ مکہ کی طرف تھا۔ وہی مکہ جس کو قوم سے عاجز آ کر آپؐ نے الوداع کہا تھا، اور اس آرزو میں نکلے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ مل جائے، جو یہاں کی مظلومی اور بے کسی کا بدل بن سکے، لیکن آپؐ کی یہ آرزو بر نہ آئی۔

طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے نخلہ[1]۔ چلتے چلتے آپؐ تھک گئے تو وہیں دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔ پھر جب رات کافی گزر گئی، اور ہر طرف سناٹا چھا گیا، تو اس پُرسکون تنہائی میں آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے! اور بڑی شیریں اور پُرسوز آواز سے قرآن پڑھنے لگے۔ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس طرح قرآن پڑھنے کی آواز ان کے کانوں میں بھی آئی۔ ان کو یہ کلام بہت عجیب معلوم ہوا، اور وہ ٹھہر کر سننے لگے۔ پھر خدا کی توفیق شامل حال ہوئی اور ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ چنانچہ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں آئے اور بولے:

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ (سورۂ جن: ۱۔۲)

"ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا ساجھی نہیں ٹھہرائیں گے۔"

آپؐ رات کے سناٹے میں قرآن پڑھ رہے تھے اور جنوں کا یہ گروہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا، اور اثر لے رہا تھا۔ بالآخر وہ ایمان بھی لے آیا۔ اور اپنی قوم کو جا کے ہوشیار بھی کیا۔ لیکن آپؐ بالکل بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے خود خبر دی:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝ (احقاف: ۲۹)

"اور یاد کرو جب ہم نے کچھ جنوں کا رخ تمہاری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سن لیں تو جب وہ اس کے پاس پہنچے تو آپس میں کہنے لگے، چپکے رہو اور کان لگا کر سنو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کو ہوشیار کرنے کے لیے لوٹے۔"

---

[1] نخلہ مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے۔ مکہ سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔

ادھر قریش کو طائف کا سارا حال معلوم ہو چکا تھا اور انہیں خبر ہو گئی تھی، کہ آپؐ کو وہاں کس طرح ناکامی ہوئی، اور ثقیف کے اوباشوں نے کس بے دردی سے آپؐ کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اس پر وہ بہت خوش تھے، اور آپؐ کا خوب مذاق اڑا رہے تھے۔ نیز انہوں نے باہم قسمیں کھائیں:

"اگر محمدؐ پھر لوٹ کر مکہ آیا تو جب تک اس کو مار نہ لیں گے، چین سے نہ بیٹھیں گے۔"

کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ثقیف کی ناکامی آپؐ کے حوصلے پست کر دے گی اور سارے جوش وجذبہ کو سرد کر دے گی پھر آپؐ پر قابو پانا آسان ہوگا، اور موت کے گھاٹ اتارنا ایں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔

قریش کی یہ سازشیں تھیں لیکن آپؐ بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ آپؐ نخلہ سے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر حسن اتفاق! جرانا ایک مقام پر پہنچے تو قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ اس طرح آپؐ کو سب معلوم ہو گیا کہ قریش کے کیا کیا ارادے اور منصوبے ہیں؟ پھر آپؐ نے انہی میں سے ایک سے فرمایا:

"کیا قریش کو میرا ایک پیغام پہنچا سکتے ہو؟"

آدمی نے کہا:

"جی ہاں، ضرور۔"

آپؐ نے فرمایا:

"شریق کے بیٹے اخنس کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ محمدؐ نے پوچھا ہے کیا آپ مجھے پناہ دے سکتے ہیں؟ کہ میں لوگوں تک رب کا پیغام پہنچا سکوں۔"

وہ جا کر اخنس سے ملا اور آپؐ کا پیغام سنایا۔ اخنس نے کہا:

"میں تو قریش کا حلیف ہوں۔ ان سے میرا معاہدہ ہے بھلا ان کے خلاف میں کیسے پناہ دے سکتا ہوں؟"

وہ لوٹ کر آپؐ کے پاس آیا، اور اخنس سے جو بات ہوئی تھی آپؐ سے دہرا دی۔

آپؐ نے فرمایا:

"کیا دوبارہ زحمت کرو گے؟"

آدمی نے کہا

"جی ہاں!"

آپؐ نے فرمایا:

"ذرا عمرو کے بیٹے سہیل کے پاس چلے جاؤ اور ان سے بھی یہی پوچھو کہ کیا محمدؐ کو امان دے سکتے ہو کہ وہ آزادی سے رب کا پیغام پہنچا سکے؟"

وہ پیغام لے کر سہیل کے پاس پہنچا تو سہیل نے جواب دیا:

"قبیلہ عامر بن لوی آل کعب کے خلاف امان نہیں دے سکتا۔"

وہ آدمی پھر لوٹ کر حرا آیا اور سہیل نے جو کچھ کہا تھا آپؐ کو بتا دیا۔

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا، ایک بار پھر زحمت اٹھاؤ گے؟"

آدمی نے کہا:

"جی ہاں، فرمایئے!"

آپؐ نے فرمایا:

"اس بار عدی کے بیٹے مطعم کے پاس جاؤ اور ان سے یہی درخواست کرو۔"

چنانچہ وہ مطعم[1] کے پاس گیا اور پوچھا۔

"کیا آپ محمدؐ کو امان دیں گے؟"

مطعم نے جواب دیا:

"ہاں، وہ ضرور آئیں۔"

پھر صبح ہوئی تو مطعم خود تیار ہوا۔ اور بیٹوں اور بھتیجوں کو بھی تیاری کا حکم دیا کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت اگر کوئی چھیڑ چھاڑ کرے، تو وہ آپؐ کی حمایت کر سکے چنانچہ سب نے جنگی لباس تبدیل کر لیے۔ کمر سے تلواریں لٹکا لیں، ہاتھوں میں برچھیاں لے لیں اور کعبہ کی طرف بڑھے۔ اس وقت قریش وہاں موجود تھے ابوجہل بھی وہیں موجود تھا۔ دیکھتے ہی وہ بولا:

"کیوں مطعم! امان دی ہے یا ایمان لے آئے ہو؟"

مطعم نے کہا:

"امان دی ہے۔"

---

[1] مطعم نے غزوہ بدر سے پہلے وفات پائی۔ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا۔

ابوجہل بولا:

"جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔"

اس طرح رسول خدا مکہ میں داخل ہوئے اور چونکہ مطعم امان دے چکا تھا۔ کوئی کچھ نہ بولا!

آپؐ طواف کی غرض سے سیدھے کعبہ گئے۔ اس وقت قریش بھی وہاں جمع ہوئے بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ہاشمی بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے آپؐ کو دیکھا تو ان پر یہ فقرہ چست کیا:

"آل مناف! تمہارا نبیؐ ہے یہ؟"

ربیعہ کا بیٹا عتبہ بھی وہیں موجود تھا۔ یہ بھی ہاشمی تھا اور ابھی تک قریش ہی کے مذہب پر تھا۔

جھٹ بولا:

"اگر ہم میں کوئی نبی ہو جائے، یا کسی کو بادشاہت مل جائے تو اس میں چڑنے کی کیا بات ہے؟"

آپؐ نے یہ باتیں سنیں تو قریب آئے اور فرمایا:

"تعجب ہے عتبہ! خدا اور رسول کے لیے تو غیرت نہ آئی اور اپنے لیے آ گئی۔"

پھر ابوجہل سے فرمایا

"سن لو ابوجہل! وہ وقت آ رہا ہے، وہاں بہت تیزی سے آ رہا ہے، جب ساری ہنسی غائب ہو جائے گی اور تم خون کے آنسو رو گے۔"

پھر اوروں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"قریش کے سردارو! تم بھی سن لو۔ کان کھول کر سن لو۔ وہ دن دور نہیں جب تم چاروناچار بہت ہی ذلت کے انجام سے دوچار ہو گے۔"

ان باتوں سے قریش کتنے تلملائے ہوں گے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن مطعم آپؐ کو پناہ دے چکا تھا، اس لیے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

اب قریش سے آپؐ کی توجہ ہٹ گئی، اور آپؐ نے دوسرے قبیلوں کا رخ کیا۔ ان کے گھروں پر گئے۔ ان کی چوپالوں پر گئے۔ ان کی بستیوں اور بازاروں میں گئے۔ جا جا کر انہیں اللہ کی طرف بلایا، اپنے نبی ہونے کا یقین دلایا۔ ایمان لانے اور پیروی کرنے پر اکسایا، مدد کرنے اور ساتھ دینے پر ابھارا، تا کہ آپؐ خدا کا پیغام پہنچا سکیں اور گمراہ انسانوں کو سیدھی راہ پر لگا سکیں۔

☆ ☆ ☆

پیارے نبیؐ کی ایک چچیری بہن تھیں، ہند۔ یہ ابوطالب کی بیٹی تھیں اور لوگوں میں ام ہانی کے نام سے مشہور تھیں۔ نبوت کا دسواں سال اور رجب کا مہینہ تھا۔ ایک رات آپؐ انہی کے گھر سوئے، حسب معمول طلوع فجر سے پہلے آنکھ کھل گئی۔ آپؐ اسی وقت اٹھ گئے۔ ساتھ ہی وہ بھی اٹھ گئیں۔ آپؐ نے وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"ام ہانی! عشا کی نماز میں نے یہیں پڑھی تھی، تمہارے ساتھ۔ تم نے دیکھا ہی تھا۔ پھر میں بیت المقدس گیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ پھر اس وقت کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی۔"

ام ہانی یہ سن کر حیرت کی تصویر بن گئیں کہ عشاء کی نماز آپؐ نے ہمارے گھر پڑھی۔ پھر درمیان شب بیت المقدس میں پڑھی! پھر اس وقت کی ہمارے ساتھ پڑھی۔ آخر یہ کیونکر ہوا؟

چنانچہ وہ آپؐ کے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور بولیں:

"ذرا تفصیل سے بتائیے، کیا کیا ہوا؟ اور کیسے ہوا؟"

آپؐ نے فرمایا:

"ام ہانی! میں سو رہا تھا کہ ایکا یک محسوس ہوا، جیسے کوئی جگا رہا ہے۔ چنانچہ میری آنکھ کھل گئی۔ اب جو دیکھا تو چھت شق تھی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس تھے۔ اور یہ بالکل پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی اس طرح آئے نہیں۔ وہ جب بھی آتے تو سامنے سے آتے۔ غرض آتے ہی انہوں نے ہاتھ پکڑا، اور مجھ کو لے کر کعبے کی حطیم کے پاس آ گئے۔ پھر وہاں لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور سونے کی ایک پلیٹ جو ایمان و حکمت سے لبریز تھی۔ میرے سینہ میں انڈیل دی۔ پھر سینہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ایک بہت سفید جانور آیا، جو خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا تھا۔ اس پر ہم دونوں سوار ہو گئے اور چشم زدن میں بیت المقدس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے نماز پڑھی۔ میرے پیچھے سارے نبیوں نے بھی پڑھی۔"

ام ہانی بڑے غور سے یہ عجیب و غریب واقعہ سنتی رہیں اور اس وقت جہاں انہیں آپؐ کی عظمت کا احساس ہوا، وہیں کچھ خطرہ کا بھی اندیشہ ہوا، بولیں:

"میرے بھائی! یہ کسی اور سے نہ بیان کیجئے گا۔ ورنہ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی کانوں پر ہاتھ دھر لیں گے۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں نہیں۔ میں تو قریش سے بھی بیان کروں گا۔"

وہ بولیں:

"میرے بھائی! قسم دیتی ہوں قریش سے آپ بالکل نہ بیان کیجئے ورنہ وہ فوراً جھٹلا دیں گے اور الٹا نقصان پہنچائیں گے۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں نہیں، میں تو ان سے بھی بیان کر کے رہوں گا۔"

پھر آپ اٹھ کر قریش کی مجلسوں میں جانے لگے۔ اس وقت ام ہانی سے اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ ہاں اپنی ایک لونڈی کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا کہ جا کر دیکھے اور جو کچھ ہو آ کر اس کی اطلاع دے۔

آپ سیدھے کعبے پہنچے، دیکھا تو قریش کے کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، جا کر آپ بھی ان کے پاس بیٹھ گئے، کہ جو کچھ دیکھا تھا، ان سے بیان کریں۔ لیکن پھر سوچا تو ٹھٹھک کر رہ گئے، اور آپ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"یہ واقعہ بیان کروں گا تو اس کا انجام کیا ہو گا؟ کیا لوگ میری باتیں مان لیں گے؟ یا مجھے جھٹلا دیں گے؟ اور کیا میں انہیں پورا واقعہ بتا دوں؟ کیا ان سے کہوں کہ میں رات بیت المقدس گیا تھا، اور کیا یہ بھی بتا دوں کہ وہاں سے پھر آسمانی بادشاہت کی سیر کرنے گیا تھا! یا صرف اتنا ہی بتاؤں جتنا ام ہانی کو بتایا ہے!"

بہت دیر ہو گئی۔ لیکن آپ یوں ہی بیٹھے رہے۔ اس وقت آپ پر دو قسم کی کیفیات طاری تھیں۔

ایک طرف تو آپ بہت ہشاش بشاش تھے۔ چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا، کہ میرے رب نے مجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے اور میری کتنی عزت افزائی کی ہے! ایک ہی رات میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس کی سیر کرائی پھر وہاں سے جنت آسمانوں کی معراج بھی۔ جہاں سے عرش

الٰہی ہے اور جہاں خدا کی بادشاہت ہے۔ دوسری طرف اندیشوں کا ایک طوفان تھا جو اُمڈا آ رہا تھا۔ رہ رہ کر خیال آتا:

"قریش کو جب یہ سناؤں گا، تو وہ میرا مذاق اڑائیں گے۔ مجھ کو جھوٹا سمجھیں گے۔ حالانکہ میں تو چاہتا ہوں کہ پروردگار کی جس عظمت کا خود مشاہدہ کیا ہے، اسے ان سے بھی بیان کروں اور خدا کی جن نشانیوں کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے، ان سے ان کو بھی آگاہ کروں۔"

اس خیال سے آپ کے اندر بڑی بے چینی تھی۔ چنانچہ آپ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے رہے۔ حالانکہ کعبہ میں اس طرح آپ کبھی نہ بیٹھتے تھے۔

اوروں نے بھی دیکھا کہ آپ عادت کے خلاف چپ چپ سے بیٹھے ہیں۔ ابوجہل بھی وہیں تھا اور عدی کا بیٹا مطعم بھی۔ ابوجہل نے چہرہ اترا ہوا دیکھا تو اٹھ کر قریب آیا اور بولا:

"محمدؐ! کیا ہوا؟ آج کوئی نئی بات تو نہیں!"

اب آپ کو اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔ فرمایا:

"ہاں، آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔"

ابوجہل نے کہا:

"کہاں تک؟"

پیارے نبیؐ بولے:

"بیت المقدس تک!"

ابوجہل کی ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی اور قریب تھا کہ وہ زور کا قہقہہ لگاتا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ یہ بات، آپ کو نیچا دکھانے اور لوگوں کی نظروں میں آپ کی باتوں کو مشتبہ بنانے کے لیے ایک کامیاب ہتھیار بن سکتی تھی۔

اس نے آپ کا اور حوصلہ بڑھایا۔ بولا:

"اچھا، اگر اوروں کو بھی بلا لوں تو کیا ان سے بھی یہ باتیں بیان کرو گے؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں۔"

ہاں سننا تھا کہ ابوجہل نے زور سے آواز لگائی:

''اے آلِ کعب بن لوئی!''

فضا کو چیرتی ہوئی یہ آواز کانوں سے ٹکرائی اور آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے:

''ابو الحکم! کیا بات ہے، کیا بات ہے؟''

اب اس نے آپؐ کی طرف اشارہ کیا کہ:

''جو ابھی سنایا ہے، ذرا لوگوں کو بھی سنا دو۔''

آپؐ نے فرمایا:

''آج رات براق نامی ایک جانور آیا۔ اس پر بیٹھ کر میں پہنچا بیت المقدس کی سیر کی، وہاں پہنچا تو نبیوں کی جماعت آئی۔ ان میں ابراہیمؑ بھی تھے۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی تھے۔ میں نے ان سب کی امامت بھی کی۔''

یہ سن کر اکثر بے قابو ہو گئے، اور ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ ابو جہل بولا (تمسخر کے انداز میں):

''اچھا سارے نبی زندہ کر کے تمہارے پاس لائے گئے تھے؟ ذرا ان کا حلیہ تو بیان کرو۔''

آپؐ نے فرمایا:

''عیسیٰؑ نہ تو پست قد ہیں، اور نہ زیادہ لانبے۔ سینہ چوڑا ہے۔ جسم سے خون ٹپکا پڑتا ہے۔ سر کے بال سرخی مائل ہیں۔ موسیٰؑ کا جسم بھاری بھرکم اور سانولا ہے اور قد لانبا ہے، اور خدا کی قسم ابراہیمؑ سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں۔ صورت میں بھی، سیرت میں بھی۔''

سب نے دانتوں تلے انگلیاں دبا لیں کہ محمدؐ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

کیا یہ واقعی سچ ہے، یا جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

اس طرح کچھ دلوں پر تو آپؐ کی عظمت اور بڑائی کا سکہ بیٹھ گیا۔ کچھ لوگوں کی عقلیں حیران اور ذہن پریشان ہو گئے۔ کچھ آپؐ کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے میں لگ گئے، اور کچھ لوگ آپؐ کے عزیز دوست ابوبکرؓ کے گھر پہنچے کہ ان کو بھی یہ عجیب و غریب خبر سنا دیں! بولے:

''ابوبکرؓ! ذرا اپنے جناب کی تو سنو۔ کہتے ہیں کہ آج رات مجھ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔''

ابوبکرؓ نے فرمایا:

"کیا انہوں نے کہا ہے؟"

وہ بولے:

"جی ہاں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اگر انہوں نے کہا ہے تو یقیناً سچ کہا ہے۔"

وہ بولے:

"یہ بھی کوئی یقین میں آنے والی بات ہے! وہ بیت المقدس گئے، وہ صبح سے پہلے ہی لوٹ آئے؟"

انہوں نے فرمایا:

"بے شک۔ یہی کیا؟ مجھے تو اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب باتوں پر یقین ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رات یا دن کا کوئی بھی وقت ہو، آسمان سے میرے پاس ذرا سی دیر میں خبر آ جاتی ہے اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ تو یہ کتنی عجیب بات ہے؟"

پھر ابوبکرؓ پیارے نبیؐ کے پاس آئے۔ اس وقت آپؐ کعبہ میں تھے اور مشرکین آپؐ سے کہہ رہے تھے:

"محمدؐ! اب تک تو ہمیں کچھ شبہ تھا، لیکن آج پتہ چل گیا کہ تم واقعی جھوٹے ہو۔ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کے ہر بات کہتے ہو۔ ہم لوگ تو اونٹوں پر جاتے ہیں تو ایک مہینہ پہنچنے میں لگتا ہے، اور ایک مہینہ واپسی میں، اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات میں گئے بھی، اور واپس بھی آ گئے! لات و عزیٰ کی قسم! ہم کبھی نہیں مان سکتے۔ یہ تو جھوٹ ہے بالکل جھوٹ۔"

ابوبکرؓ بول اٹھے:

"محمدؐ جھوٹ نہیں بولتے۔ یقیناً آپؐ سچ کہہ رہے ہیں۔"

مطعم بولا:

"محمدؐ! ذرا بیت المقدس کا نقشہ تو بیان کرو۔"

ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ مطعم آپؐ کو زچ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان کی خواہش ہوئی کہ آپؐ بیان کر دیں تاکہ آپؐ کا سچا ہونا ثابت ہو جائے، عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! بیان کر دیجیے۔ میں تو وہاں جا چکا ہوں۔"

آپؐ بے تکلف وہاں کا نقشہ بیان کرنے لگے۔ حالانکہ اس سے پہلے آپؐ وہاں کبھی نہ گئے تھے۔ وہاں جتنے نشانات اور جتنی علامتیں تھیں، آپؐ نے سب بیان کر دیں، آپؐ بیان کر رہے تھے اور لوگ چپ چاپ حیرت کی تصویر بنے سن رہے تھے۔

لیکن ابھی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کی ہٹ دھرمی پھر جاگ اٹھی اور وہ شک کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے:

"ضرور کسی نے تم کو یہ سب بتلا دیا ہے۔ کوئی اور روشن دلیل لاؤ۔"

اب آپؐ راستے میں جن جن چیزوں سے گزرے تھے، ان کو بیان کرنے لگے۔ فرمایا:

"فلاں فلاں قافلے سے میری ملاقات ہوئی۔ فلاں فلاں بستیوں میں سے گزرا۔ فلاں فلاں اونٹنیاں میں نے دیکھیں۔ اتنے قافلے عنقریب ہی پہنچنے والے ہیں اور اتنے ابھی کچھ فاصلہ پر ہیں۔ پھر ان قافلوں کے ساتھ یہ یہ سامان ہیں اور ان کے جانور ایسے ایسے ہیں۔"

مشرکوں نے کہا:

"تمہاری باتوں پر یونہی کیسے یقین آ جائے گا۔ ذرا ٹھہرو قافلوں کو آ لینے دو۔ ان سے بھی پوچھ لیں گے کہ وہ اس رات کہاں تھے؟ اور جو جو علامتیں تم بتا رہے ہو، ذرا اپنی آنکھوں سے بھی ہم دیکھ لیں۔"

اسی وقت ابوبکرؓ بول اٹھے:

"اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے سچ فرمایا، سچ فرمایا"

اب آپؐ نے سر جھکا لیا، اور کچھ دیر یونہی رہے۔ پھر سر مبارک اٹھایا، اور ابوبکرؓ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"ابوبکرؓ! اللہ نے تم کو "صدیق" کا خطاب دیا ہے۔"

پھر مجلس برخاست ہو گئی اور لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ لیکن اب جہاں دیکھئے یہی چرچا تھا۔ اور جدھر دیکھیے اسی کا تذکرہ تھا۔ اب جہاں دو آدمی ملتے اس طرح کی باتیں کرتے۔

کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا عقل یہ باور کرتی ہے؟ کیا اتنی دیر میں اتنے دور کی سیر ممکن ہے؟ کیا خیر محمدؐ نے جھوٹ کا پل باندھا ہو!

ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے اور ہر طرف اس قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ وہ قافلے آ پہنچے۔ دیکھا گیا تو سامان وہی تھے، جو آپؐ نے بتائے تھے اور جانور بھی بالکل ویسے ہی تھے۔

تو کیا مشرکوں نے اب آپؐ کے سامنے سر جھکا دیا؟ نہیں۔ ان کی ہٹ دھرمی اور جوش کر گئی۔ وہ بولے:

"مغیرہ کے بیٹے ولید نے کہا تھا کہ محمدؐ جادوگر ہے۔ اس نے کوئی غلط تھوڑی کہا تھا۔ دیکھو، ان باتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واقعی سچی بات کہی تھی اس نے!"

مشرکوں کی مجلس برخاست ہوگئی تو پیارے نبیؐ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے، اور اللہ نے جن جن بڑی نعمتوں سے آپؐ کو نوازا تھا ان کا تذکرہ کرنے لگے۔ آپؐ نے بیت المقدس سے آسمان پر جانے کا حال سنایا۔ وہاں قدرت کے جو جو جلوے دیکھے تھے، ان کو بیان فرمایا۔ آپؐ نے بتایا کہ اس طرح حضرت جبرائیل مجھے پہلے آسمان پر لے گئے۔ وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ملے۔ حال یہ تھا کہ جب دائیں دیکھتے تو کھل اٹھتے اور ہنسنے لگتے۔ اور بائیں طرف دیکھتے تو مارے غم کے آنسو بھر لاتے، کیونکہ دائیں طرف نیک اولاد کے اعمال تھے اور بائیں طرف برے۔ حضرت آدم نے آپؐ کو دیکھا تو بولے:

"خوش آمدید اے نیک نبی! اے نیک فرزند!"

آپؐ نے پوچھا:

"جبریلؑ یہ کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یہ آدم ہیں، سارے انسانوں کے باپ!"

پھر آپؐ کو وہ دوسرے آسمان پر لے گئے، پھر تیسرے پر، اسی طرح وہ آگے بڑھتے رہے اور ہر آسمان پر یہ دلنواز فقرے کانوں میں گونجتے رہے:

"خوش آمدید اے نیک نبیؐ! اے نیک بھائی!"

یہاں تک کہ آپؐ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ ملے۔ دیکھتے ہی وہ بولے

"خوش آمدید اے نیک نبیؐ! اے نیک فرزند!"

پھر آگے بڑھے، اور آگے، اور آگے۔ راہ میں جمال کے بھی جلوے دیکھے اور جلال کے بھی۔ ہزاروں فرشتے بھی نظر آئے۔ جو سجدہ و تسبیح میں مصروف تھے۔ بڑھتے بڑھتے آپؐ عرشِ الٰہی کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں آپؐ پر اور امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر واپس ہوئے تو حضرت موسیٰؑ کے یہاں سے آپؐ کا گزر ہوا، دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا:

"کہیے، کیا فرض ہوا امت پر؟"

آپؐ نے فرمایا:

"پچاس نمازیں۔"

موسیٰؑ نے فرمایا:

"لوٹ کر جائیے اور رب سے کمی کی درخواست کیجیے چنانچہ آپؐ گئے اور کمی کی درخواست کی اس طرح اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دیں۔"

واپسی میں پھر حضرت موسیٰؑ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے سنا تو فرمایا:

"پھر جائیے اور کمی کی درخواست کیجیے، اتنی نمازیں بھی امت پر گراں ہوں گی۔"

آپؐ پھر لوٹ کر گئے، اور کمی کی درخواست کی، اللہ نے درخواست قبول کی اور کچھ نمازیں پھر کم کر دیں۔ موسیٰؑ کو معلوم ہوا، تو فرمایا

"ایک بار اور جائیے اور مزید کمی کی درخواست کیجیے۔"

آپؐ پھر تشریف لے گئے تو اللہ نے اس بار پانچ نمازیں کر دیں اور فرمایا:

"یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ثواب ان کا پچاس کا ہے، میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔"

پوری رات گزر گئی، اور مخلص ساتھی بیٹھے رہے آپؐ نے آسمان پر جو جو منظر دیکھے تھے اور خدا کی قدرت کے جو جو جلوے نظر آئے تھے پوری دلچسپی سے بیان فرما رہے تھے اور ساتھی مزے لے لے کر سن رہے تھے۔ آپؐ نے جنت میں جو کچھ دیکھا تھا، وہ بھی بیان فرمایا اور نیک ساتھیوں کو مژدہ بھی سنایا کہ:

"جنت میں یہ یہ نعمتیں ہیں، جو تمہارے انتظار میں ہیں۔"

☆☆☆

مُحمَّد عربی ﷺ

اور...... "کارواں" بنتا گیا!

۞

واقعۂ معراج اور کمزور انسان۔

رسولِ خدا کی قافلوں سے ملاقات۔

چند سعید روحیں اسلام کی روشنی میں۔

عیسائیوں کا ایک وفد اور اس کا تاثر۔

قبائل میں آپ کا دورہ۔

اوس وخزرج کی خانہ جنگی۔

اسلام کی کرنیں قبیلہ خزرج میں۔

بیعت عقبۂ اولیٰ۔

مدینہ میں ماہِ اسلام کی تابانی۔

چچا عباس کی تقریر۔

اہل مدینہ کا جوش وولولہ۔

بیعت عقبۂ ثانیہ۔

مشرکین کی بوکھلاہٹ۔

مدینہ میں نئی زندگی کی صبح۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ○

(حم السجدہ: ۳۴)

"برائی کو نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے، پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست۔"

ظلمتوں کے طوفان میں کیا کرنا چاہیے؟ دشمنوں سے کیسا برتاؤ ہونا چاہیے اور بیزار دلوں میں اسلام کو کیسے بسانا چاہیے؟ یہ آیت ان ہی سوالات کا جواب ہے۔ خدائے دانا نے فرمایا:

"اے نبیؐ! ایسے نازک وقت میں آپ کو بہت ہی ہوشیاری اور حکمت سے کام کرنا ہے۔ دشمنوں سے بات کیجئے تو بہت ہی میٹھے انداز میں۔ اعتراضات کے جواب دیجئے تو بہت ہی سنجیدہ لہجہ میں۔ کچھ سمجھائیے تو انتہائی پیار و محبت کے پیرایہ میں، اور اگر وہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں تو صبر کیجئے، کیونکہ جو صبر کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔"

معراج کا حیرت ناک واقعہ ایسا تھا کہ اسے لوگ سنتے اور بھول جاتے کہ یہ دراصل مومنین کے لیے ایک عظیم خوش خبری تھی اور مشرکین کے لیے نہایت زبردست خطرے کی گھنٹی! یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے آپؐ کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ کر دیا، اور طے کر لیا کہ کسی کے ساتھ ذرا بھی رو رعایت نہیں کریں گے۔ مسلمانوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے اور انہیں گھیر گھیر کر ستاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ گھبرا کر محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کی دعوت اور تعلیمات سے بیزار ہو جائیں۔

رسولِ خدا ساری اذیتیں جھیلتے رہے، اور ان کے لیے سراپا خیر و رحمت بنے رہے۔ عرب میں تین بہت مشہور بازار تھے۔ بازار عکاظ، بازار مجنہ، بازار ذی مجاز۔ حاجی ہر سال مکہ جانے سے پہلے ان بازاروں میں جاتے۔ آپ بھی وہاں تشریف لے جاتے اور ان سے ملاقاتیں کرتے۔ منیٰ اور عقبہ جاتے ہوئے بھی حاجیوں کے قافلے جس جگہ ٹھہرتے، آپؐ وہاں جا کر ان سے ملتے اور ان کو دین کی دعوت دیتے اور قرآن کی وہ آیتیں سناتے۔ جن میں شرک کے انجامِ بد کے ڈراوے اور

ایمان کے حسنِ انجام کے وعدے ہوتے، پھر آپؐ ان سے مدد کے لیے کہتے آپؐ کی خواہش تھی کہ قریش کی بدسلوکیوں سے نجات مل جائے تاکہ آپؐ آزادی سے دین کی دعوت دے سکیں اور رب کا بھیجا ہوا پیغام پہنچا سکیں۔

لیکن آپؐ اسی طرح دعوت دیتے اور لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہیں، یہ قریش کو کب گوارا تھا؟ جاں نثاروں کی تعداد بڑھے اور مددگاروں میں اضافہ ہو، یہ انھیں کب برداشت تھا؟ چنانچہ آپؐ جہاں کہیں جاتے تو ابولہب یا دوسرے غنڈے بھی پیچھے ہو لیتے اور کسی کو دعوت دیتے تو یہ فوراً تردید کرتے اور بہتان جوڑتے ہوئے کہتے:

''بھائیو! یہ تو جھوٹا ہے، جادوگر ہے، خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ دیکھو اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا۔ اس کی ایک نہ سننا۔''

چنانچہ قبیلے والوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ برا بھلا کہا اور چہرے پھیر لیے۔ سینکڑوں انسانوں میں بس چند ہی ایسے تھے، جنھوں نے آپؐ کی باتیں سنیں اور تسلیم کیں۔ انھی خوش نصیبوں میں طفیل دوسی بھی تھے۔ یہ بہت اونچے گھرانے کے شاعر تھے۔ عقل و خرد سے بھی بہرہ ور تھے۔ حج کی غرض سے کعبہ آئے تو قریش نے کان بھر دیے اور آپؐ سے دور رہنے کی تاکید کی۔ ان کو قریش کی باتوں پر یقین آگیا اور طواف کرنے چلے تو کان بند کر لیا کہ مبادا آپؐ کی کوئی بات سن لیں۔ وہاں آئے تو آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ طواف کے دوران پاس سے گزر ہوتا تو کانوں میں کوئی نہ کوئی آیت پڑ ہی جاتی۔ غور کیا تو وہ آیتیں بہت بھلی لگیں۔ دل میں سوچا:

''اف، میری نادانی!! میں تو ایک نامور شاعر ہوں۔ عقل و ہوش سے مالا مال ہوں۔ خوب و ناخوب میں خوب تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کی باتیں نہ سننے کے کیا معنی! اچھی ہوئیں تو بہتر ہے ورنہ ٹھکرا دوں گا!!''

چنانچہ آپؐ گھر آنے لگے تو وہ بھی ساتھ ہو لیے اور انھوں نے آپؐ کو اپنی پوری داستان سنائی۔ پھر آپؐ نے قرآن سنایا۔ قرآن سننا تھا کہ دل پگھل گیا اور انھیں ایک قسم کی ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ پھر آپؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے بڑی جرأت مندی اور حق پسندی کا ثبوت دیا۔ فوراً دعوت پر لبیک کہا اور عرض کیا:

''اللہ کے رسولؐ! قبیلے کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک مجھ پر جان دیتا ہے، وہ کوئی

بات کہوں تو اسے ۔ مانا اپنے لیے فخر سمجھتا ہے، جاتا ہوں، میں ان کو بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔"

چنانچہ وہ لوٹ کر گھر آئے اور گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی ۔ سب کو ان پر اطمینان تھا ہی ۔ وہ لوگ فوراً تیار ہو گئے اور اسلام لے آئے بعد میں قوم بھی مسلمان ہو گئی ۔

سارے عرب میں آپؐ کا چرچا ہو گیا ۔ عیسائیوں کو معلوم ہوا، تو انہوں نے آپؐ کے پاس چھان بین کے لیے ایک وفد بھیجا ۔ آپؐ نے ان کو قرآن کی چند آیتیں سنائیں ۔ سنتے ہی ان کے دل دہل گئے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ اب ایک لمحہ کی بھی تاخیر گوارا نہ تھی ۔ وہ فوراً ایمان لے آئے اور جو کچھ آپؐ نے کہا، اس کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو کر واپس ہوئے ۔

راستہ میں ابوجہل اور کچھ قریش مل گئے ۔ دیکھتے ہی وہ غرائے:

"اللہ تمہیں غارت کرے ۔ قوم نے بھیجا تھا کہ حقیقت کی چھان بین کرو، اور صحیح بات کا سراغ لگاؤ ۔ لیکن تمہارا یہ حال! بیٹھے بھی نہیں کہ اس کے جادو میں آ گئے ۔ ارے، اپنا دین کھو بیٹھے ۔"

مگر وفد نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور سب کی ان سنی کر دی ۔ ایمان کی دولت پا کر ان کا دل خوشی سے معمور تھا اور وہ بے تابانہ بڑھے چلے جا رہے تھے، کہ قوم کو نئے دین کی خوش خبری سنائیں ۔

آپؐ کی خبر سن کر جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور پھر اس دولت سے خوب مالا مال ہوئے، ان میں صامت کے بیٹے سوید بھی ہیں یہ مدینے کے بہت معزز لوگوں میں تھے ۔ شاعری میں ماہر اور بہادری میں طاق تھے ۔ خاندانی اعتبار سے بھی اونچا درجہ رکھتے تھے ۔ اس لیے قوم کے لوگ ان کو "کامل" کہتے ۔ یہ حج کی غرض سے مکہ آئے ۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو ان کے پاس تشریف لائے ۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات رکھیں اور خدا پرستی کی دعوت دی ۔ سوید نے کہا:

"شاید جو میرے پاس ہے، وہی آپؐ کے پاس بھی ہے ۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"کیا ہے آپ کے پاس؟"

سوید نے کہا:

"حکیم لقمان کی حکمتیں!"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"ذرا کچھ سنایئے تو۔"

سوید کو جتنی حکمتیں معلوم تھیں، سب سنا دیں۔ آپؐ غور سے سنتے رہے۔ پھر فرمایا:

"یہ تو بہت اچھی ہیں، لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اور بہتر ہے۔ میرے پاس قرآن ہے، خدا کی آخری کتاب۔ جو سراپا نور و ہدایت ہے۔"

پھر آپؐ نے ان کو قرآن سنایا اور نئے دین کی دعوت دی۔ سوید بہت متاثر ہوئے۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

"یہ تو بہت عمدہ ہے۔"

اس کے بعد سوید مدینے لوٹ آئے جو کچھ سنا تھا وہ ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے وہ بار بار سوچتے رہے۔ پھر بعد میں قتل ہوئے تو مسلمان تھے۔ قصہ یہ ہوا کہ مدینے میں یہود بھی آباد تھے۔ یہ لگانے بجھانے اور چالیں چلنے میں ماہر تھے۔ اسی کا کرشمہ تھا کہ اوس و خزرج باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ان میں بہت زوروں کی خانہ جنگی ہوئی۔ سوید اسی میں کام آ گئے۔

مدینے سے آ کر جو لوگ اسلام لائے، ان میں ایاس بھی ہیں۔ یہ معاذ کے بیٹے تھے اور ابھی کم سن تھے۔ اوس و خزرج میں جنگ تو چل ہی رہی تھی۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ عرب کے جتنے قبیلے مل سکیں، ان کو وہ اپنا حلیف بنا لے۔ اور اس طرح فریق مخالف پر غالب آ جائے۔ چنانچہ اوس کے کچھ لوگ آئے، کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں۔ انہی میں ایاس بھی تھے آپؐ کو خبر ہوئی، تو ان کے پاس آئے اور اسلام کی دعوت دی۔ نیز قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ ایاس نے سنا تو بولے:

"میری قوم! خدا کی قسم، جس کے لیے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے یہ بہتر ہے۔"

لیکن ان کو تو جنگ کی دھن تھی، اور رات دن اسی کی فکر، قافلہ کا سردار ابوالحسیس تھا۔ اس نے زمین سے کنکریاں اٹھائیں اور ان کے منہ پر پھینک ماریں۔ پھر بڑی لاپروائی سے بولا:

"چپ بھی رہو، ہم کوئی اس لیے تھوڑی آئے ہیں۔"

لیکن ایاس[1] اسی وقت اسلام لے آئے۔ پھر کچھ ہی دن گزرے کہ اوس و خزرج میں جنگ کے شعلے اٹھے۔

بہت سے قبیلوں میں آپؐ خود گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ نیز بڑی دلسوزی سے مدد کی

---

[1] ایاس حضورؐ کی ہجرت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ لوگوں نے دیکھا مرتے وقت ان کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

درخواست کی، لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور ہر ایک نے سنی ان سنی کر دی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔

کسی نے تو سوچا کہ ہمارا شہر ہر ایک کو عزیز ہے۔ اگر ہم نے محمدؐ کا ساتھ دیا تو اندیشہ ہے کہ لوگوں کو ناگوار ہوگا، اور پھر یہاں آنا دل پر بار ہوگا۔ قبیلۂ ثقیف کے یہی رکاوٹ تھی۔ طائف کی آب و ہوا بہت خوشگوار تھی۔ ہر ایک کو پسند آتی۔ چنانچہ گرمیاں آتیں تو وہاں رئیسوں کی چہل پہل ہوتی۔ ثقیف کو خطرہ تھا کہ اگر محمدؐ کا ساتھ دیا۔ تو وہ طائف کا "طواف" کرنا چھوڑ دیں گے۔ عرب کا مشہور بت "لات" بھی وہیں تھا۔ جو عام و خاص کی زیارت گاہ تھا۔ ایمان لانے سے اس کے لیے بھی خطرہ تھا۔

کچھ قبیلے ایسے بھی تھے، جن کو سرداری کی ہوس تھی۔ قبیلۂ بنو عامر کا یہی حال تھا۔ انہوں نے آپؐ سے کہا:

"ہم ایمان تو لے آئیں گے۔ لیکن آپؐ کے بعد حکمران ہم ہوں گے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"حکومت اور سرداری تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، اس سے نوازتا ہے۔"

انہوں نے سنا تو یہ کہتے ہوئے گردنیں پھیر لیں کہ ہم تو آپؐ کے لیے گردنیں کٹوائیں، پھر غلبہ نصیب ہو جائے تو سرداری دوسرے کریں۔ جائیے "آپؐ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

کندہ، کلب، بنو حنیفہ، بنو معتر عرب کے مشہور قبیلے تھے۔ یہ اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنے قبیلے تھے۔ سب نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کسی نے بھی آپؐ کی مدد نہ کی۔ وہ کہتے کہ آدمی کا حال گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر اس میں ذرا بھی خیر ہوتی، تو گھر والے کیوں بھگاتے؟

غرض ہر جگہ ناکامی ہوئی اور کسی نے بھی آپؐ کی حمایت نہ کی۔ بعضوں نے تو بڑی بے دردی کا سلوک کیا اور سختی سے انکار کر دیا اور اگر کچھ قبیلے انسانیت سے پیش آتے بھی، اور شرافت سے آپؐ کی باتیں سننے کے لیے تیار ہوتے، تو ابولہب آ پہنچتا۔ اور ان کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتا ہوا کہتا:

"بھائیو! یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزّیٰ کو چھوڑ دو، اور اس کی خرافات میں پھنس جاؤ، تو دیکھو، اس کی باتیں ہرگز نہ ماننا۔ اس کے فریب میں کبھی مت آنا۔"

اس طرح ابولہب کی باتیں سن کر وہ لوگ بھی بھڑک جاتے اور پھر ان کے بھی تیور بگڑ جاتے۔

☆☆☆

اوس وخزرج مدینہ کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک مدت سے ان بن تھی۔ آپؐ نبی ہوئے تو یہ ان بن پورے شباب پر تھی اور پہلے سے زیادہ اونچے پیمانہ پر تھی۔ آپس میں تو تھی ہی۔ پڑوسی یہودیوں سے بھی ہو گئی۔ اسی لیے ان میں ہمیشہ جنگ رہتی۔ کبھی اوس وخزرج میں، کبھی اوس اور یہود میں، کبھی خزرج اور یہود میں، اس طرح مدینہ میں کسی نہ کسی رنگ میں جنگ جاری ہی رہتی تھی۔ ایک کی آگ بجھنے بھی نہ پاتی کہ دوسری بھڑک اٹھتی۔

لیکن یہودی بڑے مکار اور چالوں کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اوس وخزرج عموماً ایک ہو کر رہتے ہیں۔ اس میں تو ہمارے لیے بڑا خطرہ ہے۔ سارے آدمی کٹے جا رہے ہیں۔ ساری دولت ڈوبتی جا رہی ہے۔ مدینہ کے ہم سردار تھے۔ اب یہ سرداری بھی دم توڑ رہی ہے اب کوئی ایسی چال چلنی چاہیے کہ دونوں کے دل بالکل ہی پھٹ جائیں کہ وہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں اور جڑنے کا نام نہ لیں۔ آپس ہی میں لڑتے رہیں اور ہماری طرف مڑ کر نہ دیکھیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے نام سے جلنے لگے اور باہم ایک دوسرے کو مٹانے کے درپے ہو گئے۔ اب ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے، اور پھر بجھتے بجھتے ماہ و سال بیت جاتے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ رشتۂ اخوت پارہ پارہ ہو گیا اور پھر ان کے اعضا تھک کر چور ہو گئے۔ بے پناہ دولت تباہ ہو گئی۔ اور نہ جانے کتنے انسان ضائع ہو گئے پھر بھی وہ نہ مانے اور خون کی ہولی کھیلتے رہے۔

اس وقت یہودیوں کی پالیسی بھی کتنی گہری تھی! وہ ہارے ہوئے کی مخالفت کرتے اور جیتے ہوئے کی پیٹھ ٹھونکتے۔ تاکہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں بالکل ہی کمزور ہو جائے اور اس طرح ان کی قوت وشوکت بڑھے۔ ساتھ ہی وہ دونوں پر اپنی سرداری قائم رکھنے کی بھی کوشش کرتے۔ خود تو اونچے اونچے کام چن لیتے اور تجارتی منڈیوں پر قبضہ کر لیتے اور ان کے لیے چھوٹے چھوٹے کام چھوڑ دیتے۔ پھر یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے۔ کتاب وشریعت کے حامل تھے اور اوس وخزرج بت پرست تھے اس لیے ان کو اس پر بھی بڑا ناز تھا۔ چنانچہ یہ اپنی بڑائی جتانے کے لیے انہیں عار دلاتے اور ان کے سامنے انجام کی نہایت بھیانک تصویر کھینچتے۔ حضورؐ کے سلسلہ میں

پنی کتابوں کی پیشین گوئیاں سناتے اور کہتے:

"ایک نبی آنے والا ہے۔ اسکا وقت بس قریب ہے۔ ذرا وہ آ جائے، تب دیکھنا۔ ہم کس طرح تمہارے چھکے چھڑاتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور پھر عاد وارم کی یاد تازہ کریں گے۔"

عرصہ تک مدینہ والوں کا یہی حال رہا۔ اس وقت بھی یہی حالات تھے، جبکہ اوس کا وفد قریش کو اپنا حلیف بنانے آیا تھا۔ اسی موقع پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ ایاس بن معاذ نے اسی دم لبیک کہا تھا اور بقیہ نے ماننے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اس وقت انہیں بس جنگ کی دھن تھی، اور وہ اسی کے نشہ میں چور تھے۔ لیکن اس وقت اوس نے اگرچہ آپ کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ لی اور بڑے روکھے پن سے انکار کر دیا لیکن گھر لوٹے، تو دل پر کافی اثر تھا اور ذہن میں بار بار وہ باتیں گونج رہی تھیں۔

پھر............اوس و خزرج میں جنگ کے تیز اور ہولناک شعلے بھڑک اٹھے۔ قریب تھا کہ پوری آبادی ان کی لپیٹ میں آ جاتی اور سب کے سب بھسم ہو جاتے، لیکن حسن اتفاق کہ یہودی اوس سے مل گئے۔ اس طرح ان کی فتح ہو گئی۔ اور جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ اب دونوں نے اپنی اپنی حالت پر نظر ڈالی اور جنگ کے اثرات و نتائج کا جائزہ لیا۔ انجام سامنے آیا تو دونوں کے اوسان جاتے رہے۔ یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے، کہ اس میں بے شمار جانیں ہلاک ہو گئیں۔ بے پناہ مال تباہ ہو گیا۔ ساری قوت برباد ہو گئی اور جاہ و شوکت کا محل زمین پر آ رہا۔ نیز انہوں نے محسوس کیا کہ اب تو ہم یہودیوں کے غلام اور محکوم ہیں۔ جو ہارے ہیں وہ بھی اور جو جیتے ہیں وہ بھی۔

یہی وہ ہولناک جنگیں ہیں جو جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی تباہیوں اور بربادیوں کے قصے اب تک دنیا کو یاد ہیں۔

جنگ کا خوفناک انجام دیکھ کر دونوں قبیلے چونک گئے اور دونوں نے مل کر عزم کیا کہ اب ہم اتحاد اور محبت سے رہیں گے اور وقت پڑا ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں گے۔

غرض ان میں صلح ہو گئی اور دونوں نے طے کیا کہ اوس و خزرج کا سردار ایک ہی ہو۔ اس کے لیے ان کی نظریں عبداللہ بن ابی پر پڑیں۔ یہ خزرج کا آدمی تھا۔ دانائی اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ حسن تدبیر میں ہر طرف اس کا چرچا تھا۔ اثر و رسوخ میں بھی وہ سب سے آگے تھا۔ چنانچہ سب نے

تائید کی اور بات طے ہوگئی۔ نیز جشن تاج پوشی کے لیے تاریخ بھی پڑ گئی، لیکن اچانک حالات کا رُخ بدلا۔ اور یہ کام ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کیونکہ غیب سے عزت و سر بلندی کے لیے کچھ اور ہی سامان ہو رہا تھا۔ جو ان کے لیے زیادہ بہتر بھی تھا اور اس تدبیر سے زیادہ کارگر بھی۔

☆☆☆

۞

نبوت کا دسواں سال تھا۔ جنگ بعاث کے بعد محترم مہینے آئے، تو خزرج کے چھ آدمی حج کے ارادے سے نکلے۔ ساتھ میں قبیلہ بنو نجار کے بھی دو آدمی تھے۔ یہ رشتہ میں عبدالمطلب کے ماموں تھے۔ وہی عبدالمطلب، جو پیارے نبیؐ کے دادا تھے۔ یہ لوگ مکہ جا رہے تھے۔ عقبہ نامی ایک مقام پر پہنچے تو آپؐ سے ملاقات ہو گئی۔ دیکھتے ہی آپؐ نے پوچھا:

"کون ہیں آپ لوگ؟"

انہوں نے جواب دیا:

"خزرج"۔

آپؐ نے فرمایا:

"یہودیوں کے ہمسایہ؟"

انہوں نے کہا:

"ہاں"۔

آپؐ نے فرمایا:

"ذرا بیٹھیں گے نہیں۔ کچھ باتیں کریں؟"

انہوں نے کہا:

"جی ہاں، ضرور۔"

چنانچہ وہ آپؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپؐ نے ان کو دین کی دعوت دی اور اسلام کی باتیں بتائیں۔ کچھ قرآن بھی پڑھ کر سنایا۔ اور بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپؐ کی باتیں سن کر وہ بہت حیران ہوئے۔ اور دل پر بڑا اثر ہوا۔ آپس میں انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم! یہ وہی نبیؐ ہیں، جن کی یہودی دھمکی دے رہے تھے۔ خدا کی قسم! اب وہ ایمان میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔"

چنانچہ اسی وقت وہ ایمان لے آئے اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا، کانوں نے سنا، اور دلوں نے

محفوظ کر لیا۔ پھر انہوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! ہماری قوم میں جتنی بدی اور عداوت ہے، کسی بھی قوم میں نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ آپ کی برکت سے دلوں کو جوڑ دے اور سب آپ کے گرد اکٹھا ہو جائیں کیونکہ آپ سے زیادہ ہر دلعزیز تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

اسلام لا کر ان لوگوں نے خوشی خوشی حج کیا۔ پھر قوم کی طرف پلٹے کہ ان کو نئے نبی کی خوشخبری سنا دیں۔ وہی نبی، جس کی آمد کی یہود دھمکیاں دے رہے تھے۔ مگر وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہیں تو پہلے ہی یہ مژدہ سن چکے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ جو نہ جتنے دل نئے دین کے لیے بیتاب ہیں اور بہت جانیں تھیں جیسے کہ نذر دینے کے لیے سراپا انتظار ہیں۔

دوسرے سال حج کے دن آئے تو اوس و خزرج کے بارہ آدمی مکہ کے لیے گھر سے نکلے۔ عقبہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور یہاں ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اور عہد کیا کہ اب شرک نہیں کریں گے۔ چوری سے دور رہیں گے۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اور کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔

آپ نے فرمایا:

"اگر اس عہد کو نباہا تو اللہ جنت دے گا۔ اور اگر ان میں سے کوئی برائی سرزد ہو گئی تو مولیٰ کی مرضی پر ہے۔ چاہے گا تو معاف کر دے گا۔ اور چاہے گا تو عذاب دے گا۔"

یہی بیعت "بیعت عقبہ اولیٰ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور یہ نبوت کے گیارہویں سال ہوئی۔

پھر وہ لوگ مدینہ لوٹے، تو آپ نے مصعب بن عمیر کو بھی ساتھ کر دیا کہ وہ اہل مدینہ کو قرآن پڑھائیں اور انہیں دین کے احکام سکھائیں۔

اس طرح مدینہ میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ لوگ پہلے ہی سے حق کے پیاسے تھے۔ اور مدت سے اس کے لیے تڑپ رہے تھے۔ اسلام کو پا کر ان کی پیاس بجھی۔ اور دلوں کی بے چینی دور ہوئی۔ اس لیے حضرت مصعبؓ کو اشاعت اسلام میں کوئی خاص زحمت نہ ہوئی۔ لوگ پروانہ وار دین پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اور حضرت مصعبؓ پورے جوش اور ولولے سے ان کو علم دین سکھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اتنی غیرت اور حمیت سے سرشار ہوتے اور اسلام کی طرف دیکھنا بھی

عار سمجھتے۔ لیکن جونہی دین کی برکتیں دیکھتے، اور قرآن کی چند آیتیں سنتے، پتھر سے موم ہو جاتے۔ خود بھی اسلام میں آ جاتے۔ اوروں کو بھی اس کی دعوت دیتے۔

حضرت مصعبؓ مدینہ والوں کو دین سکھاتے اور نمازیں پڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ گھر گھر دین کا چراغ روشن ہو گیا اور گلی گلی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ بس کچھ ہی بدنصیب تھے، جو شرک پر اَڑے رہے۔ اور آبائی دین چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔

اللہ اہل مدینہ کا بھلا کرے! ایک ہی سال میں وہاں اتنے مسلمان ہو گئے، کہ مکہ میں برسوں میں نہ ہوئے!

انہوں نے محمدؐ کے نام کا جھنڈا لہرایا اور ہر طرف آپؐ کا بول بالا کیا۔ ٹھیک اس وقت جبکہ قوم آپؐ کو مٹا دینے کے درپے تھی! اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں، اگر مسلمانوں کے دل اہل مدینہ کی محبت سے لبریز ہو گئے۔ ان سے قریب ہونے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ اور ان تک پہنچنے کے لیے اس طرح تڑپنے لگے، جیسے پنجرے میں ایک پرندہ۔

حضورؐ بھی اس مسئلہ میں کافی فکرمند تھے۔ کیونکہ اب ایسے جانباز مل گئے تھے، جو آپؐ کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھے! ایسے مددگار مل گئے تھے، جو آپؐ کی حمایت کے لیے سراپا انتظار تھے۔! اور ایسے انصار مل گئے تھے، جو آپؐ پر نثار ہونے کے لیے بیقرار تھے!

پھر لگاتار ایسی خبریں آ رہی تھیں، جو آپؐ کے لیے انتہائی مسرت بخش تھیں۔ اور جو ایک نہایت حسین اور تابناک مستقبل کا پتہ دے رہی تھیں۔

مدینہ والوں نے دل و جان سے آپؐ کی باتیں قبول کی تھیں اور انہوں نے عزم کیا تھا کہ آپؐ کی مدد کریں گے اور جان پر کھیل کر آپؐ کی حفاظت کریں گے چنانچہ ان کی شدید خواہش ہوتی کہ کسی طرح آپؐ کی حمایت کا شرف انہیں حاصل ہو جائے۔ ایک روز آپس میں وہ بولے:

"رسول خدا مکہ میں پریشان ہیں۔ مدد کے لیے پکارتے ہیں، لیکن کوئی نہیں سنتا۔ آخر یہ شرمناک منظر ہم کب تک دیکھتے رہیں گے؟"

پھر انہوں نے طے کیا کہ اب کی بار حج کے دن آئیں تو مکہ جائیں گے اور رسول خدا کو مدینہ بلائیں گے نیز آپؐ سے ہر طرح کی حفاظت اور مدد کا عہد کریں گے۔

حضرت مصعبؓ بھی مکہ لوٹ آئے۔ اس طرح جو جو باتیں آپؐ جاننا چاہتے تھے، وہ سب

ان سے جاملے۔ پھر محرم میں آئے تو مدینے سے بہت بڑا قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ قافلے میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ مسلمانوں کی تو نیت تھی، آپؐ سے ملیں گے اور وفاداری اور جاں نثاری کا عہد کریں گے۔ مگر یہ ایک راز تھا جس سے مشرک ساتھی بالکل بے خبر تھے۔

نبوت کا بارھواں سال تھا کعبہ میں ان کی آپؐ سے ملاقات ہوئی۔ اور وہیں پر عہد و بیعت کے لیے مناسب جگہ بھی تجویز ہوئی۔

رات کا تہائی حصہ گزر گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سارے ہنگامے خاموش ہو گئے۔ قریش نیند کے نشے میں مست ہو گئے۔ یہودی بھی محو خواب ہو گئے۔ اس وقت مدینے کے مسلمان چپکے سے اٹھے ان میں تہتر مرد تھے اور دو عورتیں۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور مکے سے کچھ فاصلہ پر عقبہ پہنچ گئے۔ وہاں وہ ٹیلوں اور چٹانوں کی آڑ میں دبک گئے اور آپؐ کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر میں آپؐ بھی آ گئے۔ ساتھ میں چچا عباس بھی تھے۔ یہ ابھی تک قومی دین پر ہی تھے لیکن آپؐ کے راز دار تھے۔ اس لیے ان کی بھی خواہش ہوئی کہ اس اہم موقع پر موجود رہیں اور مدینہ والوں کے کیا ارادے اور کیا عزائم اور حوصلے ہیں؟ اس کا خوب اندازہ کر لیں۔ چنانچہ انہی نے کارروائی کا آغاز کیا۔ بولے:

"اوس و خزرج! محمدؐ کا ہم میں جو مقام ہے، اس سے تم سب واقف ہو۔ انہیں ہم نے دشمنوں سے بچایا اور ہمیشہ ڈٹ کر ان کی طرف سے مقابلہ کیا ہے۔ یہ اپنے وطن میں بالکل محفوظ ہیں۔ دشمنوں سے انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ مگر یہ تمہارے ہی یہاں جانے کے لیے بیتاب اور تمہارے ہی پاس رہنے کے آرزومند ہیں تو اگر تم میں اپنے وعدوں کو وفا کرنے اور انہیں دشمنوں سے بچانے کا حوصلہ ہو تو ٹھیک ہے خوشی سے لے جاؤ۔ لیکن کوئی پریشانی ہوئی تو ہم...... تمہیں بھول سکیں گے۔ اور اگر بیوفائی کا خیال ہے۔ تو بھائی ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ یہاں عزت سے ہیں اور سارے اندیشوں سے محفوظ ہیں۔"

چچا عباس تقریر سے فارغ ہوئے تو اہل مدینہ بولے:

"آپ کی باتیں ہم نے سن لیں۔ اللہ کے رسولؐ! اب آپؐ کچھ فرمائیں اور جس بات پر چاہیں، ہم سے قسمیں لے لیں۔"

آپؐ نے قرآن پاک کی چند آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا:

"جن چیزوں سے تم اپنے بال بچوں کو بچاتے ہو، کیا مجھ کو بھی بچاؤ گے؟ میں بس اتنا ہی اطمینان چاہتا ہوں۔"

اہل مدینہ میں ایک شخص براء تھے۔ یہ معرور کے بیٹے تھے۔ اور قوم کے بہت بڑے سرداروں میں تھے۔ سارے لوگ ان کی عزت کرتے تھے بے تکلف انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ اور یہ کہتے ہوئے دست مبارک پر بیعت کی:

"ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپ کو بچائیں گے۔ اللہ کے رسولؐ! ہم سے آپؐ بیعت لے لیں۔ بخدا ہم تو لڑائی کے شہسوار ہیں۔ آپؐ جب چاہیں، جنگ کے لیے تیار ہیں۔ جنگ سے بھاگنا تو ہمارے لیے عار ہے کہ یہی باپ دادا کا شعار ہے۔"

براء نے ابھی بات ختم بھی نہ کی تھی، کہ جہان کے بیٹے ابوالہیثم بول اٹھے۔ یہ بھی مدینہ کے معزز لوگوں میں تھے۔ عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! ہمارے یہود سے کافی پرانے تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ اللہ آپ کو فتح عطا فرمائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں لوٹ آئیں۔"

یہ سن کر آپؐ بے اختیار مسکرا پڑے۔ پھر فرمایا:

"نہیں۔ میرا خون تمہارا خون ہے۔ میری آبرو تمہاری آبرو ہے۔ میری امان تمہاری امان ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ جس کو تم معاف کرو گے، اس کو میں بھی معاف کروں گا۔ جس سے تمہاری جنگ ہوگی، اس سے میری بھی جنگ ہوگی اور جس سے تمہاری صلح ہوگی، اس سے میری بھی صلح ہوگی۔"

اس کے بعد لوگ بیعت کے لیے بڑھنا ہی چاہتے تھے۔ کہ ایک صاحب بول اٹھے۔ یہ عبادہ کے بیٹے عباس تھے۔ انہوں نے کہا:

"اوس و خزرج کے بھائیو! تمہیں خبر بھی ہے۔ کس بات پر بیعت کرنے جا رہے ہو؟ (آوازیں، ہاں، خوب معلوم ہے) سن لو، اس شخص پر بیعت کرنا ساری دنیا سے جنگ مول لینا

ہے۔ تو اگر یہ خیال ہے، کہ مال و دولت کو خطرہ ہوا، یا قوم کے سردار مارے گئے، تو ساتھ چھوڑ دو گے، تو بھائی ابھی سے چھوڑ دو، کیونکہ بعد میں چھوڑو گے، تو نہ ہی دنیا کے رہو گے، نہ آخرت ہی کے۔ اور اگر مالی نقصان اٹھانے اور سرداروں کی ہلاکت پر صبر کر لینے کی ہمت ہے، تب ضرور لے چلو۔ دنیا و آخرت دونوں میں بامراد ہو گے۔"

سب یک ساتھ بول اٹھے۔

"مالی نقصان ہمیں گوارا ہے۔ سرداروں کا قتل ہونا بھی گوارا ہے۔ پر رسول خداؐ کو چھوڑنا گوارا نہیں۔ اللہ کے رسول! عہد پر قائم رہیں، تو ہمارا کیا اجر ہوگا؟"

ارشاد ہوا:

"جنت ملے گی، جنت۔"

سب نے کہا:

"تو اپنا ہاتھ لائیے۔"

آپ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سب نے باری باری بیعت کر لی۔

یہی بیعت ہے، جو "بیعت عقبہ ثانیہ" کے نام سے مشہور ہوئی۔

ٹھیک اسی وقت یکا یک ایک زور کی چیخ بلند ہوئی۔ اور خاموشی کو چیرتی ہوئی ساری فضا میں پھیل گئی!

قریش کے لوگو! یہ اوس و خزرج تم سے جنگ کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ دیکھو: یہ محمدؐ سے جاں نثاری کی قسمیں کھا رہے ہیں۔

یہ آواز کیا تھی؟ دراصل ایک خطرہ کی گھنٹی تھی۔ لیکن یہ بھی مسلمانوں کے عزم و حوصلہ کو نہ ہلا سکی۔ فکر و تشویش تو درکنار، عبادہ کے بیٹے عباس کو اور جوش آ گیا۔ وہ بولے:

"اللہ کے رسولؐ! قسم ہے اس ذات کی، جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اجازت ہو تو کل ہم اہل منیٰ پر چڑھائی کر دیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ہمیں اس کا حکم نہیں۔ جلدی سے تم سب اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔"

چنانچہ مسلمان فوراً اپنی اپنی خواب گاہوں پر پہنچ گئے اور آنکھیں بند کر کے سو رہے۔

صبح ہوئی تو قریش نے اہل مدینہ کے خیموں کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر انہیں سخت سست کہا۔ آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے وہ بولے:

"مدینہ والو! خدا گواہ ہے کہ ہر قبیلے سے جنگ کرنا ہمیں گوارا ہے پر تم سے کرنا گوارا نہیں۔ پھر تم یہ کیا منصوبے بنا رہے ہو؟ محمدؐ کو اپنے یہاں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟ کیوں ہمارے مقابلے میں تلواریں تولنا چاہتے ہو؟"

مدینہ کے مشرکوں کو تو رات کی کارروائی معلوم نہ تھی۔ اس لیے سرداران قریش کی یہ باتیں سن کر وہ بہت چکرائے اور بڑی بڑی قسمیں کھانے لگے کہ محمدؐ کی ہم سے تو کوئی بھی بات چیت نہیں ہوئی۔

مگر مسلمان اس بارے میں کچھ نہ بولے۔ البتہ وہ کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح بات کا رخ بدل جائے اور کوئی دوسری گفتگو چھڑ جائے۔

قریش نے یہ صورت دیکھی، تو سخت حیران ہوئے، کہ ماجرا کیا ہے؟ وہ لوٹ آئے۔ لیکن ذہن پریشان تھے۔ وہ بار بار سوچتے:

"کیا سچ مچ رات کو ایسا واقعہ ہوا ہے؟ کیا مخبر نے ہم کو صحیح خبر دی ہے؟ اور مدینہ والے جھوٹ بول رہے ہیں؟ یا یہ خبر ہی غلط ہے، اور مدینہ والے سچے ہیں؟"

اب انہیں صحیح صورت حال جاننے کی دھن تھی اور بس۔ چنانچہ انہوں نے حقیقت کی چھان بین شروع کر دی اور اس میں اپنی ساری قوت اور ذہانت لگا دی۔

ادھر اہل مدینہ نے جھٹ رخت سفر باندھا، اور اپنے وطن کا رخ کیا، کہ کہیں قریش کو پتہ چل گیا تو ان سے جان چھڑانا دشوار ہوگا۔

............☆☆☆..........

انصار کا اندازہ صحیح نکلا۔ قریش بہت جلد ساری بات جان گئے۔ اور رات میں جو کچھ ہوا تھا، سب خبر پا گئے۔ اب جیسے ان کے ہوش اڑ گئے۔ غصہ سے وہ بوکھلا گئے۔ اور فوراً انصار کا پیچھا کیا، کہ وہ ہاتھ سے جانے نہ پائیں۔

لیکن ناکامی ہوئی۔ اور انصار کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔ البتہ ایک انصاری پکڑ گئے۔ یہ عبادہ کے بیٹے سعد تھے۔ اب کیا تھا۔ ظالموں نے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔ ان کی مشکیں باندھ دیں۔ اور مارتے پیٹتے، بالوں کے بل گھسیٹتے مکہ لائے اور وہاں پہنچ کر انہیں مسلسل ستاتے رہے مکہ ہی میں دو آدمی تھے۔ جبیر اور حارث، یہ دونوں سوداگر تھے۔ اس لیے شام بھی جایا کرتے تھے۔ راستہ میں مدینہ سے گزرتے، تو سعد ہی ان کو پناہ دیتے اور ان کا مال تجارت لٹنے سے بچاتے۔ اس احسان کے بدلے میں دونوں نے سعد کو پناہ دے دی۔ اس طرح کہیں جا کر ان بیچارے کی جان چھوٹی۔

قریش نے جلسے پر جلسے کیے۔ وہ گھنٹوں سر جوڑ کر بیٹھتے رہے اور باہم مشورہ کرتے رہے کہ محمدؐ کے سلسلہ میں کیا کیا جائے! کس طرح اسے ناکام کیا جائے۔

اب تک محمدؐ ہمارے درمیان تھا۔ لیکن ہم عاجز آ گئے۔ الٹا ہم کو نقصان ہی پہنچا۔ اب کیا ہوگا، اب تو اوس و خزرج بھی اس کے ساتھ ہیں!

کیا محمدؐ ہم پر غالب آ جائے گا؟ اس کا دین مدینہ میں تو پھیل گیا، کیا اور قبیلوں میں بھی پھیل جائے گا! اور کیا اس طرح وہ ہم کو فنا کر دے گا، ہمارے محبوب شہر کو ویران کر دے گا، ہمارے سارے بتوں کو مسمار کر دے گا، جبکہ ہم اسی کے لیے برسوں لڑتے رہے، جان لڑا کر برسوں مقابلہ کرتے رہے۔

قریش کے جلسے ہوتے رہے۔ نشست و برخاست ہوتی رہی۔ لیکن...... بے فائدہ۔ یہ مسئلہ ان کو ستاتا رہا۔ لیکن حل...... نامعلوم تھا۔

اور مدینہ کے مسلمان؟ ان کا کیا حال تھا؟ اب ان کا عالم ہی اور تھا۔ مکہ کی بیعت ان کے

لیے اک نئی زندگی کا آغاز تھی۔ اب سینوں میں سکون واطمینان کی ٹھنڈک تھی۔ اور دلوں میں یقین کی کیفیت۔ اب ان کی روحانیت بڑھ رہی تھی۔ اور عزم میں پختگی آ رہی تھی۔ اب وہ اسلام کے پرجوش مجاہد تھے۔ جہاں ہوتے ' اسلام کے نعرے لگاتے۔ اور جس سے ملتے اسی کے گن گاتے۔

پھر ان کی دینی غیرت کو اور جوش آیا۔ اور اخلاص ویقین میں اور برکت ہوئی۔ یہاں تک کہ گھر گھرانے کے جو لوگ اب تک شرک پر تھے ان کے بتوں پر انہوں نے دست درازی شروع کر دی۔ موقع پا کر ان کو وہ توڑ پھوڑ دیتے۔ یا رات میں غوث ہو جاتے ' تو انہیں غلاظت میں ڈال آتے۔ پھر صبح ہوتی اور مشرک مورتیوں کی یہ گت دیکھتے تو تلملا کر رہ جاتے۔ اور ان کو دھو دھا کر پھر وہیں رکھ دیتے۔ مسلمان موقع پا کر پھر وہی کرتے۔ یہی تماشہ ہوتا رہتا ' یہاں تک کہ مشرکوں کو ہوش آ جاتا ' اور وہ سوچتے:

"جن کو ہم نے دیوتا بنایا ہے ' وہ کتنے بے بس اور حقیر ہیں۔ اپنے نفع نقصان پر بھی تو قادر نہیں!"

چنانچہ کچھ عقلوں پر سے پردے ہٹ جاتے ' اور وہ توبہ کر کے دین اسلام میں آ جاتے۔

اس طرح مدینہ کی فضا بالکل تیار ہو گئی کہ

پیارے نبیؐ جائیں ' تو سر آنکھوں پہ بٹھائے جائیں۔

پاک ساتھی جائیں ' تو ہاتھوں ہاتھ لیے جائیں۔

اور پھر؟

وہاں اک نئے دور کا آغاز ہو سکے۔

لہٰذا اب خدا کا حکم آ گیا اور آپؐ نے سب کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ فرمایا:

"تم لوگ ہوشیاری کے ساتھ مدینہ چلے جاؤ۔ اور ایک ایک ' دو دو کر کے جاؤ۔ قافلوں کی شکل میں نہ نکلو ' کہ خواہ مخواہ قریش کی نظریں اٹھیں اور وہ تمہارے ارادوں کو بھانپ لیں۔"

اس طرح بہت سے مسلمان کوچ کر گئے اور قریش بالکل بے خبر رہے۔ لیکن یہ بات چھپنے والی کب تھی؟ آخرکار وہ بھی جان گئے اور ساری صورت حال بھانپ گئے۔ اس سے ان کا غصہ اور بڑھا ' اور سینہ جوش انتقام سے کھولنے لگا۔ چنانچہ اب وہ ہاتھ دھو کر مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔ اور دن رات گھات میں رہنے لگے ' کہ کوئی مکہ سے باہر نہ جا سکے۔ اور ہجرت کی ساری اسکیم فیل

ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے ہجرت کی، تب بھی یہی حالات تھے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ ایک ربیعہ کے بیٹے عیاشؓ تھے اور دوسرے عاص کے بیٹے ہشام تینوں نے طے کیا کہ جس کو جب موقع ملے، مکہ سے نکل جائے۔ پھر ایک جگہ سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر کوئی نہ آئے، تو سمجھ لیں کہ وہ قریش کی گھات میں آ گیا۔ پھر بقیہ دونوں سفر کو آگے بڑھائیں۔

متعینہ جگہ پر عمرؓ اور عیاشؓ پہنچ گئے۔ لیکن ہشامؓ نہ آئے۔ اس طرح دونوں سمجھ گئے کہ ہشامؓ مشرکوں کے پھندے میں آ گئے اور پھر دونوں مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ادھر ہشام کی جان پر بن گئی۔ مشرکوں نے خوب خوب دل کا بخار نکالا۔ اتنا ستایا، کہ دین پر قائم رہنا ان کے لیے دشوار ہو گیا۔

قریش کا یہی انداز رہا۔ دن رات کا یہی برتاؤ رہا۔ بدقسمتی سے جو بھی ان کے ہاتھ لگ گیا، بے دردی سے اسے چیر کر رکھ دیا گیا۔ بالآخر تڑپ تڑپ کر اس نے دم توڑ دیا۔ اسی طرح کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اور کتنے ہی بچے یتیم!

لیکن اس پر بھی ان کو اطمینان نہ تھا۔ وہ محمدؐ کی طرف سے سخت فکر مند تھے۔ خود سوچتے اور جس سے ملتے، یہی سوال کرتے:

"محمدؐ نے ساتھیوں کو تو مدینہ بھیج دیا، لیکن ... کیا وہ خود بھی ... وہیں جائے گا؟"

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود یہیں رہے۔ اور ساتھی مدینہ میں۔ حبشہ کی ہجرت میں تو یہی ہوا تھا۔

قریش کے ذہن و دماغ پر یہ سوالات چھائے ہوئے تھے۔ اور وہ بڑی بے تابی سے باہم چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن ہو گا کیا؟ اس سے بالکل بے خبر تھے۔

تو کیا قریش باہم چہ میگوئیاں ہی کر کے رہ گئے؟ نہیں ایسا نہ تھا۔ وہ برابر فکر مند رہے اور مسلسل سوچتے رہے کہ محمدؐ کے مقابلہ میں کون سی انوکھی چال چلی جائے؟ اور کون سی تیر بہدف تدبیر کی جائے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساتھیوں کی طرح وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے، کہ پھر تو بڑی آفت ہو گی۔ سارا مدینہ تو اس کا جاں نثار ہے ہی، مکہ کے سب مسلمان بھی وہیں ہیں۔ ان سب کو لے کر وہ ہم پر چڑھائی کر دے گا۔

مسلمانوں پر قریش کی بڑی سخت نگرانی تھی۔ ہر آن سخت پہرہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود کہ

خالی ہو گیا۔ اور سارے مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ چلے گئے۔ حمزہؓ، عثمانؓ، زبیر بن عوامؓ بھی چلے گئے۔ اور اب پیارے نبیؐ کے ساتھ صرف علیؓ اور ابوبکر صدیقؓ رہ گئے۔ اور مکہ میں صرف وہ مسلمان رہ گئے۔ جو بدقسمتی سے دھر لیے گئے تھے اور تڑپ تڑپ کر مظلومی کے دن کاٹ رہے تھے۔

آخر میں ابوبکرؓ بھی جناب رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ اور ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا:

"جلدی نہ کرو۔ شاید خدا کسی ساتھی کا انتظام کر دے۔"

ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ آپؐ کی بھی ہجرت قریب ہے۔ بس اب حکم الٰہی کا انتظار ہے۔ چنانچہ خوشی خوشی وہ گھر آئے۔ اور سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔

☆☆☆

مُحمّد عَربی ﷺ

الوداع اے وطن!

رسول پاکؐ کو ہجرت کا حکم۔

ایک سازشی کانفرنس۔

خونِ اطہر میں ہاتھ رنگنے کی ناپاک اسکیم۔

گھر کا محاصرہ۔

امینِ قریش کی بے مثال امانتداری۔

غارِ ثور میں قیام۔

قریش کی بوکھلاہٹ۔

آپؐ کو پالینے کی ناکام کوشش۔

مدینہ کے لیے روانگی۔

قریش کی مایوسی اور ملال۔

سراقہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

حضرت علیؓ کی بیتابیٔ شوق۔

قبا میں قیام۔

مدینہ میں انتظار کا عالم۔

مدینہ کی گلیوں نے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا۔

انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ۔

یہودیوں کا جوڑ توڑ۔

ہجرت کا حکم آ گیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا بھی سکھائی۔

ہجرت کی تیاری اور شیر یں دعا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۸۰)

"اور دعا کرو، پروردگار! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال۔ اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

مسلمان مظالم سہتے سہتے تنگ آ چکے تو حضورؐ نے انہیں مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انہوں نے چوری چھپے مدینہ کا رخ کیا۔

لیکن خود حضورؐ جو ظالموں کا اصل نشانہ تھے اپنے لیے حکم خدا کا انتظار کرتے رہے کہ آقا کی اجازت ہو تو مکہ کو خیر باد کہیں۔ اور ان مخلص ساتھیوں سے جا ملیں جنہوں نے صرف اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ اور انصار کے شوق ملاقات میں نہ مال کی پروا کی تھی۔ نہ اولاد کی۔ انصار کون؟ وہی خوش نصیب جنہوں نے آپؐ کی مدد کی تھی، آپؐ کو حفاظت کی خدمات پیش کی تھیں۔ اور جنہوں نے دستِ مبارک میں ہاتھ دے کر راہ خدا میں سر دھڑ کی بازی کا عہد کیا تھا۔

اللہ مہاجروں کا بھلا کرے۔ انہوں نے صرف خدا کے لیے کن کن نعمتوں سے ہاتھ دھویا اور کیسی کیسی چیزوں پر صبر کر لیا۔ انصار کا بھی بھلا کرے کہ انہوں نے دینی بھائیوں کو اپنے یہاں بلا کر انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ صرف اللہ کی خوشی کے لیے!

بالآخر ہجرت کا حکم آ گیا اور آپؐ نے مدینہ کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت قریش کی بھی سازش مکمل تھی اور سارا خاکہ تیار تھا۔ بات کیا تھی؟ مسلمانوں نے ہجرت کی تو انہیں دعوت کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آ گیا۔ لوگ اسلام کی برکتیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور مسلمانوں کا زور بڑھنے لگا۔ قریش نے یہ دیکھا تو بہت گھبرائے۔ انہیں محسوس ہوا کہ اب شامت سر پر منڈلا رہی ہے۔ اور طرح طرح کے خطرے سر اٹھا رہے ہیں قریش و انصار میں نہایت زوردار جنگ کے بھی آثار نمایاں تھے۔ اس سے

ان کے اور ہوش اڑ گئے۔ سوچا کہ اس طرح تو ہمارا شام جانا بھی بند ہو جائے گا۔ تجارت بالکل ٹھپ ہو جائے گی۔ اور ہم دانے دانے کو ترس جائیں گے۔ چنانچہ وہ دار الندوۃ میں جمع ہوئے کہ یہی ان کا ''مشاورت گھر'' تھا۔ یہاں سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کوئی تدبیر سوچنے لگے، جس سے اسلام کا سیل رواں رک جائے۔ اور چمنستان دین میں خاک اڑنے لگے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔

ایک نے کہا:

''محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں، پھر کسی مکان میں بند کر دیں۔''

دوسرا بولا:

''خدا کی قسم! اگر قید کیا، تو ہر طرف چرچا ہو جائے گا۔ پھر تو بہت برا ہو گا۔ مسلمان فوراً چڑھائی کر دیں گے۔ اور جب تک ہم سے اسے چھین نہیں لیں گے، دم نہیں لیں گے۔''

تیسرا بولا:

''محمد کا یہاں رہنا اچھا نہیں۔ کہیں دور دراز علاقہ میں چھوڑ آیا جائے۔ پھر وہ جہاں چاہے جائے، اور جس جگہ چاہے رہے۔''

چوتھا بولا:

''یہ رائے تو بڑی بودی ہے۔ دیکھتے نہیں، وہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ کیسے سلیقہ کی گفتگو کرتا ہے۔ منٹوں میں دل موہ لیتا ہے۔ یہ کرنے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ تو وہ کسی دوسرے قبیلہ میں پہنچ جائے گا۔ اور اپنی جادو بیانی سے انہیں ہموار کر لے گا۔ اور مدینہ پہنچ جائے گا۔ اور وہاں پہنچا تو اور زیادہ خطرناک ہوگا۔ جاتے ہی وہ ساتھیوں کو ساتھ لے گا اور ہم کو پیس کر رکھ دے گا۔''

پھر آخر ہم کیا کریں؟ سب ایک ساتھ بول اٹھے۔ آوازوں سے گھبراہٹ اور مایوسی ٹپک رہی تھی۔

ابو جہل بولا! ایک شکل ہے، جو اب تک کسی نے نہیں سوچی۔

سب نے پوچھا (بڑی بیتابی سے):

''ارے، وہ کیا ابو الحکم؟''

اس نے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ پہلے ہم ہر قبیلے سے ایک پہلوان اور شیر دل جوان چنیں۔ پھر ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دیں۔ اور سب ایک ساتھ محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ اور ہم کو ہمیشہ کے لیے آرام مل جائے گا۔ کیونکہ اس طرح خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم تمام قبیلوں کا مقابلہ تو نہ کر سکیں گے مجبوراً خون بہا (یعنی سو اونٹ) پر ہی راضی ہو جائیں گے۔"

یہ رائے سب کو پسند آئی۔ سب خوشی سے اچھل پڑے اور سب نے ابوجہل کو مبارکباد دی۔

ابوالحکم! سچ یہ رائے تو اسے کہتے ہیں۔

پھر مجلس برخاست ہوئی۔ اور اب ہر ایک خوشی سے ناچ رہا تھا۔ گویا محمدؐ دنیا سے چلے گئے۔ آپؐ کی دعوت کا نام و نشان مٹ گیا۔ آپؐ کی یاد بھی ذہنوں سے محو ہو گئی۔ آپؐ کی دعوت سے دنیا نا آشنا ہو گئی۔ اور اس پر گردش زمانہ کی تہیں پڑ گئیں۔ لوگ گئے۔ اور ان جوانوں کا انتخاب کرنے لگے، جو محمدؐ کا کام تمام کریں گے۔ اور ان تلواروں کا انتظام کرنے لگے، جنہیں وہ جسم اطہر پر چلائیں گے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ. (انفال: ۳۰)

"اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے بارے میں چالیں چل رہے تھے کہ تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے۔ اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے عمدہ چال چلنے والا ہے۔"

مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنالی اور اس کے لیے ہر ایک نے کمر کس لی۔ کیونکہ اب تو خون سارے قبیلوں میں بٹ رہا تھا۔ اور چونکہ سارے قبیلے اس میں شریک ہو رہے تھے، آلِ ہاشم بدلہ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ ادھر ع

خدا کا نور خندہ زن تھا باطل کی حماقت پر

اللہ کا فیصلہ تھا کہ آپؐ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ قریش کی تدبیر الٹی ہو گئی اور وہ خود اپنی سازش کا نشانہ بن گئے۔ اللہ نے آپؐ کی رہنمائی فرمائی اور وہ اپنا سا منہ لیے رہ گئے۔

☆☆☆

وہ بھیانک رات آ گئی، جس میں مشرکوں نے محمدؐ کی گھات میں بیٹھنے کا عزم کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے گھر کو گھیر لیا۔ اُف! کتنا بھیانک منظر تھا وہ! آنکھوں میں چنگاریاں تھیں اور ہاتھوں میں نہایت تیز تلواریں جن کی باڑھوں میں موت چھپی بیٹھی تھی۔ عرب میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب تھا۔ اس لیے وہ باہر ٹھہرے رہے۔ اور موقع کی تاک میں لگے، کہ محمدؐ نکلیں اور وہ آپؐ کی تکہ بوٹی کر دیں۔

ادھر اللہ نے آپؐ کو خبر کر دی۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ ہی تھے۔ ان سے آپؐ نے فرمایا:

"مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ دشمن آج گھر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور میرے قتل کے لیے بیتاب ہیں۔"

پھر فرمایا:

"علی! میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے بستر پر سو رہو اور میری سبز چادر بھی اوڑھ لو۔ اللہ نے چاہا تو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ صبح جا کر سب امانتیں واپس کر دینا۔ پھر تم بھی چلے آنا۔"

بات کیا تھی؟ قریش اگرچہ جان کے دشمن تھے۔ لیکن آپؐ ہی ان کے "امین" بھی تھے۔ جس کو کوئی امانت رکھنی ہوتی، آپؐ ہی کے پاس رکھتا۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ حضرت علیؓ کو ساتھ نہ لے گئے۔ امانتیں واپس کرنے کے لیے مکہ ہی میں چھوڑ گئے۔

اللہ اللہ! شاید زمین و آسمان نے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا۔ ایک طرف خون کے پیاسے دشمن ہیں۔ ہاتھوں میں خون آشام تلواریں ہیں۔ گھر کو گھیرے ہوئے ہیں، کہ آپؐ باہر نکلیں۔ اور وہ جسم مبارک کے پرزے اڑا دیں۔ اور دوسری طرف "امین قریش" کی ایمانداری ہے! امانتوں کا اس کے پاس انبار ہے۔ یہ امانتیں کس کی ہیں؟ انہی ظالموں کی، جو آپؐ کے خون کے پیاسے ہیں۔ چاہیں، تو ساری امانتیں لے کر آپؐ چلے جائیں۔ نہ کوئی آپؐ کا کچھ کر سکے۔ اور نہ آپؐ کو کچھ کہہ سکے۔ پھر اس وقت آپؐ نادار بھی ہیں۔ دولت کے شدید حاجت مند بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ

ایک طرف "امین قریش" کی امانتداری ایک طرف اس میں سے ایک حبہ لینا بھی گوارا نہیں۔ پھر یہ ہی نہیں بلکہ پیارے بھائی کو بھی وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں خطرات کے نرغہ میں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان غاصبوں کی امانتیں اُن تک پہنچا دیں۔

حضرت علیؓ نے فی امان اللہ کہا۔ اور آپ روانہ ہو گئے۔ جدا ہوتے وقت دونوں نے انتہائی شوق و محبت کے لہجہ میں کہا:

"اللہ کو منظور ہوا، تو پھر مدینہ میں ملیں گے۔"

پھر حضرت علی بستر مرگ پر لیٹ گئے اور سبز چادر اوڑھ کر سو رہے۔ دشمنوں کو آپ کا انتظار تو تھا ہی۔ ایک ایک لمحہ ان پہ بار ہو رہا تھا۔ دیر ہو گئی، تو روزن سے وہ اندر جھانکنے لگے۔ بستر مبارک پر نظر پڑی، تو آپس میں بولے:

"وہ دیکھو محمدؐ سو رہا ہے۔ جسم پر چادر بھی پڑی ہے۔"

پھر وہ سونے والے کا انتظار کرنے لگے، کہ وہ باہر آئے، اور سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اس سے پہلے ہوا یہ کہ رات زیادہ گزر گئی، تو ان پر غفلت کی خماری ہو گئی اور آپ ان کو چھوڑ کر باہر چلے آئے۔

اس سے دو ہی تین دن پہلے آپ ابوبکرؓ کے گھر گئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، دروازہ پر دستک دی تو حضرت ابوبکرؓ باہر آئے۔ نظر پڑتے ہی بے ساختہ بولے

"شاید کوئی خاص بات ہے، کہ حضرت نے اس وقت زحمت فرمائی!"

پھر اجازت کے بعد آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا:

"یہاں کون لوگ ہیں؟ ذرا دیر کے لیے انہیں ہٹا دو۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا:

"یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں (عائشہ سے شادی ہو چکی تھی)۔"

آپ نے فرمایا:

"ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ (نہایت بے تابی سے):

"میرا باپ آپ پر فدا۔ کیا مجھ کو بھی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں۔"

یہ سننا تھا کہ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ عرض کیا۔

"اللہ کے رسولؐ! میں نے کچھ سامان تیار کیا ہے جو چند دنوں کام آئے گا۔ سفر کے لیے دو اونٹنیاں بھی تیار کر لی ہیں۔ اور عبداللہ بن اریقط سے بھی بات کر لی ہے۔ سفر میں اس سے سہولت رہے گی۔"

آپ نے فرمایا:

"ابھی اونٹنیوں کی ضرورت نہیں۔ پہلے تو ہم جنوب کا رخ کریں گے اور غار ثور میں کچھ دن ٹھہریں گے۔"

حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس سے پہلے بھی وہ بارہا آپ کی حیرت انگیز سوجھ بوجھ کا تجربہ کر چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آپ کتنی باریک تدبیریں کرتے ہیں کہ دشمن اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔

غار ثور مکہ سے جنوب میں ہے۔ تین میل کی مسافت پر۔ اور یمن کے راستے میں ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ ہر شخص یہ سوچے گا کہ محمدؐ مکہ سے چلے گئے وہ یہی سمجھیں گے کہ محمدؐ مدینہ ہی کے راستے میں ہوں گے اور شمال کی طرف دوڑیں گے کیونکہ مدینہ مکہ سے شمال میں ہے چنانچہ آپ نے ایسا نقشہ جمایا کہ پیچھا کرنے والے ناکام ہو کر لوٹ جائیں اور ان کو پتہ بھی نہ چلے کہ آپ کدھر گئے؟ اور کہاں گئے؟

مکہ کی آخری رات جبکہ دشمنوں نے گھر کو گھیر لیا تھا سیدھے آپ ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ ان کو ساتھ لیا اور گھر کے عقب میں ایک کھڑکی تھی۔ اس سے نکل کر باہر آئے اور رات کو پرسکون اور تاریک سناٹے میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ پھر مکہ سے باہر پہنچے تو جنوب کا رخ کیا۔ اور غار ثور کی طرف تیزی سے بڑھے۔

ادھر صبح ہوتے ہی حضرت علیؓ کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ بستر چھوڑ کر اٹھ گئے۔ آہٹ ہوئی تو دشمن بھی چوکنے ہو گئے کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا۔

لیکن محمدؐ کے بستر سے کون اٹھا؟

لوگ بار بار بیتابی کے ساتھ روزن سے اندر جھانکتے۔ اور حیران ہو کر وہاں سے ہٹ جاتے۔

یہ سو کر اٹھنے والا محمدؐ تو نہیں! یہ تو ابوطالب کا لڑکا علیؓ ہے۔

اف! اف! یہ کیا ماجرا ہے؟

یہ وہ الفاظ تھے جو بے اختیار ان کی زبانوں سے نکلے۔ وہ بالکل حیرت کی مورت بن گئے تھے۔

کیا ہم رات بھر علیؓ کے لیے بیٹھے رہے؟ کیا ہم نے علیؓ کو محمدؐ سمجھ لیا تھا؟

علیؓ آج محمدؐ کے بستر پر کیوں سویا؟ اور محمدؐ کہاں ہے؟

ہر ایک بدحواسی میں ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا۔ لیکن جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں ان کے آدمی بھی آ پہنچے اور اب دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی ایک بھیڑ تھی۔ لوگ بیتابی سے چلے آ رہے تھے کہ دیکھیں محمدؐ کا کیا حشر ہوا؟ لیکن یہ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ محمدؐ تو کہیں چھپ گئے!

سب حیران رہ گئے۔ غم و غصہ سے بدحال ہو گئے۔ گھر میں گھس کر علیؓ سے پوچھا:

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

جواب ملا:

"مجھے نہیں معلوم!"

اب وہ علیؓ کو پکڑ کر باہر لائے اور بے تحاشا انہیں پیٹتے رہے، کہ محمدؐ کا پتہ چل جائے۔ لیکن علیؓ بار بار یہ کہتے رہے:

"مجھے معلوم نہیں!"

پھر جب وہ بالکل مایوس ہو گئے تو علیؓ کو لے جا کر کعبہ میں بند کر دیا۔ مگر وہاں بھی ان کو رحم نہ آیا اور وہ برابر ستاتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ رشتہ دار بیچ میں پڑے۔ اور اس طرح کہیں جا کر ان کی جان چھوٹی۔

جس روز مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنائی۔ اسی روز آپؐ ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کا مشرکوں کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ غصہ سے وہ دیوانے ہو گئے۔ اور بدحواسی کے عالم میں آپؐ کو ادھر اُدھر

ڈھونڈنے نکلے۔ کوئی تو مدینہ کی سمت دوڑا۔ اور کچھ لوگ سیدنا ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابوبکرؓ آپ کے گہرے دوست ہیں اور آپ کو ان سے خاص لگاؤ ہے۔ ان لوگوں میں ابو جہل بھی تھا۔ گھر میں حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی اسماءؓ نکلیں۔ دشمنوں نے پوچھا:

"باپ کہاں ہیں؟"

اسماءؓ نے جواب دیا:

"مجھے پتہ نہیں وہ کہاں گئے۔"

دشمن سمجھ گئے کہ ابوبکرؓ بھی محمدؐ کے ساتھ ہی فرار ہو گئے۔ ابوجہل غصہ سے بے تاب تو تھا ہی۔ یہ بات اس سے برداشت نہ ہو سکی اور اس نے اتنی زور سے معصوم گال پر ایک چانٹا رسید کیا کہ کان سے بالی چھٹک کر دور جا گری۔ پھر دشمن لوٹ آئے۔ اور کوئی ایسا شخص تلاش کرنے لگے۔ جو پیروں کے نشان پہچانے اور ان کی رہنمائی کرے۔

تلاش کے بعد ایک آدمی مل گیا۔ جو پیروں کے نشان پہچاننے میں ماہر تھا۔ نام اس کا سراقہ بن مالک تھا۔ وہ رسولؐ اور عاشق رسولؐ کے پیروں کے نشانات دیکھتا ہوا چلا۔ پیچھے پیچھے قریش کا ایک مجمع تھا۔ چلتے چلتے وہ مکہ سے باہر آ گئے۔ اب سراقہ نے جنوب کا رخ کیا اور کوہ ثور کی طرف بڑھا۔ لوگ سخت حیران تھے۔ ہر ایک تعجب سے کہہ رہا تھا:

"آخر محمدؐ کدھر گیا؟ جنوب کی طرف یا شمال کی طرف۔"

دشمنوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ سراقہ کے ساتھ چلتے رہے کہ شاید وہ کامیاب ہو جائے۔ سراقہ ریت پر پیروں کے نشان دیکھ دیکھ کر چلتا رہا۔ پھر وہ کوہ ثور پر چڑھنے لگا الحمد اللہ! خدا نے رسولؐ سے وعدہ کیا تھا کہ

"وہ دشمنوں کی سازش کو ناکام کر دے گا۔ اور آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے گا۔"

بھلا اس سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟

سراقہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ دشمنوں کا قافلہ بھی ساتھ تھا۔ پھر اچانک وہ رک گیا۔ چہرہ اس کا اداس تھا۔ اور انتہائی حیرانی اور بے بسی کا پتہ دے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کہاں جائے اور کدھر جائے۔ دشمنوں نے یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

سراقہ نے سامنے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا:

"اس پتھر تک تو وہ دونوں آئے۔ پھر نہیں معلوم، کدھر گئے؟"

یہ کہنا تھا کہ ایک قہقہہ بلند ہوا:

"ارے سراقہ! آج تمہیں کیا ہو گیا؟ خدا کی قسم، اس طرح تو تم کبھی نہیں بہکے!"

پھر کچھ فاصلہ پر ایک چرواہا دکھائی دیا، جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا، دشمنوں نے پوچھا:

"کیا اس پہاڑ پر دو آدمیوں کو چڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟"

جواب ملا:

"میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا، لیکن دیکھ لو، ہو سکتا ہے کہ غار میں ہوں۔"

اب قریش تیزی سے پہاڑ پر چڑھے۔ پھر بے تحاشا غار کی طرف لپکے۔ تیر، تلوار اور لاٹھی سب سے وہ مسلح تھے اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ محمدؐ کو مارنے کا سہرا اُس کے سر بندھے!

وا درے محمدؐ..... محمدؐ اس وقت غار میں کھڑے نماز میں معروف تھے۔ اور یار غار پاس ہی بیٹھے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دل دھک دھک کر رہا تھا، کہ کہیں ظالموں کی نظر آپؐ پر نہ پڑ جائے۔ دشمنوں کی آوازیں بھی کانوں میں آ رہی تھیں۔ ان کے رخ کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اور اب تو پیروں کی آہٹ، لاٹھیوں کی کھٹ کھٹ اور چیخ پکار کی خوفناک آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں ..... ابوبکرؓ چپ چاپ تھے۔ نگاہیں آپؐ پر گاڑے ہوئے۔ رہ رہ کے ان کا دل چاہتا کاش میں محمدؐ کو دل کے اندر چھپا سکتا۔ کاش میں آپؐ کو اپنا جسم اوڑھا سکتا۔ پھر حضورؐ نماز سے فارغ ہو گئے۔ حضورؐ کی جان خطرہ میں دیکھ کر ابوبکرؓ خوف و گھبراہٹ سے بدحال تھے۔ چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اور دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آپؐ سب بھانپ گئے۔ فوراً ڈھارس بندھائی اور فرمایا:

گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے (لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا)۔ (توبہ: ۴۰)

قریش کا ایک جوان تیزی سے غار کی طرف بڑھا۔ ابھی کچھ دور ہی تھا کہ اچانک رُک گیا۔ پھر الٹے پاؤں لوٹ پڑا۔ حسرت و افسوس سے چہرہ زرد تھا۔ یاس و ناامیدی میں غرق تھا۔

اس کے ساتھی بھی پیچھے پیچھے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر وہ بھی ٹھہر گئے اور بولے:

"کیا بات ہوئی؟ غار میں جھانکے بغیر کیوں لوٹ پڑے؟"

اس نے کہا .... اور مایوسی سے اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا:

"ابھی محمدؐ پیدا بھی نہ ہوا تھا، اس وقت سے اس پر مکڑی کا ڈیرہ ہے۔ غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کا گھونسلہ بھی ہے۔ راستہ میں درخت بھی کھڑا ہے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہو سکتا۔"

یہ آواز ابوبکرؓ نے بھی سنی۔ سمجھ گئے کہ اللہ اپنے رسولؐ کو بچانا چاہتا ہے اسی کے یہ سارے انتظامات ہیں۔ دشمن غار کے منہ تک پہنچ گئے اور وہیں ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ابوبکرؓ ان کے پیروں کو بھی دیکھ رہے تھے۔ لیکن خدا کا کرنا۔ کسی نے جھانک کر بھی غار کے اندر نہ دیکھا۔ ابوبکرؓ نے آپؐ کے کان میں آہستہ سے کہا:

"ان میں سے کسی کی اپنے پاؤں پر نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"ابوبکرؓ! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے؟"

پھر دشمن، غار کے پاس سے چلے گئے۔ اور اب وہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگے کہ جا کر دوسری جگہیں بھی دیکھیں۔ اتنی دوڑ دھوپ اور تلاش و جستجو کے باوجود ناکامی ہوئی۔ پھر بھی ان کے حوصلے ویسے ہی بلند رہے اور وہ ویسے ہی دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ کیونکہ قریش نے اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کو پکڑ کر لائے گا، سو اونٹ انعام پائے گا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ سو اونٹ اسی کو ملیں۔ اس لالچ کے پیچھے وہ دیوانے تھے۔ کیسی تکان، اور کیسی زحمت؟ سب سے بیگانہ تھے۔

پیارے نبیؐ اور حضرت ابوبکرؓ تین دن اسی غار میں ٹھہرے رہے۔ ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ دن بھر پتہ لگاتے کہ قریش کیا کیا منصوبے بنا رہے ہیں؟ پھر جو کچھ خبر ملتی، رات کو آ کر سنا جاتے۔ ساتھ میں ان کی بہن اسماءؓ بھی ہوتیں یہ گھر سے کھانا پکا کر لاتیں۔ کچھ رات گئے، ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چرا کر لے آتا۔ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ پھر تینوں مکہ واپس چلے جاتے۔ عبداللہ اور ان کی بہن آگے آگے ہوتیں اور عامر بن فہیرہ اور اس کی بکریاں پیچھے پیچھے تاکہ ان دونوں کے پیروں کے نشانات مٹتے جائیں۔

اس طرح تین دن گزر گئے۔ پیارے نبیؐ اور ابوبکرؓ کی تلاش اب رک گئی اور جو لوگ آپ کو ڈھونڈنے نکلے تھے، وہ مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ آئے۔ کیونکہ انہوں نے سوچا کہ اب تو سفر کا بیشتر

حصہ طے ہو چکا ہوگا۔ اور اب تو محمدؐ نہ جانے کہاں پہنچ گیا ہوگا۔ لہٰذا اب پیچھا کرنا فضول ہے۔

عبداللہؓ روزانہ پیارے نبیؐ اور پیارے باپ کو قریش کی ساری خبریں سنایا ہی کرتے تھے، قریش کی مایوسی کا بھی حال سنایا۔ ابوبکرؓ نے سنا، تو عبداللہ سے کہا:

"میں نے جو دو اونٹنیاں تیار کی ہیں، انہیں لیتے آنا، لیکن دیکھو، کسی کو پتہ نہ چلے۔ ساتھ میں عبداللہ بن اریقط کو بھی بلاتے لانا۔"

یہ ایک کافر تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کو اس پر اعتماد تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے اجرت پہ طے کر لیا تھا، کہ کسی غیر آباد راستے سے وہ مدینہ پہنچا دے۔

شام ہوتے ہی عبداللہؓ غار ثور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ساتھ تھیں ان کی بہن اسماءؓ اور عامر بن فہیرہ بھی تھا۔ پیچھے پیچھے عبداللہ بن اریقط بھی تھا۔ جو حضرت ابوبکرؓ کی دونوں اونٹنیاں اور اپنی ایک اونٹنی لے کر آ رہا تھا۔

کچھ دیر میں یہ لوگ اونٹنیوں کے ساتھ غار پر آ پہنچے۔ دونوں میں جو زیادہ اچھی تھی، اسے ابوبکرؓ نے آپؐ کو پیش کیا اور عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! اس پر سواری فرمایئے۔"

محسن عالمؐ کو کسی کا احسان لینا کب گوارا تھا۔ فرمایا:

"میں دوسرے کی اونٹنی پر نہیں بیٹھتا۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا:

"یہ اب آپؐ کی ہے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں جتنے میں خریدا ہے، اتنی ہی قیمت پر۔"

ابوبکرؓ کو مجبوراً تیار ہونا پڑا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا۔ گھر سے وہ ایک ناشتہ دان میں کھانا، اور پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ لائی تھیں۔ ان دونوں کو اونٹنی پر رکھنا تھا، مگر باندھنے کے لیے کوئی بندھن نہ تھا۔ اس لیے پریشان ہوئیں کہ کیا کریں؟

پھر ایک ترکیب سمجھ میں آ گئی۔ نطاق[1] کو پھاڑ کر انہوں نے دو ٹکڑے کیے اور ایک سے ناشتہ

1. اس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں۔

دان اور مشکیزہ کو باندھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ذات النطاقین (دو نطاقوں والی) کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔

پھر آپ اور ابوبکرؓ دونوں اونٹنیوں پر سوار ہو گئے۔ عبداللہ بن اریقط لیثی بھی اپنی اونٹنی پر بیٹھ گیا۔ ابوبکرؓ نے پیچھے غلام کو بٹھا لیا کہ راستہ میں کوئی ضرورت پیش آئے تو زحمت نہ ہو۔ پھر یہ قافلہ عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں روانہ ہو گیا۔ ساحلی راستے سے ہوتا ہوا چلا، جو بالکل سنسان اور غیر آباد تھا۔

☆☆☆

قریش کی حسرتوں کا خون ہو گیا۔ اور دل کے ارمان دل میں ہی رہ گئے۔ اس کا ان کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اب وہ جہاں کہیں اکٹھا ہوتے، اسی کا رونا روتے۔ پیارے نبیؐ ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس پر وہ ہاتھ ملتے قریش اپنی ایک مجلس میں بیٹھے اسی طرح رنج و غم کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ یہ کسی سفر سے لوٹ کر ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے کہا:

"میں ساحلی راستے سے آرہا تھا کہ تین آدمی میرے سامنے ہی سے گزرے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہی تھے۔"

وہاں سراقہ نامی ایک آدمی بھی تھا۔ یہ جعشم کا بیٹا تھا۔ بہت ہی دور رس اور سمجھدار آدمی تھا۔ یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ اس آدمی کا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس کی تمنا تھی کہ محمدؐ کو پکڑنے کا فخر مجھ کو حاصل ہو اور انعام کے سو اونٹ بھی میرے ہی دروازے پر بندھیں۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو بہکانے کے لیے فوراً تردید کی۔ بولا:

"نہیں جی۔ اب وہ یہاں کہاں بیٹھے ہیں۔ ابھی ابھی کچھ آدمی میرے سامنے ہی تو اس طرف گئے ہیں۔ میں تو ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

سب کو سراقہ کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ اور کسی نے اس آدمی کی طرف دھیان نہ دیا۔ اس کے بعد سراقہ کچھ دیر تو وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچتے ہی وہ ہتھیار سجا کر تیار ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے ایک نوکر سے کہا اور اس نے گھوڑے پر زین کس کے اسے مکہ سے باہر پہنچا دیا۔ کچھ ہی دیر میں سراقہ بھی نظریں بچا کر وہاں پہنچ گیا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مکہ سے باہر جاتے ہوئے اسے کوئی نہ دیکھنے پائے پھر مکہ سے باہر پہنچ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لگام چھوڑ دی۔ اب گھوڑا ٹاپیں مارتا، دھول اڑاتا، تیزی سے ساحل کی طرف بڑھا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ سراقہ محمدؐ کو پالے، جبکہ اللہ نے غار پر منڈلانے والے خطرات سے آپؐ کو بچا لیا! نہیں ہرگز نہیں۔ اللہ محمدؐ کی طرف سے اپنی نظر نہیں پھیر سکتا، جبکہ وہ وعدہ کر چکا ہے، ساری

سازشیں ناکام کرنے کا۔

گھوڑا ابھی کچھ ہی دور بڑھا تھا، کہ اس نے ٹھوکر کھائی اور قریب تھا کہ وہ سراقہ کو زمین پر پھینک دے۔ لیکن سراقہ جلدی سے سنبھلا، اور پھر اس کو ایڑ لگائی۔ اب گھوڑا ہوا سے تیز نے لگا۔ مگر زیادہ دور وہ نہیں گیا تھا، کہ پھر ٹھوکر کھا گئی۔ لیکن سراقہ کی ہمت پست نہ ہوئی اور اس نے دوبارہ گھوڑے کو سنبھالا، اور پھر ایڑ لگائی۔ مگر اب وہ کچھ مرعوب تھا۔ کچھ خوفزدہ اور ہراساں تھا۔ کچھ مایوسی کا بھی شکار تھا۔ ادھر گھوڑا پھر سرپٹ بھاگا چلا جا رہا تھا۔

قافلہ ایک دن، رات برابر چلتا رہا۔ راستے میں نہ کسی دشمن کا سامنا ہوا اور نہ کوئی پیچھا کرنے والا نظر آیا۔ لہٰذا ابوبکرؓ کو اب بالکل اطمینان تھا اور دل کی گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو چکی تھی۔ حضورؐ کے بارے میں اب کسی بھی خطرہ کا اندیشہ نہ رہ گیا تھا۔ پھر چونکہ یہ دوسرے دن دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ کی گرمی سے جسم جھلسا جا رہا تھا اس لیے ابوبکرؓ کی خواہش ہوئی کہ حضرتؐ کچھ آرام فرمالیں۔ چنانچہ ہر طرف نظر دوڑائی تو ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ وہ وہیں جا کر اتر گئے۔ پھر جلدی سے آپؐ کے لیے جگہ ٹھیک کر کے بکری کی کھال بچھائی اور کھانا پیش کیا۔ سب نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر آپؐ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھ بند کر لی۔ اور آرام فرمانے لگے۔

سورج اب ڈھل چکا تھا اور اس وقت پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ ابوبکرؓ نے جا کر اس سے دودھ دوہنے کو کہا۔ پھر حضرتؐ کے پاس آئے اور دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر پینے کے لیے پیش کیا۔ آپؐ نے پی کر فرمایا۔

''کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟''

پھر آپؐ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ اچانک ابوبکرؓ کی نظر جنوب کی طرف پڑی۔ دیکھا تو ایک سوار بہت تیزی سے لپکا چلا آ رہا تھا۔ ابوبکرؓ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسولؐ! اب تو ہم دھر لیے گئے!''

مگر آپؐ کے اطمینان کا وہی حال تھا۔ بہت ہی سکون کے ساتھ فرمایا:

''ابوبکرؓ! گھبراؤ نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اللہ سچ مچ ان کے ساتھ تھا! سراقہ کا گھوڑا اب بہت قریب آ چکا تھا۔ اب وہ بالکل نظروں کے سامنے تھا اور اس کی ٹاپوں کی آواز کانوں میں آ رہی تھی۔ لیکن یکایک بہت زور کی ٹھوکر لگی اور اس

بار اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں تھے۔ اور سوار لڑھک کر زمین پر۔ اس کا چہرہ ریت سے بالکل اٹ گیا۔ اور ہمت نے بھی جواب دے دیا۔ سراقہ کو اب یقین ہو گیا کہ آثار اچھے نہیں۔ اور میں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، خدا اس سے راضی نہیں۔ چنانچہ وہ وہیں رک گیا اور زور سے آپ کو اور ساتھیوں کو آواز دی:

"میں جعشم کا بیٹا سراقہ ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ کچھ باتیں کروں گا۔ بخدا میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اطمینان رکھو، میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔"

محمد ﷺ نے فرمایا:

"ابوبکرؓ! پوچھو، وہ کیا چاہتا ہے؟"

ابوبکرؓ نے پوچھا:

"کہو! کیا چاہتے ہو؟"

سراقہ نے جواب دیا:

"امن کی تحریر۔"

حضرت محمد ﷺ نے درخواست قبول کی۔ اور ابوبکرؓ کو لکھنے کا حکم دیا۔ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ نے جو لکھوایا ابوبکرؓ نے اسے پر لکھ دیا۔ پھر سراقہ کو دے دیا۔ سراقہ نے اس کو لیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر پلٹ آیا۔

یہ سب ہوا تھا۔ لیکن سراقہ نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ البتہ اب اس کو آپ ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ اور بے حد الفت و ہمدردی۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ کوئی آپ کا پیچھا کرنے جا رہا ہے۔ یا کسی اور غرض سے نکل رہا ہے تو اسے روک دیتا۔ اور جس طرح بن پڑتا روکنے کی کوشش کرتا۔

☆ ☆ ☆

۞

حضور ﷺ کی ہجرت ہوئی تو مکہ میں علیؓ کے لیے کچھ نہ رہا۔ ایک تو جان کا خطرہ تھا۔ پھر آپؐ سے دوری کا صدمہ۔ اس لیے وہاں کی ایک ایک چیز انہیں کاٹنے لگی۔ اور ذاتِ گرامی کی یاد بُری طرح ستانے لگی۔ اب وہ بے قرار رہتے اور آپؐ سے جا ملنے کے لیے بیتاب۔ امانتوں کی واپسی سے چھٹی ملی تو موقع پاتے ہی وہ مکہ سے روانہ ہو گئے۔ سواری کے لیے نہ کوئی اونٹنی تھی، نہ خچر لیکن آپؐ سے جا ملنے کے شوق میں وہ پیدل ہی چل پڑے۔ اور بڑی بے تابی سے تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔

سبحان اللہ! یہ تھی علیؓ کی وفاداری اور سعادت مندی! کتنے اونچے انسان تھے وہ! اور کتنی نیک طبیعت تھی ان کی!

اس زمانہ کا لمبا سفر وہ بھی تنہائی اور بے سروسامانی کی حالت میں۔ ...اور وہ بھی پیدل! کتنی بلند تھی ان کی ہمت۔ اور کیسا محکم تھا ان کا عزم!

راستہ بھی کیسا؟ لق و دق ریگستان۔ ہر طرف ویران اور سنسان۔ نہ سایہ کی آس نہ پانی کا امکان۔ اوپر سے چلچلاتی ہوئی دھوپ۔ نیچے سے تپتی ہوئی ریت، جیسے آگ کی چنگاریاں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایک طرف۔ رسولِ خدا ﷺ کی محبت ایک طرف۔ حضرت علیؓ بے اختیار خطرات میں کود پڑے۔ راستہ کی پریشانیاں جھیلتے رہے۔ دشوار گزار نشیب و فراز طے کرتے رہے اور رات دن آگے بڑھتے رہے۔ ان کو بس ایک ہی دھن تھی، ایک ہی آرزو تھی۔ ایک ہی تمنا تھی۔ پیارے بھائی کا قرب، مخلص دوستوں کی ملاقات اور بس۔

وہ چلتے رہے، چلتے رہے یہاں تک کہ تلوے لہولہان ہو گئے پیر بے جان ہو گئے اور چلنے کی طاقت نہ رہی لیکن حوصلے ابھی جوان تھے ایک دھن تھی، جو انہیں بے اختیار کھینچے لیے جا رہی تھی، اور ان کے پیر... خون میں نہائے ہوئے پیر تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ ذرا ٹھہر کر دم لے لیں اور تکان سے چور جسم کو کچھ آرام دے لیں۔ وہ درد کی ٹیس اور تکان کی تکلیف پر صبر کرتے رہے۔ اور بے تابی کے ساتھ کعبۂ مقصود (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی

طرف دوڑتے رہے۔

مدینہ کے تین میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ یہ ذرا اونچائی پر واقع تھی اور عالیہ اور قبا کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں مسلمانوں کے کئی اونچے گھرانے تھے۔ رسول خدا ان کے مہمان ہوئے۔ اور چودہ دن وہیں ٹھہرے رہے۔ وہاں کے دوران قیام میں خود دست مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد بھی ڈالی۔ جو "مسجد قبا" کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہیں پر علیؓ کی آپؐ سے ملاقات بھی ہوئی۔ اور پھر چھوٹا مجاہد بڑے مجاہد کے ساتھ ہو گیا۔ اب خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ ایک ہی ساتھ تین، تین خوشیاں اکٹھا تھیں۔ ملاقات کی خوشی، دشمنوں سے نجات کی خوشی، اور پھر جاں نثار ساتھیوں میں پہنچنے کی خوشی۔ چودہ دن گزر گئے تو آپؐ نے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا رخ کیا۔

مدینہ میں آپؐ کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اب کیا تھا! ہر طرف عجیب و غریب منظر تھا۔ مسلمان، مشرک اور یہودی سب خوشی سے اچھل رہے تھے اور مسرت کے گیت گا رہے تھے۔ سارے ہی لوگ شوق و محبت سے بے تاب تھے۔ ہر طرف ایک ہما ہمی تھی۔ ہر طرف آپؐ کی آمد آمد تھی۔ سب پر انتظار کا عالم تھا۔ ننھے ننھے بچے تک خوشی سے ناچ رہے تھے۔ اور گلیوں میں کہتے پھرتے تھے:

"پیارے نبیؐ آ رہے ہیں۔"

لوگ ہر روز صبح تڑکے ہی شہر سے باہر نکل جاتے۔ اور بے تابی کے ساتھ افق پر نظریں جما دیتے۔ اسی طرح وہ پہروں آپؐ کا راستہ دیکھتے رہتے۔ اور پھر مایوس ہو کر حسرت کے ساتھ لوٹ آتے۔ ایک دن وہ انتظار کر کے واپس جا چکے، کہ ایک اونچے ٹیلے سے ایک آواز بلند ہوئی۔ اور ساری فضا میں گونج اٹھی:

"لوگو! جس کا انتظار تھا، وہ آ گیا۔"

یہ ایک چھوٹا سا جملہ تھا، جس پر سارا مدینہ بے تاب ہو اٹھا۔ اور سب کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔ مردوں کے سینے خوشی سے امنڈ آئے اور بچوں اور عورتوں کے چہرے پھول کی طرح کھل اٹھے۔ یہ آواز ایک یہودی کی آواز تھی، جو مسلمانوں ہی کی طرح بے تابی سے محمدؐ کے انتظار میں تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر مسلمان محمدؐ کے انتظار میں خوشی سے بے قابو ہے۔ ہر ایک کے گھر عید کا سماں ہے۔ یہ ایک عجیب دھوم دھام اور چہل پہل ہے۔ کیوں؟ محمدؐ آ رہے ہیں! اس

سے وہ بہت متاثر ہوا۔ اور اب اس پر بھی ایک انتظار کا عالم تھا۔ آج اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ آ رہا ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی ہر دلعزیز مہمان ہے۔ اور خوشی سے پکار اٹھا:

"لوگو! جس کا انتظار تھا وہ آ گیا۔"

تمام بوڑھے اور جوان بے تابانہ گھروں سے بہر استقبال نکل آئے اکثر لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ لیکن ان کے دل آپ کو خوب جانتے تھے۔ ان کے سینہ میں محبت و شوق کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

کھجور کے درخت کے نیچے پیارے نبی کی اپنے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ لوگ شوق سے بیتاب تھے۔ لیکن آپ کو پہچان نہ سکتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دھوپ سے بچانے کے لیے سر پر چادر تانی، تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا پیارا رسول ہے۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ راستہ ہی میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ بنی سالم کے محلہ میں تھے۔ اس لیے جمعہ کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی۔ آپ کے ساتھ ان جاں نثاروں نے بھی نماز ادا کی، جو آپ کو دیکھنے سے پہلے ہی مسلمان تھے۔

اس کے بعد رسول خدا مدینہ میں داخل ہوئے اس پاک سرزمین میں جس نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جبکہ دشمن نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار بھی ہتھیار سجا کر آ گئے۔ اس طرح قبا سے مدینہ تک آپ کے دونوں طرف جاں نثاروں کی قطاریں تھیں۔

یہ عجیب و غریب منظر تھا۔ جو سینکڑوں برس گزر گئے تھے خوشی و غم کے ہزار ہا واقعات پیش آ چکے تھے۔ بڑے بڑے میلے اور جشن منائے جا چکے تھے لیکن مدینہ کی گلیوں نے کبھی یہ نظارہ نہ دیکھا تھا۔

مدینہ کے ہر خاندان کی تمنا تھی کہ رسول خدا کو اپنا مہمان بنائے ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:

"اللہ کے رسولؐ! آپ ہمارے یہاں ٹھہریں۔ دیکھئے، یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔"

رسول خدا مسکراتے ہوئے شکریہ ادا فرماتے اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے۔ اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے اس کی مہار ڈھیلی کر دی، اور فرمایا:

"میں وہاں ٹھہروں گا، جہاں اللہ ٹھہرائے گا۔"

اونٹنی مدینہ کی گلیوں میں چل رہی تھی۔ اور صحابہؓ آپؐ کے ارد گرد تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ تھا، جو جوش میں نعرہ لگا رہا تھا:

''اللہ اکبر، محمدؐ آ گئے۔ اللہ اکبر، رسولِ خدا آ گئے۔''

ننھے ننھے لڑکے اور معصوم بچیاں دف بجا رہی تھیں۔ اور خوشی میں گا تی جا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا	وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا	جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ
اے ہم میں آنے والے!	یہاں تیری باتیں سنی جائیں گی

عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئی تھیں، اپنے معزز مہمان کو ایک نظر دیکھ لینے کے لیے۔ مرد بھی اونچی اونچی جگہوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

پیارے نبیؐ کی اونٹنی چلتی رہی، چلتی رہی۔ پھر ایک جگہ آ کر ٹھہر گئی۔ اور وہیں بیٹھ گئی۔ یہ خاندانِ نجار کے دو یتیموں کی زمین تھی۔ اس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔

اونٹنی بیٹھی تو پیارے نبیؐ اُتر آئے۔ پھر فرمایا:

''یہ زمین کس کی ہے؟'' (آپؐ یہاں مسجد بنانا چاہتے تھے۔)

عفراء کے بیٹے معاذؓ آگے بڑھے، عرض کیا:

''رسولِ خدا! سہل اور سہیل دو بچے ہیں۔ یہ زمین انہی کی ہے۔ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور اب وہ دونوں میری ہی پرورش میں ہیں۔ آپؐ خوشی سے یہاں مسجد بنوائیں۔ میں انہیں راضی کر لوں گا۔''

لیکن آپؐ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان دونوں نے سنا تو یہ زمین مفت دینی چاہی۔ مگر آپؐ نے یہ پسند نہ فرمایا اور قیمت دے کر خریدی پھر زمین برابر کی گئی۔ اور مسجد بنی شروع ہو گئی۔

آپؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔ اب کیا تھا! وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ حضرت ابو ایوب آپؐ کا بہت خیال رکھتے اور ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ سات

مہینے آپؐ یہیں ٹھہرے رہے۔

اس مدت میں مسجد بن کر تیار ہو گئی۔ پھر مسجد کے قریب ہی امہات المومنین کے لیے کچھ کوٹھڑیاں بنیں، جن کو حجرہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ یہیں چلے آئے۔

رسولِؐ خدا قبیلۂ نجار میں ٹھہرے، تو قبیلہ والوں کو کتنی خوشی ہوئی، اس کا اندازہ کون کرے؟ نجار کی لڑکیاں خوشی سے اچھلتی تھیں اور بے خود ہو کر یہ گیت گاتی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ
اے ہے، محمدؐ ہمارے پاس رہیں گے

☆☆☆

پیارے نبیؐ مدینہ میں رہنے لگے۔ رہتے رہتے کافی دن ہو گئے۔ یہ دن بہت سکون سے گزرے۔ ہر طرح کا آرام تھا۔ کسی طرح کا خوف اور خطرہ نہ تھا۔ پیارے نبیؐ نے امہات المؤمنین کو بھی بلا لیا۔ پیاری صاحبزادیاں بھی آ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھ دیا۔ وہ بھی ماں بہنوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی اہل و عیال کو بلا لیا۔ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، وہ بھی مدینہ چلے آئے۔ ساتھ میں بیوی بچوں کو بھی لائے۔ تقریباً لوگ مدینہ آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ ساتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انصار اگرچہ ان کی بہت مدد کرتے اور ان کے آرام کا پورا دھیان رکھتے۔ لیکن پھر بھی بڑی تنگی سے گزارا ہوتا تھا۔

اللہ اکبر! حضورؐ کے حسن تدبیر کو کیا کہیے! بس تعریف اور داد دیجیے! آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا پھر انصارؓ سے فرمایا:

”یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔“

اس کے بعد آپ ایک انصاری کو بلاتے۔ پھر ایک مہاجر کو بلاتے اور فرماتے:

”یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔“

اب وہ سچ مچ بھائی بھائی تھے۔ انصار اپنے اپنے بھائیوں کو گھروں پر لے گئے۔ انہیں اپنے یہاں ٹھہرایا۔ رہنے کے لیے گھر دیا۔ مال و جائیداد میں ان کا حصہ لگایا۔ اور ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا۔ اب مدینہ ان کا اپنا وطن تھا جہاں ان کے لیے ہر طرح کی سہولت تھی۔ غرض اس بھائی چارہ سے انصار اور مہاجرین کے تعلقات بہت مضبوط ہو گئے اور دونوں میں گہری محبت اور الفت ہو گئی۔ ہر ایک دوسرے کو دل سے چاہنے لگا۔ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا وہی بھائی کے لیے بھی پسند کرتا اور جو چیز خود ناپسند ہوتی وہ بھائی کے لیے بھی ناپسند ہوتی۔ یوں سمجھئے اب وہ ایک جان دو قالب تھے۔

مہاجرین تو ہاتھ پیر مارنے کے عادی تھے، موقع پاتے ہی کاروبار میں لگ گئے۔ کوئی تجارت میں لگ گیا اور کوئی انصار کی زمین میں کاشت کرنے لگا۔

حرکت میں برکت تو ہوتی ہی ہے۔ اللہ نے کاروبار میں برکت دی اس طرح بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے اور پھر سے اپنے گھر بسا لیے۔

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو بہت زیادہ مفلس تھے ان کے رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کسی کاروبار کے بھی وہ لائق نہ تھے۔ اس طرح دو، دو، تین، تین دن ان کے فاقہ میں گزر جاتے۔ حضورؐ ان کا بہت خیال رکھتے اور بیت المال سے انہیں وظیفہ بھی دیتے۔ مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر ایک چبوترہ[1] تھا، رات میں یہ بیچارے وہیں پڑ رہتے۔

مدینے میں یہودیوں کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی۔ اور یہی عرب کے مہاجن تھے۔ اس لیے مدینہ پر انہی کی حکومت تھی۔ ایسی حالت میں وہاں امن کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی تھی۔ یہ خوش رہیں۔ اور تعلقات ان سے خوشگوار رہیں۔ اس لیے پیارے نبیؐ نے سوچا کہ ان سے سمجھوتہ ہو جائے اور مدینہ میں مسلمان، یہودی سب آزادی سے رہیں۔ کوئی کسی کے مذہب کی توہین نہ کرے۔ کوئی کسی کے مال کو ہاتھ نہ لگائے۔ کوئی دشمن شہر پر حملہ کرے تو مقابلہ میں دونوں ایک ہوں۔ مالِ غنیمت ملے، تو اس میں بھی برابر کے شریک ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے یہودیوں سے بات چیت کی۔ اور وہ بخوشی راضی ہوگئے۔ پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور ایک معاہدہ تحریر ہوگیا۔ مگر یہ معاہدہ زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ یہودیوں کی باطل آرزوؤں سے بے بنیاد تھے زمین پر آ رہے۔ اور انہوں نے ذاتِ گرامیؐ سے جو توقعات وابستہ کی تھیں، وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

یہودی مدت سے ایک نبی کے منتظر تھے۔ چنانچہ جہاں انہیں "نبی" کے آنے کی امید تھی۔ وہاں وہاں وہ جا کر بستے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آنے والا نبی ہمارے ہی مذہب کا پیرو ہوگا۔ اور جب وہ آئے گا، تو ہمارے مذہب کے پیرو جم جائیں گے۔ اور ہر طرف اسی کا بول بالا ہوگا اور عیسائی مذہب دنیا سے مٹ جائے گا۔ کوئی نام لیوا بھی نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شروع میں آپؐ کے مدینے تشریف لانے سے بہت خوش تھے اور خوشی خوشی معاہدے پر بھی راضی ہوگئے تھے۔ مگر آپؐ نے بالکل ہی نیا دین پیش کیا اور نئی نئی باتیں بتائیں۔ جو یہودیوں کے بالکل خلاف تھیں۔ بھلا اب برداشت کی کہاں تاب تھی؟ اب صبر و سکوت کا کیا سوال تھا؟

اب آپؐ ان کے لیے حلق کا کانٹا بن گئے۔ معاہدہ کا انہوں نے کوئی خیال نہ کیا اور مخالفت

[1] عربی میں چبوترہ کو "صفہ" کہتے ہیں۔ اس لیے یہ اصحابِ صفہ کہلاتے ہیں۔

میں سارا زور لگا دیا۔ لگانے بجھانے میں تو وہ ماہر تھے ہی۔ "دو سروں کو لڑا دو، پھر اپنا کام بناؤ۔" یہ ان کا اصول تھا۔ اسی اصول سے یہاں بھی کام لیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ پھر بھی وہ مایوس نہ ہوئے۔ اور ایک دوسری چال چلی۔ یعنی اب وہ مدینہ کے مشرکوں کے کان بھرنے لگے۔ چنانچہ وہ ان کی باتوں میں آ گئے۔ اور ان کے ساتھ ہو گئے لیکن جو مسلمان تھے، وہ تو ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ خود دکھ اٹھاتے تھے مگر اپنے بھائی کو آرام پہنچاتے تھے۔ وہ بھلا ان بدبختوں کی باتوں میں کیسے آتے۔ بری طرح انہیں پھٹکار دیا اور نفرت سے منہ موڑ لیا۔ اور اسلام پھیلانے میں تن من سے لگے رہے۔

☆ ☆ ☆

محمد عربی ﷺ

دعوتِ حق
تلواروں کی چھاؤں میں

۞

مسلمانوں کے لیے جنگ کی اجازت۔

مسلمانوں کی دفاعی سرگرمیاں۔

ابوسفیان کا سفر شام۔

عاتکہ کا خواب۔

ضمضم کی آتش نوائی۔

قریش کی جنگی تیاریاں۔

لشکر قریش کی روانگی۔

ابوسفیان کا قاصد۔

ابوجہل کی خودرائی۔

ابوسفیان کو ملال۔

حضورؐ کا صحابہؓ سے مشورہ۔

صحابہؓ کی سرفروشانہ تقریریں۔

مدینہ سے اسلامی فوج کی روانگی۔

میدان کارزار میں حضورؐ کا تاریخی خطبہ۔

قریش کے جاسوس اور ان کا تاثر۔

میدان بدر میں حق و باطل آمنے سامنے۔

ایوان باطل میں صف ماتم بچھ گئی۔

حضورؐ کے قتل کی دوبارہ سازش اور پھر ناکامی۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج ۳۹)

''جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے۔ اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔''

مدینے پہنچ کر مسلمان زور پکڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر مشرکوں کے دل جلنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کا زور توڑنے کا فیصلہ کرلیا اور مدینہ پر چڑھائی کے منصوبے بنانے لگے۔ اس وقت اللہ نے مسلمانوں کو بھی جنگ کی اجازت دے دی۔ اور حکم ہوا کہ اب طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ سختی کے مقابلہ میں سختی کرو۔ دشمن تمہاری طرف بڑھیں، تو ان کے دانت کھٹے کردو۔

ادھر مدینے میں بھی ایک نیا گروہ پیدا ہوگیا تھا۔ یہ تھا منافقوں کا گروہ.... مسلمانوں کا کٹر دشمن۔ ان کے ایمان کے لیے سخت خطرہ! یہ کبھی کھل کر سامنے نہ آتا۔ اندر ہی اندر اسلام سے گھٹتا اور دوست بن کر مسلمانوں کو ورغلاتا۔ اللہ نے اس کے ساتھ بھی سختی کرنے کا حکم دیا۔

مکہ پیارے نبیؐ کا وطن تھا۔ بہت سے مسلمانوں کا بھی وطن تھا۔ اور اپنے وطن سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ لیکن وہاں کی سرزمین ان پر تنگ ہوگئی۔ اور سانس لینا تک ان کے لیے دوبھر ہوگیا۔ مجبوراً ان کو بے وطن ہونا پڑا۔ اور دولت اور جائیداد سب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حد یہ ہے کہ کعبہ بھی چھن گیا اور حج اور طواف پر پابندی لگ گئی۔ اس کا پیارے نبیؐ کو بہت رنج تھا۔ مسلمانوں کو بھی سخت صدمہ تھا۔ لہٰذا اب ان کی نظریں مکہ کی طرف اٹھنے لگیں۔

ظالموں سے جنگ کرنے کا حکم تو آہی چکا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے عزم کیا کہ اب ظلم کی آگ بجھائیں گے۔ مشرکین اور منافقین کی طرف سے دین کو جو خطرہ درپیش ہے۔ اس خطرے کو دبائیں گے۔ کعبہ کو آزاد کریں گے۔ اور حج کی پابندی کو ختم کریں گے۔

چنانچہ مکہ والوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ ان کے کیا ارادے ہیں؟ یہ معلوم کرنے کی مسلمانوں نے دوڑ دھوپ شروع کردی۔ وہ ٹولیاں بنا بنا کر مدینے سے باہر نکل جاتے اور جہاں کہیں قریش کے قافلے ملتے، ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔

یہ ٹولیاں سو سو، پچاس پچاس آدمیوں کی ہوتیں۔ جن میں پانچ زیادہ مشہور ہیں۔ ایک کے تو

امیر حمزہؓ تھے۔ دوسری کے حضرت عبیدہؓ بن حارث، تیسری کے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، چوتھی کے حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور پانچویں میں خود پیارے نبیؐ شریک تھے۔ ان ٹولیوں سے قریش کا کبھی جم کر مقابلہ نہ ہوا۔ ہمیشہ یا تو بیچ بچاؤ ہو گیا۔ یا وہ بچ کر نکل گئے۔ پھر ان ٹولیوں نے ایک کام اور کیا۔ انھوں نے آس پاس کے قبیلوں سے دوستی کر کے ان سے امن وامان کے معاہدے کر لیے۔ کیونکہ ان کے بگڑ جانے سے مدینہ میں بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ ان قبیلوں نے آسانی سے معاہدے کر لیے اور ضرورت پڑنے پر مدد کرنے کے بھی وعدے کیے۔

ہجرت سے پہلے قریش کو خبر ملی کہ انصار نے عقبہ میں پیارے نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپؐ کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی قسمیں کھائی ہیں۔ یہ سن کر وہ لرز گئے۔ اور سمجھ گئے کہ اب شامت آ گئی ہے۔ بس جلد ہی ایک ہولناک جنگ کا سامنا ہے۔ وہ جنگ اب سر پر منڈلا رہی تھی۔

پیارے نبیؐ نے ہجرت کی تو قریش کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ سمجھ گئے کہ اب برے دن آنے والے ہیں۔ وہ برے دن آج سامنے تھے۔

قریش کو اپنی شامی تجارت کے بارے میں خطرہ تھا۔ وہ خطرہ بھی اب سر اٹھا چکا تھا۔

قریش کا ایک بہت بڑا سردار تھا ابوسفیان۔ یہ حرب کا بیٹا تھا۔ ہجرت کے دوسرے سال وہ تجارت کے ارادے سے شام گیا۔ قریش کے اور لوگ بھی ساتھ تھے۔ پھر لوٹا تو دولت کا ٹھکانا نہ تھا۔ سامان بھی بے انتہا تھا۔

اسلامی دستے قافلوں سے چھیڑ چھاڑ تو کیا ہی کرتے تھے۔ ابوسفیان کو اندیشہ ہوا کہ مال وافر ہے اور آدمی تھوڑے ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا کوئی دستہ چھاپہ نہ مار دے۔ چنانچہ اس نے قریش کے پاس ایک آدمی دوڑایا۔ یہ تھا عمرو کا بیٹا ضمضم۔ ابوسفیان چاہتا تھا کہ قریش کو اس خطرہ کی خبر ہو جائے تاکہ وہ مدد کے لیے آ جائیں۔ ضمضم کو بھیجتے ہوئے اس نے کہا:

''مکہ پہنچتے ہی اونٹ کے دونوں کان کاٹ دینا۔ پھر کجاوے کا رخ بدل دینا۔ اور اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے چاک کر دینا۔ پھر بے تحاشا چیخنا، مدد، مدد!''

مکہ میں یہی دستور تھا۔ جب بھی کوئی خطرے کی بات ہوتی لوگ ایسا ہی کرتے۔ اس طرح پورے شہر میں کھلبلی مچ جاتی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے آدمی جمع ہو جاتے۔

☆☆☆

ہجرت کا دوسرا سال اور شعبان کا مہینہ تھا۔ مکہ میں عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہؓ نے ایک خواب دیکھا۔ خواب اس قدر ڈراؤنا تھا کہ عاتکہؓ گھبرا گئیں اور خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہے اور وہ تیزی سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ پھر اس نے چیخ کر دور ک لیا۔ اور زور سے چیخا:

"قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔"

یہ سن کر سب لوگ جمع ہو گئے۔ پھر وہ آدمی خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا۔ لوگ بھی پیچھے گئے۔ سارے لوگ اس کے ارد گرد کھڑے تھے کہ اچانک اسے لے کر اونٹ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا۔ پھر وہ زور سے چیخا:

"قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔"

پھر اس کا اونٹ ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ابوقبیس نامی پہاڑ پر۔ وہاں پہنچ کر وہ آدمی پھر زور سے چیخا:

"قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔"

پھر اس نے ایک چٹان اٹھائی۔ اور پوری طاقت سے زمین کی طرف پھینک ماری۔ چٹان زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہو گئی اور اس کے ٹکڑے چھٹک کر مکہ کے سارے گھروں میں پہنچے، کوئی بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔

صبح ہوئی تو عاتکہؓ نے اپنے بھائی عباسؓ کو بلایا اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ خواب سن کر وہ بولے:

"دیکھو بہن! اب کسی اور سے نہ بیان کرنا۔ یہ خواب کسی سے کہنے کا نہیں۔"

لیکن عباسؓ سے خود ہی نہ رہا گیا اور انہوں نے اپنے کسی دوست سے بیان کر دیا۔ دوست سے کہنا تھا کہ آندھی کی طرح یہ بات پورے مکہ میں پھیل گئی۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ انہوں نے سنا تو عاتکہؓ کا خوب خوب مذاق اڑایا۔ ابوجہل نے تمسخر کے انداز میں

عباسؓ سے کہا:

"اخاہ! اب تک تو تمہارے یہاں کے آدمی ہی نبی ہو رہے تھے۔ اب عورتیں بھی نبی ہونے لگیں؟"

لیکن عاتکہؓ کا خواب سچا نکلا۔ ضمضم تین دن کے بعد مکہ پہنچ گیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے اونٹ کے دونوں کان کاٹ دیے۔ پھر اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اور کجاوے کا رُخ بدل دیا۔ پھر چیخا:

"قریش کے لوگو! لوی بن غالب کے فرزندو! تمہارا قافلہ آ رہا ہے۔ مشک اور خوشبو میں لا رہا ہے۔ اور بھی بہت سا سامان لا رہا ہے۔ بڑھ کر اسے بچاؤ۔ محمدؐ اور اس کے ساتھی اسے لوٹ نہ لیں۔ دوڑو! دوڑو! مدد کے لیے دوڑو! اپنے سامان کو بچاؤ!"

☆☆☆

عرب کی غیرت وحمیت کا حال کسے معلوم نہیں؟ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ دونوں طرف سے ٹڈی دل امنڈ آتا اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ پھر یہ لڑائیاں برسہا برس قائم رہتیں۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے۔ کنبے کے کنبے ویران ہو جاتے لیکن وہ بند ہونے کا نام نہ لیتیں۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ لیکن مقتول کا نام کاغذ پر درج ہوتا۔ اور پشت با پشت تک بچوں کو یاد کرایا جاتا کہ وہ بڑے ہوں تو اس کا بدلہ لیں۔ داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں کون نہیں جانتا؟ چالیس برس تک قائم رہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں جانیں ان کی نذر ہو گئیں۔ وہ بھی اسی بنا پر ہوئیں۔

رجب ۲ھ کا واقعہ ہے۔ حضورؐ نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا، کہ وہاں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگائیں۔ اتفاق سے قریش کا ایک مختصر سا قافلہ ادھر سے گزرا۔ ان لوگوں نے اسے لوٹ لیا۔ اور ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کیا۔ قتل ہونے والا آدمی عمرو بن حضرمی تھا جو عامر بن حضرمی کا بھائی تھا۔ پیارے نبیؐ کو خبر ملی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

"میں نے تمہیں اس لیے تو نہیں بھیجا تھا۔"

ادھر قریش کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے خود ہو گئے۔ اور جذبۂ انتقام سے سرشار۔ اب انہیں جنگ کی دھن تھی۔ اور رات دن اسی کی فکر۔ حضرمی کی پکار نے زخم پر نمک چھڑکا۔ اور آتش غضب کو اور بھڑکا دیا اب وہ جوش سے بیتاب ہو گئے۔ اور جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جلدی جلدی انہوں نے بہادر سپاہیوں کو جمع کیا اور جس قدر ممکن تھا اونٹ گھوڑوں کا انتظام کیا جسے دیکھئے غصہ سے بے تاب تھا اور محمدؐ سے ٹکر لینے پر دو مردوں کو ابھار رہا تھا۔ جوش کا عالم تھا۔ ہر ایک جانے کے لیے تیار تھا اور جو نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے آدمی بھیج رہا تھا۔

قریش کے سارے سردار اس مہم میں شریک ہوئے۔ البتہ ابولہب کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لیے اس نے چار ہزار درہم پر ایک آدمی کو تیار کرایا اور اپنی جگہ سے بھیج دیا۔ ورنہ جوش کا تو یہ حال تھا کہ اگر کوئی جانے سے جی چراتا تو ساتھی بگڑ جاتے اور اس کو شرم دلاتے ہوئے کہتے:

"تم تو عورت ہو۔ گھر میں گھسے رہنے کے عادی ہو۔"

نتیجہ یہ ہوتا کہ اسے غیرت آ جاتی۔ اور وہ بھی جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔

کچھ لوگ جوش دلانے اور جذبات کو بھڑ کانے میں پیش پیش تھے۔ سہیل نامی ایک سوار بھی انہی میں سے تھا۔ اس نے قریش کے لوگوں سے کہا:

"غالب کے بیٹو! کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ مسلمان ہمارے قافلوں کو لوٹ لیں؟ کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ وہ سارے سامان پر قبضہ کر لیں۔ اور تمام اونٹوں کو ہنکا لے جائیں؟ کسی کو مال کی ضرورت ہو تو مال حاضر ہے۔ کسی کے پاس ہتھیار نہ ہو تو ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں۔"

اس طرح قریش ساڑھے نو سو بہادروں کے ساتھ نکلے۔ ساتھ ہی سو گھوڑے اور سات سو اونٹ بھی تھے۔ پیدل فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ سو زرہیں تھیں۔ ساتھ میں گانے والی عورتیں تھیں۔ یہ بدنصیب رسول پاکؐ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتیں، اور اس طرح سپاہیوں کی آتش غضب کو اور بھڑکاتیں۔

دشمنوں کا یہ لشکر اکڑتا ہوا چلا۔ ہر ایک پیارے نبیؐ پر دانت پیس رہا تھا اور غصہ سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ ان کے پیش نظر صرف یہی نہ تھا کہ قافلہ کو بچا لائیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی تھا کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے دبا دیں۔ اور مدینہ میں جو یہ طاقت جمع ہو رہی ہے، اسے اس طرح کچل ڈالیں کہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

ادھر ابوسفیان قافلہ کو لے کر آگے بڑھا اور بڑھتے بڑھتے سرزمین حجاز سے بہت قریب ہو گیا۔ خوفزدہ تو تھا ہی، اب آگے کی خبریں معلوم کرنے لگا کہ مسلمانوں کی زد میں نہ آ جائے۔

پھر وہ ضمضم کا راستہ دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ضمضم آ رہا ہوگا اور ساتھ میں قریش بھی مدد کے لیے آ رہے ہوں گے۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

پھر جب وہ رات آئی جس میں اسے بدر کے چشمہ پر پہنچنا تھا، تو اونٹ تیزی سے پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ حالانکہ پانی کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ ابھی ایک ہی دن پہلے وہ خوب سیراب ہو چکے تھے۔

قافلہ والوں نے یہ ماجرا دیکھا تو گھبرا گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اب تک تو اونٹوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج کیا بات ہے؟ رات بھی بڑی تاریک تھی۔ نگاہ کچھ بھی کام نہیں کر رہی تھی۔ اس سے ان کی گھبراہٹ اور بڑھی اور خوف سے برا حال ہو گیا۔

ابوسفیان نے اب رُخ بدل دیا۔ اس کو ڈر تھا کہ مسلمان تاک میں ہوں گے اور وہ بدر کے پاس ہی چھپے ہوں گے۔ لہٰذا اس نے دوسرا راستہ پکڑا۔ بدر سے ہٹ کر اب وہ ساحل پر چلنے لگا۔ اس طرح بدر اب بائیں جانب تھا اور وہ تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ادھر قریش برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ راستہ میں وہ جہاں کہیں پانی دیکھتے پڑاؤ ڈال دیتے۔ ٹھہر کر اونٹ ذبح کرتے۔ خود کھاتے۔ دوسروں کو کھلاتے۔ شراب وکباب کے دور چلتے۔ پھر وہاں سے وہ آگے چل دیتے۔

اس طرح وہ کھاتے پیتے عیش کرتے اور غرور سے اکڑتے چلے جا رہے تھے کہ مکہ سے ایک آدمی پہنچا اور اس نے کہا:

"بھائیو! اب مکہ لوٹ چلو۔ قافلہ بالکل صحیح سالم لوٹ آیا۔ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ نہیں لگا۔ خیر اسی میں ہے کہ اب لوٹ چلو۔ مدینہ والوں سے ٹکر لینے کی مت سوچو۔ وہ تکّا بوٹی کے مثل کاٹ کر رکھ دیں گے۔ قریشی بھائیو! اب آگے نہ بڑھو۔ قافلہ تو بچ گیا۔ اس سے زیادہ کیا چاہیے؟ تم تو قافلہ ہی کو بچانے نکلے تھے۔ اللہ نے اسے خود ہی بچا لیا۔"

اس آدمی نے یہ باتیں انہی کے بھلے کے لیے کی تھیں۔ لیکن وہ سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اکثر لوگوں نے صاف انکار کر دیا۔

قبیلہ بنی ہاشم کی سمجھ میں یہ باتیں آ گئیں۔ چنانچہ انہوں نے لوٹنا چاہا۔ مگر ابوجہل بگڑ گیا اور تن کر بولا:

"نہیں، بخدا! ہم ہرگز نہیں لوٹیں گے۔ ہم تو بدر تک جائیں گے۔"

بدر ایک گاؤں ہے، جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر واقع ہے۔

وہ آدمی ابوسفیان کے پاس لوٹ آیا۔ آ کر اس نے سارا قصہ سنایا اور جو کچھ باتیں ہوئی تھیں سب بیان کر دیں۔ ابوسفیان نے یہ باتیں سنیں تو اسے بہت افسوس ہوا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

"ہائے میری قوم! یہ سب ابوجہل کی کارستانی ہے۔ وہ لوٹنے پر تیار نہ ہوا۔ کیونکہ وہ آج لوگوں کا سردار بن گیا ہے! اس نے لوگوں پر ظلم کیا۔ اس نے خود رائی سے کام لیا۔ خیر خواہی کی بات تھی۔ لیکن اس نے ٹھکرا دیا۔ دوسروں کی نہ سننا بہت بڑا عیب ہے۔ اس کا نتیجہ بربادی اور ہلاکت ہے۔"

☆☆☆

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال کی خبر ہوئی، تو آپؐ نے محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی ہے اور اگر اس وقت ہمت کا ثبوت نہ دیا گیا، تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی۔ اور سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع نہ پائے گی۔ مدینہ میں آئے ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے ... مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی ناآزمودہ، یہودی مخالفت پر کمربستہ، خود مدینہ کے مشرکوں اور منافقوں کا خطرہ۔ ایسے میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ بھی نہ کریں، صرف اپنے زور سے قافلہ کو بچا کر نکال لے جائیں اور مسلمان دبکے بیٹھے رہیں، تب بھی مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑے گی، کہ عرب کا بچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا۔ اور پھر پورے ملک کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی۔ آس پاس کے جتنے قبیلے ہیں، قریش کے اشاروں پر ناچنے لگیں گے۔ مدینہ کے مشرکین بالکل بے باک ہو جائیں گے۔ اور یہودی اور منافقین علی الاعلان سر اٹھائیں گے۔ پھر مدینہ میں جینا مشکل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کا کوئی رعب اور اثر نہ ہوگا۔ جو چاہے گا، ان کو مارے گا۔ اور مال و آبرو پر بے تامل ہاتھ ڈالے گا۔ اس بنا پر آپؐ نے عزم کیا کہ جو طاقت بھی میسر ہے، اسے لے کر نکلیں گے، اور میدان میں فیصلہ کریں گے کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے۔

یہ ارادہ کر کے آپؐ نے سب کو جمع کیا اور ساری صورت حال سامنے رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر آ رہا ہے۔ بتاؤ کدھر چلنے کا خیال ہے؟ جواب میں ایک بڑے گروہ نے کہا: "قافلہ کی طرف" لیکن پیش نظر تو کچھ اور تھا، اس لیے آپؐ نے اپنا سوال دہرایا۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور انہوں نے بہت ہی جاں نثارانہ تقریر کی۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے اور انہوں نے بھی بہت عمدہ اور پرجوش تقریر کی۔ اس کے بعد عمرو کے بیٹے مقدادؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا:

"اللہ کے رسولؐ! جدھر رب کا حکم ہے، اسی طرف چلیے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ بنی

اسرائیل نے تو اپنے نبی سے کہا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، لیکن ہم ایسے کہنے والے نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ چلیے آپؐ اور آپ کا خدا جنگ کیجیے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش میں ہے، ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔''

پیارے نبیؐ نے یہ تقریر سنی تو چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کی تعریف کی اور دعا دی۔ پھر فرمایا:

''لوگو! تم بھی کچھ بولو!''

انصار سمجھ گئے کہ آپؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ وجہ یہ تھی کہ انصار کے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی مہم میں شریک نہ ہوئے تھے۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ جو مدینہ کے معزز لوگوں میں تھے اٹھے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسولؐ! شاید اشارہ ہماری طرف ہے؟''

آپؐ نے فرمایا:

''ہاں!''

حضرت سعدؓ نے کہا:

''میں اس وقت سارے انصار کی طرف سے بول رہا ہوں۔ اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ ہم نے آپ کو سچا سمجھا ہے۔ ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ کی باتیں حق ہیں۔ ہم آپ کی اطاعت کا عہد بھی کر چکے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ! اب آپؐ نے جس کام کا ارادہ فرمایا ہے، بے جھجک اس کے لیے قدم بڑھایے۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ ہمیں لے کر سمندر میں کود پڑیں، تو بھی ہم بخوشی تیار ہیں۔ ہم میں کوئی پیچھے رہنے والا نہیں۔ آپؐ بے تامل جس سے چاہیے صلح کیجیے اور جس سے چاہیے، جنگ کیجیے۔ پھر ہماری دولت بھی آپؐ کے قدموں پر ہے...... جتنی چاہیں لے لیجیے کیونکہ جتنی ہی زیادہ آپؐ لیں گے، ہمیں اتنی ہی زیادہ خوشی ہوگی۔ میں اس راستے پر کبھی نہیں گیا ہوں، نہ اس کے بارے میں کوئی واقفیت ہے لیکن ہم دشمن سے بھاگنے والے نہیں، ہم تو میدان جنگ کے شیر ہیں۔ مقابلہ میں ڈٹ جانے والے ہیں، امید ہے کہ ہم بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائیں گے کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے۔''

یہ خلوص و محبت سے بھری ہوئی تقریر تھی۔ پیارے نبیؐ نے یہ تقریر سنی۔ تو بے حد خوش ہوئے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت سعدؓ کا شکریہ ادا فرمایا، اور دعا دی:

حضرت سعدؓ کی تقریر کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔ اس کی رحمتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے مجھ سے "بڑے گروہ" کا وعدہ کیا ہے بخدا مجھے تو دشمنوں کی قتل گاہیں نظر آ رہی ہیں۔"

پھر آپؐ نے ساتھیوں کو دشمنوں کی قتل گاہیں بتائیں کہ فلاں شخص اس جگہ قتل ہوگا، اور فلاں آدمی اس جگہ دم توڑے گا۔

یہ سن کر لوگ سمجھ گئے کہ اب قافلہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب جنگ ہی ہو کر رہے گی۔

ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ مدینہ سے ایک میل پر ایک مقام ہے "بئر ابی عنبہ"۔ آپؐ وہاں پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا اور جو کم عمر تھے، ان کو واپس کر دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے اور بدھ کی رات میں روحاء پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپؐ نے وضو کیا، اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آخری رکوع سے فارغ ہوئے تو کافروں پر لعنت بھیجی۔ پھر فرمایا:

"خدایا! ابوجہل اس امت کا فرعون ہے، اسے زندہ نہ چھوڑ!"

اسی روز آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوج کو ترتیب دی۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو عطا فرمایا۔ خزرج کا علم حضرت حبابؓ بن منذر کو عنایت فرمایا اور اوس کا علمبردار حضرت سعد بن معاذؓ کو بنایا۔

پھر پیارے نبیؐ ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے، ان کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی تھے۔ بدر کے پاس پہنچ کر آپؐ رک گئے۔ اور علیؓ، زبیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو بھیجا کہ کچھ خبر لائیں۔ ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"اس پہاڑی کے پاس ایک کنواں ہے۔ وہاں جا کر دیکھو۔ شاید قریش کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

یہ لوگ وہاں پہنچے تو قریش کے کچھ آدمی پانی پی رہے تھے۔ ان میں دو غلام بھی تھے۔ یہ لوگ

سمجھے کہ یہ ابوسفیان کے غلام ہیں۔ چنانچہ فوراً انہیں گرفتار کر لیا، اور بقیہ لوگ فرار ہو گئے۔

یہ لوگ اپنی فوج میں پہنچے تو ایک شخص زور سے چیخا:

"قریش کے لوگو! مسلمانوں نے تمہارے ساقیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں اپنی فوج میں ہانکا لے گئے۔"

یہ سننا تھا کہ کافروں پر بجلی گر گئی۔ غصے سے وہ بوکھلا گئے اور پوری فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔

ادھر حضرت علیؓ وغیرہ نے غلاموں کو ساتھ لیا۔ اور اپنی فوج میں لوٹ آئے۔ وہاں پہنچ کر یہ لوگ ان دونوں سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ دونوں کہتے کہ ہمیں ابوسفیان کی خبر نہیں، ہم تو قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ تو یہ لوگ انہیں مارتے اور جب وہ دونوں کہتے کہ ہم لوگ ابوسفیان کے غلام ہیں، تب انہیں چھوڑ دیتے۔

پیارے نبیؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"وہ دونوں سچ بتاتے ہیں، تب تم مارتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ خدا کی قسم یہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں واقعی قریش کے بیٹے ہیں۔"

پھر آپؐ نے دونوں سے فرمایا:

"کچھ ابوسفیان کے بارے میں بتاؤ۔"

دونوں غلام بولے:

"ابوسفیان کو ہم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"اچھا قریش کہاں ہیں؟"

دونوں غلام بولے:

"بس تھوڑی دور۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"لشکر میں کتنے سپاہی ہیں؟"

دونوں غلام بولے:

"بخدا وہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟"

دونوں غلام بولے:

"ایک دن نو، ایک دن دس۔"

یہ سن کر پیارے نبی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"دشمن نوسو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔"

پھر فرمایا:

"مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔"

☆☆☆

پیارے نبیؐ نے ساتھیوں سے فرمایا:

"کس جگہ ٹھہرنا مناسب رہے گا؟"

حباب بن منذرؓ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کرلیا جائے۔ وہاں کے بارے میں مجھے خوب واقفیت ہے۔ ایک ایک کنواں میری نظر میں ہے۔ ایک کنواں تو ایسا ہے جو کبھی خشک ہی نہیں ہوتا۔ پانی بھی بلا کا شیریں ہے۔ وہاں ایک حوض بنا کر پانی سے بھر دیں گے، پھر خوب پئیں گے، اور ڈٹ کر لڑیں گے اور آس پاس کے جتنے کنویں ہیں سب کو بیکار کردیں گے۔"

وہ چاہتے تھے کہ پانی کا پہلے سے انتظام کرلیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن اس پر قبضہ کرلیں اور پھر پریشانی اٹھانی پڑے۔

حبابؓ کا مشورہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

"حبابؓ! تمہاری رائے بہت خوب ہے۔"

چنانچہ آپؐ اسی وقت اٹھے۔ جاں نثار ساتھی بھی ساتھ تھے۔ جا کر آپؐ نے پانی پر قبضہ کرلیا۔ اور حبابؓ نے جو جو کہا اس پر عمل ہوا۔

قسمت سے اسی رات بارش ہوگئی۔ زمین چونکہ ریتلی تھی۔ ساری ریت جم گئی اور چلنا پھرنا آسان ہوگیا۔ جگہ جگہ پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بھی بنا لیے گئے، جن میں مسلمانوں نے خوب نہایا دھویا، اور بالکل تازہ دم ہوگئے۔

اس کے برعکس قریش کی طرف زمین چونکہ نرم اور چکنی تھی، اس لیے پانی جم کر کیچڑ بن گیا۔ اور چلنا پھرنا ان کے لیے وبال جان ہوگیا۔ اس طرح یہ بارش مسلمانوں کے لیے رحمت بن گئی۔ اور دشمنوں کے لیے عذاب۔

پیارے نبیؐ نے عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو دشمنوں کی طرف بھیج دیا کہ جا کر وہاں حالات کا جائزہ لیں۔ دونوں جا کر وہاں گھومے پھرے حالات کا پتہ چلایا، پھر لوٹ آئے۔ آکر

انہوں نے بتایا کہ دشمنوں کا خوف سے برا حال ہے۔ اور بارش بھی لگاتار جاری ہے۔

سعد بن معاذؓ نے کہا:

"ایک ٹیلہ پر حضورؐ کے لیے خیمہ نصب کر دیا جائے اس طرح پورا میدان جنگ آپؐ کی نظروں میں رہے گا۔ ضرورت کے وقت سایہ بھی مل سکے گا۔ آرام کو دل چاہا، تو آرام بھی فرمالیں گے۔ دعا و نماز کی خواہش ہوئی تو اس کے لیے بھی بہتر رہے گا۔"

آپؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ایک خیمہ نصب ہو گیا۔

پیارے نبیؐ میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ خاص خاص ساتھی بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے ایک ایک کر کے قریش کے سرداروں کا نام لیا، اور فرمایا، فلاں اس جگہ قتل ہوگا اور فلاں اس جگہ دم توڑے گا۔

جنگ کے بعد دیکھا گیا تو ہر ایک کی لاش اسی جگہ ملی، کوئی بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ تھا۔

پھر آپؐ فوج میں تشریف لائے اور فوج کی صف آرائی کی اور ایک ماہر جنگ کی طرح اس کو ترتیب دیا۔ پھر میدان جنگ میں تشریف لائے، اور وہاں پہنچ کر ایک تقریر کی۔ تقریر بہت جوشیلی تھی۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"پیارے بھائیو! میں تمہیں ان چیزوں پر ابھارتا ہوں، جن پر اللہ نے ابھارا ہے اور ان چیزوں سے روکتا ہوں، جن سے اللہ نے روکا ہے۔ اللہ بڑی شان والا ہے۔ حق کا حکم دیتا ہے۔ سچائی کو پسند کرتا ہے اور بھلائی کرنے والوں کو اونچا رتبہ دیتا ہے۔ اسی سے وہ یاد کیے جاتے ہیں، اور اسی سے ان کے درجے بڑھتے ہیں ... اس وقت تم حق کی منزل میں پہنچ چکے ہو۔ جہاں وہی کام مقبول ہوتا ہے جو صرف اللہ کے لیے کیا جائے۔ اس موقع پر تم صبر سے کام لو کیونکہ جنگ کا موقع ہے۔ جنگ کے موقع پر صبر سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ پریشانی اور ... دور ہو جاتی ہے۔ آخرت میں بھی یہ نجات کا ذریعہ ہے۔ ... تمہارے اندر اللہ کا نبیؐ موجود ہے۔ جو تمہیں برائیوں سے ہوشیار کرتا ہے۔ اور بھلائیوں کا حکم دیتا ہے۔ دیکھو، آج تم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے۔ جس سے اللہ بیزار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ. (المؤمن:۱۰)

"تمہاری اپنے سے جو بیزاری ہے، اللہ کی بیزاری اس سے بڑھ کر ہے۔"

اللہ نے تمہیں جو کتاب دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ تمہیں جو نشانیاں دکھائی ہیں ان پر دھیان رکھو۔ ذلت کے بعد تم کو جس سے عزت ملی ہے، اس سے غافل نہ ہو۔ اس سے اللہ خوش ہوگا۔ آج اللہ تم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر تم اخلاص اور جانبازی کا ثبوت دو۔ خدا کی رحمت تم پر چھا جائے گی، اور اس کی مغفرت تم پر سایہ کرے گی۔ اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ اس کی باتیں بالکل سچی ہیں۔ اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے۔ ہم اور تم سب اسی کے دم سے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ ساری دنیا اسی کے حکم سے قائم ہے۔ وہی ہمارا سہارا ہے۔ اسی کو ہم نے مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہماری پناہ گاہ ہے۔ اللہ میری اور تم مسلمانوں کی مغفرت کرے۔"

قریش نے عمیر بن وہب کو بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگائے اور ان کے حالات معلوم کرے۔ چنانچہ وہ چھپ کر گیا اور گھوم پھر کر جائزہ لیا۔ پھر آ کر اس نے قریش سے کہا:

"مسلمان تین سو کے قریب ہیں، ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی ہیں۔"

پھر اس نے کہا:

"قریشی بھائیو! مصیبتیں موت لاتی ہیں۔ مدینے کے اونٹ موت کی سواریاں ہیں۔ سن لو۔ تم کو ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے، جو تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ دیکھتے نہیں؟ وہ چپ چاپ رہتے ہیں۔ کچھ بولتے نہیں لیکن سانپوں کی طرح ڈستے ہیں۔ بخدا میں تو سمجھتا ہوں کہ ان میں سے جو بھی مرے گا، ہم میں سے ایک کو مار کے مرے گا، بتاؤ، اگر اتنے ہی آدمی ہم میں سے مر گئے تو زندگی کا کیا لطف رہ جائے گا؟ اس لیے ابھی سے سوچ لو۔"

قریش کو عمیر کی باتوں پر یقین نہ آیا، اس لیے انہوں نے دوسرے آدمی کو بھیجا۔ وہ آدمی چھپ چھپا کر اسلامی فوج کے قریب پہنچا اور گھوڑے پر بیٹھ کر چاروں طرف چکر لگایا۔ پھر اس نے آ کر کہا:

"خدا کی قسم! وہ لوگ کوئی ایسے طاقتور نہیں۔ تعداد میں بھی بہت کم ہیں۔ ہتھیاروں سے بھی خالی ہیں۔ لیکن ایک بات ہے۔ وہ مرنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ اب لوٹ کر گھر نہیں جانا چاہتے۔ تلوار ہی ان کی کل طاقت ہے۔ اور تلواریں ہی ان کی پناہ گاہیں ہیں۔ اب تم خود سوچ لو۔"

یہ باتیں سن کر کچھ لوگ کانپ اٹھے اور حوصلے ان کے پست ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے

لوٹنے کا ارادہ کرے۔ کچھ اور لوگوں کو بھی سمجھایا وہ لوگ بھی تیار ہو گئے۔ اس طرح یہ لوگ بھی لوٹ آئے۔

پھر قریش کی فوج سامنے آئی۔ ہر ہر سپاہی سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ یہ عجیب منظر تھا۔ اس وقت آپؐ پر انتہائی خضوع کا عالم تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرمائے:

"اے اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں۔ یہ غرور سے اکڑتے ہوئے تجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ یہ تیرے دین کی مخالفت پر کمر کسے ہوئے ہیں۔ تیرے رسولؐ کو ناکام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اس وعدہ کو پورا کر۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے ثابت قدم رہنے کے لیے کہا ہے۔ اور "دو میں سے ایک گروہ" کا وعدہ کیا ہے بیشک تو وعدے پورا کرنے والا ہے۔"

بے خودی کا یہ عالم تھا کہ چادر کندھوں سے گر پڑی اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی۔ کبھی سجدہ میں گر پڑتے اور فرماتے:

"خدایا! اگر آج یہ جانیں مٹ گئیں تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہوگی۔"

ایک طرف پیارے نبیؐ کا یہ انداز تھا اور دوسری طرف اللہ آپ کی مدد میں مصروف تھا۔ اور حکمت کے ساتھ آپؐ کی ہمت بڑھا رہا تھا۔ ابھی آپؐ راستہ ہی میں تھے اور دشمنوں کی تعداد سے بالکل بے خبر تھے، کہ اللہ نے دشمن کی فوج کو خواب میں دکھایا۔ خواب میں اندازہ ہوا کہ دشمن تھوڑے ہی ہیں۔ اس سے آپؐ کا حوصلہ بڑھا اور دل کو اطمینان نصیب ہوا۔ مسلمانوں نے سنا تو ان کی بھی ہمت بڑھی۔ اور وہ بے کھٹک بڑھتے چلے گئے۔ پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو کافر مسلمانوں کو کم نظر آئے۔ اور مسلمان کافروں کو تھوڑے دکھائی دیے۔ اس طرح دونوں کے دل بڑھے اور دونوں میدان جنگ میں اتر آئے۔ پھر جنگ چھڑی تو مسلمان تو کافروں کو بہت نظر آنے لگے۔ لیکن کافر مسلمانوں کو کم ہی دکھائی دیے۔ اس سے کافروں کے حوصلے تو پست ہو گئے اور وہ خوف اور گھبراہٹ سے بدحواس ہو گئے لیکن مسلمانوں کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اور وہ بڑھ بڑھ کر کافروں کو مارنے لگے۔ ذیل کی آیتوں میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

الْاُمُوْرُ (انفال: ۴۳-۴۴)

"(یاد کرو) جب (اے نبیؐ!) اللہ تمہیں خواب میں انہیں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اور اگر کہیں وہ انہیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور (اے ایمان والو!) تم ہمت ہار بیٹھتے اور اس (لڑائی کے) معاملے میں باہم جھگڑنے لگ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے (تمہیں) اس سے بچا لیا۔ بلاشبہ وہ سینوں (دلوں) تک کا حال جانتا ہے۔ اور (یاد کرو) جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ انہیں تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کرکے دکھا رہا تھا تاکہ جو بات ہونی تھی اللہ اسے پورا کر دے۔ اور سارے معاملے اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔"

قریش کے کچھ لوگ بڑھے، کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پئیں۔ مسلمانوں نے دیکھا تو انہیں بھگانا چاہا۔ مگر پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"پی لینے دو۔ جو بھی پی لے گا وہ زندہ بچ کر نہ جا سکے گا۔"

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو (جسے اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ تھا) للکارا۔ اس نے کہا، خون کا بدلہ سامنے ہے۔ کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو۔ چنانچہ عامر عرب کے دستور کے مطابق ننگا ہو گیا۔ اور پکارا۔

وَاعَمْرَاہُ وَاعَمْرَاہُ! "ہائے عمرو، ہائے عمرو!"

اس سے تمام فوج میں آگ لگ گئی اور جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے عامر بن حضرمی آگے بڑھا۔ مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے غلام مہجعؓ سامنے آئے۔ عامر بن حضرمی نے بڑھ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس طرح غزوۂ بدر میں سب سے پہلے مہجعؓ کو شہادت نصیب ہوئی۔

اس کے بعد عتبہ سینہ تان کر لشکر سے باہر آیا۔ یہی لشکر کا سردار بھی تھا۔ ساتھ میں اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید بھی آگے بڑھے۔ ادھر مقابلہ میں تین انصاری جوان نکلے۔ پیارے نبیؐ کو یہ دیکھ کر خیال آیا کہ یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ ہے۔ اس جنگ میں پہلے انصار جان کی بازی لگائیں۔ یہ مناسب نہیں۔ پہلے مہاجرین کو ہتھیلی پر جان رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوم اور رشتہ کے لوگ ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"بنی ہاشم! یہ لوگ باطل کے نام پر اکٹھا ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حق کے نور کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اٹھو اس حق کے نام پر جان دو، جسے تمہارا نبیؐ لے کر آیا ہے۔"

یہ سن کر علیؓ، حمزہؓ، اور عبیدہؓ میدان میں آئے۔ عتبہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

''ولید! آگے بڑھو۔''

ولید کا مقابلہ میں آنا تھا کہ حضرت علیؓ نے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر عتبہ خود بڑھا، حضرت حمزہؓ نے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ پھر شیبہ آگے بڑھا۔ مقابلہ میں حضرت عبیدہؓ آئے۔ شیبہ نے انہیں زخمی کر دیا اور ان کی پنڈلی کٹ کر الگ ہو گئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے یہ حال دیکھا تو فوراً آگے بڑھے، اور شیبہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ پھر حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر پیارے نبیؐ کی خدمت میں لائے۔ کچھ دنوں میں حضرت عبیدہؓ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ پیارے نبیؐ نے ساتھیوں کو للکارا:

''بڑھو جنت کی طرف، جس کی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے۔''

عمیر بن حمام نے جنت کی خوش خبری سنی تو خوشی سے اچھل پڑے کہا:

''ہائیں، ہائیں۔ جنت میں پہنچنے میں بس اتنی ہی دیر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔''

چنانچہ اس وقت وہ کھجور کھا رہے تھے۔ مگر جنت کی خوشبو پا لینے کے بعد اس کھجور میں کیا مزا مل سکتا تھا۔ فوراً اس کو پھینکا اور دشمن کی صف میں گھس گئے۔ کچھ دیر جانبازی کے ساتھ لڑتے رہے پھر شہید ہو گئے۔

جنگ زوروں پر تھی اور دونوں طرف سے حملے ہو رہے تھے کہ پیارے نبیؐ نے ایک مٹھی ریت لی اور دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ

''منہ کالے ہوں..... منہ کالے ہوں۔''

نبیؐ کا ہاتھ تھا اور خدا کی قدرت۔ یہ مٹھی بھر ریت عذاب بن کر فوج میں پھیل گئی۔ اور دشمنوں کی آنکھوں میں اٹ گئی۔ چنانچہ دشمن اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ اور مسلمان پورے زور و شور سے ان پر ٹوٹ پڑے، اور قتل کا بازار گرم کر دیا۔ آخر کار دشمنوں کی ہار ہوئی اور مسلمانوں کی جیت ہوئی۔ حق کو فتح ہوئی اور باطل کو شکست ہوئی۔

ابھی جنگ جاری ہی تھی کہ عبدالاسود کے بیٹے اسود نے کہا جو قبیلہ مخزوم کا آدمی تھا:

''خدا کی قسم! میں تو مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا، یا اسے بیکار کر دوں گا۔ ورنہ مجھ پر

جینا حرام۔"

چنانچہ وہ تیزی سے لپکا اور حوض کے قریب آ گیا۔ حضرت حمزہؓ پاس ہی کھڑے تھے۔ بجلی کی طرح جھپٹے اور تلوار کا وار کیا۔ چوں کر وار سخت تھا۔ ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب وہ گھسٹ کر حوض میں جا پڑا اور دوسرے پیر سے اس کو توڑ بھی دیا اور اس کا پانی بھی پیا۔ حضرت حمزہؓ پھر لپکے اور بڑھ کر ایک اور وار کیا۔ دیکھا گیا تو اب وہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

جنگ ختم ہوئی تو پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"دیکھو، ابوجہل کہاں ہے۔ وہ بھی کہیں پڑا ہوگا۔"

چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا تو وہ ایک جگہ پڑا دم توڑ رہا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے گردن پر پیر رکھا اور سر الگ کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

اس طرح کفر و شرک کے بہت سے علمبردار مارے گئے۔ اور قریش کے بہت سے سرداروں کے سر قلم ہوئے۔ قتل ہونے والے ستر تھے اور قید ہونے والے بھی ستر۔

مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے۔ چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصاری۔

مارے جانے والے دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے ہر ایک کو الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ وہیں ایک چوڑا کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپؐ نے اسی میں ڈلوا دیں۔ پھر اسے برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر پکارا اور فرمایا:

"کتنے بُرے رشتہ دار نکلے تم! میں نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟"

تم نے مجھے جھوٹا سمجھا۔ اوروں نے مجھے سچا جانا۔ تم نے مجھے بے وطن کر دیا۔ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی۔ غیروں نے میری مدد کی۔

ساتھیوں نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ جو لوگ مر چکے ہیں، ان سے آپؐ فرما رہے ہیں!"

آپؐ نے فرمایا:

"ان کو اب معلوم ہو گیا کہ رب کا وعدہ سچا تھا۔"

پھر آپؐ ابوجہل کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"یہ تو فرعون سے بھی زیادہ سرکش نکلا۔ فرعون کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا تو اس نے اللہ کو یاد کیا۔ مگر اس کو ہلاکت کا یقین ہوا تو اس نے لات وعزیٰ کو پکارا۔"

لڑائی ختم ہو گئی تو پیارے نبی ﷺ نے زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ دوڑایا کہ لوگوں کو فتح کی خوش خبری سنائیں۔ فتح کی خبر سنتے ہی مسلمان خوشی سے اچھل پڑے۔ لیکن منافق اور یہودی؟ وہ غم سے بیٹھے پڑ گئے۔

☆☆☆

✡

مال غنیمت تقسیم ہونے کا وقت آیا، تو مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا اور ان میں باہم کچھ باتیں ہونے لگیں:

جوان بولے:

"مال غنیمت کے حقدار تو ہم ہیں، کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو ہرایا۔ اور ہم نے جان پر کھیل کر میدان جیتا ہے۔"

بوڑھے بولے:

"سچ پوچھو، تو اس کے حقدار ہم ہیں کہ ہم نے ہی تمہاری حفاظت کی ہے اور ہم نے ہی پیچھے سے دشمن کو روکا ہے۔"

سعد بن معاذؓ نے کہا:

"اللہ کے رسولؐ! کیا شہسواروں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کمزوروں کا؟"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"ارے میاں! کمزوروں ہی کی وجہ سے تو اللہ کی مدد آتی ہے!"

اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آ پہنچے، ساتھ میں خدا کا یہ پیغام بھی لائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ، قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال۔۱)

"(اے نبیؐ!) تم سے لوگ انفال (مال غنیمت) کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہو، انفال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں، تو تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس کی ناخوشی سے ڈرو اور آپس کے تعلقات ٹھیک رکھو، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اگر تم مومن ہو۔"

اسی وقت رسول خدا کی طرف سے اعلان ہوا:

"جس نے کسی کو مارا ہے، وہ اس کے سامان کا مالک ہے۔ جس نے کسی کو قید کیا ہے۔ وہ قیدی اسی کا ہے اور جو کچھ میدان میں ملا۔ یا بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا ہے، وہ سب کا ہے۔"

یہ سن کر سب نے سر جھکا دیا۔ اور مالِ غنیمت کو پیارے نبیؐ پر چھوڑ دیا۔ کہ جیسے چاہیں، خدا کی ہدایت کے مطابق تقسیم فرمائیں۔

''قیدیوں کا کیا ہوگا؟''

حضورؐ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔

حضرت عمرؓ بولے:

''کفر اور سرکشی کی سزا میں انہیں قتل کیا جائے۔''

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

''اللہ کے رسولؐ! یہ آپؐ کے اپنے ہی بھائی بند ہیں جنہیں آج اللہ نے آپؐ کے بس میں کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں مارا نہ جائے بلکہ ان سے فدیہ لے لیا جائے۔ اس سے آئندہ جنگ کے لیے بھی کچھ سامان ہو جائے گا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور کل یہی آپؐ کے دست و بازو بن جائیں۔''

رسولِ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی۔ چنانچہ جو لوگ فدیہ دے سکتے تھے۔ ان سے فدیہ لیا گیا۔ جو لوگ غریب اور نادار تھے لیکن پڑھے لکھے تھے ان کے ذمے تعلیم کا کام کیا گیا کہ مدینے کے دس دس لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور جو لوگ جاہل تھے۔ انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔

پیارے نبیؐ کامیاب و فتح یاب ہو کر مدینہ لوٹے اور شہر میں وداع کی گھاٹی سے داخل ہوئے۔ اس وقت جذباتِ شکر سے آپؐ کا سینہ لبریز تھا۔

غزوۂ بدر کا انجام سامنے آیا تو مشرکوں کے حوصلے پست ہو گئے منافقین کے دل سہم گئے اور مدینے کے یہود مسلمانوں سے دبنے لگے۔ بہت سے کٹر دشمن اسلام لے آئے۔ اس جنگ میں کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اور کتنی ہی مائیں سوگوار ہو گئیں۔ چنانچہ اس کے غم میں انہوں نے اپنے بال بھی کٹوا ڈالے اور تقریباً ایک ماہ تک گھر گھر ماتم رہا۔

☆☆☆

قریش کی اتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ نہ جانے کتنی دولت مٹی میں مل گئی۔ شکست سے ان کی عزت وشوکت پر بھی آنچ آئی۔ اس کا قریش کو سخت صدمہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا ایک کٹر دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن امیہ دونوں ایک روز حجر میں بیٹھے تھے۔ بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا:

''خدا کی قسم! اب زندگی میں کوئی لطف نہیں۔''

عمیر نے کہا:

''سچ کہتے ہو۔ میں قرض سے دبا ہوا ہوں۔ اور بچوں کا خیال بھی ستا رہا ہے۔ ورنہ میں تو محمدؐ کی جان لے کر چھوڑتا، میرا بیٹا بھی تو وہیں قید ہے۔''

صفوان نے کہا:

''تم قرض کی فکر نہ کرو۔ بچوں کی طرف سے بھی بے غم ہو جاؤ۔ میں ان کا ذمہ دار ہوں۔''

چنانچہ عمیر مدینہ کے لیے روزانہ ہو گیا۔ تلوار بھی گردن سے لٹک رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر وہ مسجد میں داخل ہوا، کہ اپنا کام کرے۔

حسن اتفاق سے حضرت عمرؓ کی نگاہ پڑ گئی۔ دیکھتے ہی انہوں نے تیور بھانپ لیے اور گلا دبائے اسے حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ نے فرمایا:

''عمیر! کیا ارادہ ہے؟''

عمیر بولا:

''بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔''

حضورؐ نے فرمایا:

''تلوار کا کیا کام ہے؟''

عمیر نے کہا:

''برا ہو تلواروں کا۔ آخر بدر میں یہ کس کام آئیں؟ آنے لگا تو اس کی طرف ذہن نہ گیا۔

حالانکہ وہ میری گردن میں تھی۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"عمیر! سچ سچ بتاؤ۔ کیوں آئے ہو؟"

عمیر نے کہا:

"میں بیٹے ہی کے لیے آیا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"حجر میں صفوان سے کیا بات طے ہوئی ہے؟"

عمیرؓ سنّے میں آ گیا:

"کیا بات طے ہوئی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا:

"تم نے اس سے میرے قتل کا وعدہ کیا ہے۔ اس شرط پر کہ وہ تمہارا قرض ادا کر دے، اور تمہارے بچوں کا ذمہ لے لے۔ سن لو، اللہ یہ ہونے نہ دے گا۔"

عمیر بولا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ آپؐ کے سچے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"

اور اب عمیرؓ مسلمان تھے۔ پیارے نبیؐ نے ساتھیوں سے فرمایا:

"اپنے بھائی کو قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

پھر عمیرؓ لوٹ کر مکہ آئے اور جو لوگ پیارے نبیؐ کے قتل کی خبر سننے کے لیے بیتاب تھے۔ اب انہوں نے عمیرؓ کے اسلام کی خبر سنی۔ مکہ پہنچ کر وہ اسلام پھیلانے میں لگ گئے، اور لوگوں کو آپؐ کی پیروی پر ابھارنے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام بھی لائے۔

☆☆☆

مُحمّد عَرَبی ﷺ

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات

✪

قریش کی جنگی تیاریاں۔

بنی قینقاع کی شرانگیزیاں۔

بنی قینقاع کی جلاوطنی۔

قبائل میں قریش کا دورہ۔

لشکر قریش کی روانگی۔

صحابہؓ کا غیر معمولی جوش وخروش۔

اسلامی فوج کی روانگی۔

عبداللہ بن ابی کی غداری۔

میدانِ احد میں فوجوں کی صف آرائی۔

جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

دشمن کی پسپائی۔

جنگ کا نقشہ بدل گیا۔

صحابہؓ کی جاں فروشی۔

جنگ کا انجام۔

مشرکین کی بہیمیت اور سفاکی۔

قریش ایک ماہ تک روتے دھوتے رہے اور جو سردار مارے گئے تھے ان کا ماتم کرتے رہے۔ پھر ماتم ختم ہو گیا۔ اور رونا دھونا بند ہو گیا۔ یہ رونا دھونا کیوں بند ہوا؟ کیا انہوں نے اپنے عزیزوں ولیڈروں پر صبر کر لیا؟ یہ ماتم کیوں ختم ہوا؟ کیا اس لیے کہ انہوں نے تقدیر کے آگے سر ٹیک دیا؟

اصل میں یہ بات نہ تھی۔ قریش ایسے نہ تھے کہ وہ اپنے سرداروں پر صبر کر لیتے، اور خاموش ہو رہتے۔ البتہ اب ماتم کا شور نہ تھا۔ اب آنسوؤں کا طوفان نہ تھا۔ اب خون کا بدلہ لینے کی دھن تھی۔ اب انتقام کی تیاریاں تھیں۔ عورتوں نے سر کے بال کٹوا ڈالے اور عطر کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ نذر مان لی کہ خوشبو نہ لگائیں گی۔ اور زینت کی چیزوں سے دور رہیں گی، جب تک کہ خون کا بدلہ نہ دیکھ لیں گی۔ مردوں نے عہد کر لیا کہ چین سے نہیں بیٹھیں گے اور آرام کی نیند نہیں سوئیں گے، جب تک کہ بھرپور بدلہ نہ لے لیں گے۔ ابوسفیان کچھ اور آگے رہا۔ اس نے قسم کھائی کہ نہائیں گے نہیں، جب تک کہ محمدؐ کو نیچا نہ دکھا لیں گے۔

اس طرح قریش کے آنسو تھم گئے اور رونے پیٹنے کی آوازیں بند ہو گئیں، اور انہوں نے عزم کر لیا کہ محمدؐ سے پھر جنگ کریں گے اور خون کی آگ خون سے بجھائیں گے۔ چنانچہ اب قریش جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے، اور جنگ جیتنے کے لیے جو جو چیزیں چاہیے تھیں، ان کا انتظام کرنے لگے تاکہ جلد سے جلد سینے کی آگ بجھے اور بے چین دل کو چین نصیب ہو۔

جنگ سے پہلے جو تجارتی قافلہ شام سے آیا تھا۔ اس کا سرمایہ دارالندوہ میں روک لیا گیا تھا، اور جوں کا توں محفوظ تھا۔ اس میں ابھی حصے بخرے نہیں ہوئے تھے۔ قریش نے آپس میں طے کیا کہ حصہ داروں کو اصل سرمایہ واپس کر دیا جائے اور جو نفع ہو، اس کو فوج پر خرچ کیا جائے اور جنگی تیاریوں میں لگایا جائے۔

یہ بات تو سب کے دل کی بات تھی، اس لیے پیش ہونے سے پہلے ہی منظور تھی۔ چنانچہ جھٹ پٹ سامان فروخت ہوا، اور چیزیں چونکہ بہت قیمتی تھیں، اس لیے کافی نفع ہوا۔ پھر حصہ

داروں کو اصل سرمایہ واپس کیا گیا۔ اور بقیہ جو نفع ہوا وہ جنگ کی مد میں داخل ہو گیا اور زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

بدر میں ابوسفیان کا بیٹا بھی قتل ہو گیا تھا۔ اس کا ابوسفیان کو انتہائی شدید صدمہ تھا۔ اور وہ انتقام لینے کے لیے بری طرح بیتاب تھا۔ مگر قریش کو بدر میں مسلمانوں کے زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس بار بہت بڑے لشکر سے مقابلہ کریں۔ اور ساز و سامان اور اسلحہ سے بھی پوری طرح لیس ہوں۔ مگر یہ کام وقت ہونے کا تو تھا نہیں۔ بہرحال اس میں کچھ دن لگتے۔ ادھر ابوسفیان غم و غصہ سے بدحواس تھا۔ اس میں انتظار کی کہاں تاب تھی۔ چنانچہ اس نے مکہ کے دو سو آدمیوں کو ساتھ لیا، اور محمدؐ سے انتقام لینے کے لیے چل پڑا۔ مدینے سے کچھ فاصلہ پر عریض نامی ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچا تو ایک انصاری اپنی کھیتی میں لگے ہوئے تھے۔ ساتھ میں ایک مزدور بھی تھا۔ ان دونوں کو اس نے وہیں پر قتل کیا، اور دو گھروں میں آگ لگا دی۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ ان کو بھی جلا دیا۔ ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

پیارے نبیؐ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو آپؐ نے ابوسفیان کا پیچھا کیا۔ لیکن بھاگنے والوں نے ہوشیاری کی۔ جان خطرہ میں دیکھی تو اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے لگے یعنی ساتھ میں ستو کی بوریاں تھیں۔ ان کو وہ پیچھے پھینکنے لگے۔ اس طرح کہیں جا کر ان کی جان چھوٹی، اور وہ سالم واپس آ گئے۔ عرب میں ستو کو چونکہ سویق کہتے ہیں۔ اس لیے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے ہی نام سے مشہور ہوا اور ذی الحجہ ۲ھ میں پیش آیا۔

مدینہ میں یہودیوں کا بھی ایک قبیلہ آباد تھا۔ جو بنی قینقاع کے نام سے مشہور تھا، اور جہاں یہ آباد تھا، وہیں اس کی تجارتی منڈی بھی تھی۔ سناری میں بھی اس قبیلہ کی کافی شہرت تھی۔ یہودیوں کے بقیہ قبیلے مدینہ کے باہر تھے کچھ تو خیبر میں تھے اور کچھ دوسری جگہوں پر۔ ہاں تو آج کل پیارے نبیؐ بنی قینقاع کی ہی مہم پر تھے۔

بات کیا تھی؟ بنی قینقاع کے یہودی پیارے نبیؐ کے حلیف تھے یعنی وہ آپؐ سے صلح و دوستی کا معاہدہ کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی اسلام کی ترقی دیکھ کر جلتے تھے۔ سامنے تو دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے۔ مگر پیٹھ پیچھے اسلام کا گلا گھونٹنے کی سازشیں کرتے تھے۔ مشرکوں سے بھی ان کا سلام پیام

جاری تھا۔ لیکن بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی تو ان کے لیے یہ دورخی پالیسی دشوار ہوگئی۔ چنانچہ اب ان کے سینوں میں غیرت کی آگ سلگنے لگی اور دل حسد سے پکنے لگے۔

ان کی عقلیں حیران تھیں کہ محمدؐ نے ہم سے معاہدہ کر لیا۔ اور صلح و دوستی سے ہم کو ہموار کر لیا۔ پھر دیکھتے دیکھتے اپنے دین کو اتنا چمکا دیا، کہ گھر گھر اسلام کا چراغ روشن ہوگیا۔ یہی نہیں۔ وہ ہتھیار سج کر میدان میں بھی آتے ہیں۔ اور مشرک اور ظالموں سے ٹکر لیتے ہیں، اور اللہ ان کو فتح مند بھی کرتا ہے۔ اس طرح عرب قبیلوں پر ان کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔ اور سارے لوگ ان سے لرزنے لگتے ہیں۔ یہودی بھلا اس کو ٹھنڈی آنکھوں کیسے دیکھ سکتے تھے کہ یہ تو ان کے لیے خطرہ کی گھنٹی تھی۔ چنانچہ اب وہ کھل کر سامنے آگئے اور ریا اور نفاق کی چادر انہوں نے اتار پھینکی۔ اب وہ مسلمانوں کے لیے ننگی تلوار بن گئے اور کھلے بندوں ان کی مخالفت کرنے لگے۔ وہ لوگوں کو ان کے خلاف جوش دلاتے۔ اشعار میں ان کی ہجو کرتے کڑوی کسیلی باتوں سے ان کا دل چھیدتے۔ غرض انہوں نے معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور نہ صلح کا کوئی احترام کیا۔ پیارے نبیؐ نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو جمع کیا اور ایک ہمدرد اور خیر خواہ کی طرح ان سے فرمایا:

''یہودی بھائیو! خدا تمہیں یقین ہے کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اس لیے اسلام میں آجاؤ۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تمہارا بھی عبرت ناک انجام ہو۔''

لیکن وہ لوگ تو طاقت کے نشہ میں چور تھے۔ لہٰذا انہوں نے آپؐ کی بات کی پرواہ نہ کی۔ مانا تو در کنار، اکڑتے ہوئے جواب دیا۔

''محمدؐ! دھوکہ نہ کھانا۔ وہ نا تجربہ کار لوگ تھے، جنہیں ہرا دینے پر تمہیں ناز ہے۔ یاد رکھو! ہم تلواروں کے دھنی ہیں۔ ہم میدان جنگ کے شیر ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے؟''

یہ عہد شکنی اور دشمنی کا کھلا ہوا اعلان تھا۔ چنانچہ اب مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ پیارے نبیؐ نے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا، ان کے گھروں کو گھیر لینے کا حکم دیا۔ اشارہ کی دیر تھی، مسلمانوں نے فوراً گھروں کو گھیر لیا۔ بالآخر عاجز ہو کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے پھر جب وہ پوری طرح قابو میں آگئے تو مسلمانوں نے کہا:

''اللہ کے رسولؐ! انہیں قتل کیا جائے۔''

مگر عبداللہ بن ابی جو ان کا حلیف تھا اور منافقوں کا سردار بھی، وہ ان کے لیے سفارش کرنے لگا کہ:

"اللہ کے رسولؐ! یہ جلاوطن کر دیے جائیں۔"

بالآخر پیارے نبیؐ راضی ہو گئے اور فرمایا

"تین دن کے اندر یہ مدینہ خالی کر دیا۔"

اس طرح یہ یہودی مدینہ سے چلے گئے۔ ساتھ میں بال بچوں کو بھی لے گئے اور جتنا مال واسباب لے جا سکتے تھے، وہ بھی لے گئے اور شام کے علاقے میں اذرعات ایک مقام ہے۔ وہاں جا کر بس گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے، جن میں تین سو زرہ پوش بھی تھے۔

بنی قینقاع جلاوطن ہوئے تو اسلام کا بڑا فائدہ ہوا، کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں پر رعب چھا گیا۔ انہوں نے سوچا کہ:

"مسلمانوں کے حکم سے اتنا بڑا قبیلہ بے وطن ہو گیا۔ وہ بھی اتنا دلیر اور بہادر قبیلہ! معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا زور بہت بڑھ گیا ہے اور اب ان کی طاقت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔"

آس پاس بنی نضیر اور بنی قریظہ کے قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی یہودیوں کے تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی مسلمانوں سے سہم گئے۔ عرب کے دوسرے قبیلے بھی ذرا کر خاموش ہو رہے۔ اگرچہ کچھ قبیلوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر یہی حال رہا تو مسلمانوں کے یہ پورے عرب پر چھا جائیں گے لہٰذا ان کے زور کا توڑ ہونا چاہیے اور کسی طرح ان کے رعب کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے سوچا اور مدینہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ پیارے نبیؐ کو خبر ہوئی تو آپ بھی اس فتنے کو دبانے کے لیے آگے بڑھے۔ مگر ان قبیلوں نے سنا تو ان کے ہوش اڑ گئے اور جان بچانے کے لیے کچھ تو خطرناک ریگستانوں میں پھیل گئے۔ اور کچھ نے پہاڑی دروں اور غاروں میں پناہ

چونکہ قریش کا معاشی دارومدار زیادہ تر شام کی تجارت پر تھا اور اس تجارت کو بند کرنے میں ان کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ لہٰذا اس کو تو بہرحال جاری رکھنا تھا۔ لیکن شام جائیں کدھر سے؟ مدینہ ہو کر جانے کی تو ہمت ہی نہیں کہ ادھر سے مسلمانوں کے چھاپہ مارنے کا ڈر تھا۔ آخرکار مجبور ہو کر انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ بہت لمبا تھا۔ دشواریاں بھی بے انتہا تھیں۔ پانی ملنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا۔ مگر خدا کا کرنا کہ یہ تدبیر بھی چھپ نہ سکی۔

جنگی پیارے نبیؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو اس کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو چھاپہ مارنے کے لیے دوڑایا کہ اب جنگ کا زمانہ تھا اور دشمن کے نقصان سے بچنے کے لیے خود انہیں نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ اس طرح حضرت زیدؓ سو سواروں کا دستہ لے کر روانہ ہو گئے۔ اور نجد میں ایک جگہ ہے قردہ، وہاں پر قافلہ کو جا لیا۔ قافلہ والے انہیں دیکھتے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلے، اور سارا سامان دستہ کے ہاتھ لگا۔ چنانچہ فتح کی خوشی میں یہ لوگ مدینہ لوٹے۔ پیارے نبیؐ نے بھی خدا کا شکر ادا کیا، اور سارا سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

پیارے نبیؐ مدینہ آئے تو مسلسل جنگ و جہاد میں لگے رہے، اسلام کی ترقی کے لیے آپؐ نے لڑائیاں بھی کیں۔ اور جان و مال کی قربانیاں بھی دیں۔ اور بیچ میں اگر کبھی سکون ملا۔ اور خطرات سے اطمینان ہوا تو یہ سکون و اطمینان کی گھڑیاں بھی خالص آرام و اطمینان میں نہ گزریں، بلکہ اس وقت ایک دوسری سرگرمی شروع ہوئی، وہ سرگرمی تھی باہمی محبت اور ہمدردی کو استوار کرنے اور تعلقات کی بہتری اور خوشگواری کو پائیدار بنانے کی کوشش و تدبیر۔ آپؐ کے جو مخلص دوست تھے، جو ہر وقت کے ساتھی تھے اور جو ہوشیاری اور سمجھداری میں نمایاں تھے، ان سے آپ تعلقات کو اور مضبوط کرتے، پیار اور دلجوئی سے ان کے دلوں کو اور موہتے اور اس کے لیے آپؐ نے بہت سی ترکیبیں کیں۔ محبت پیدا کرنے کے لیے ایک مفید چیز رشتہ بھی ہے۔ آپؐ نے اس کو بھی اپنایا، اور ان سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ آپؐ کے جو دو بڑے دوست تھے اور جو آپؐ کے دائیں بائیں بازو بھی تھے۔ ان کی بیٹیوں سے اپنا گھر بسا کر آپؐ نے ان کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ تھیں۔ ان سے مکہ ہی میں شادی ہو چکی تھی، لیکن ابھی وہ کم عمر تھیں، اس لیے اپنے ماں باپ کے ہی ساتھ تھیں۔ مدینہ پہنچ کر وہ آپؐ کے یہاں آ گئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ تھیں۔ ان سے بھی آپؐ نے شادی کی۔ پھر آپؐ نے ساتھیوں کو اپنی بھی بیٹیاں دیں اور اس طرح بھی ان کی دلجوئی فرمائی۔ آپؐ کی ایک چھوٹی بیٹی تھیں فاطمہؓ، ان کی شادی آپؐ نے حضرت علیؓ سے کی۔ جو آپؐ کے وفادار یار تھے۔ ایک بیٹی رقیہؓ تھیں۔ ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی۔ جو آپؐ پر دل و جان سے قربان تھے۔ پھر پیارے نبیؐ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو اسی درمیان رقیہؓ کو بیماری ہو گئیں۔ اور چونکہ پہلے سے ہی بیمار تھیں، اس لیے حضرت عثمانؓ ان کے تیماردار رہے اور اسی لیے وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ پھر رقیہؓ کی وفات ہو گئی۔ تو آپؐ نے ان کی شادی دوسری بیٹی

سے کی۔ جن کا نام تھا ام کلثومؓ۔ اسی لیے حضرت عثمانؓ کو ذی النورین کا لقب ملا۔

آپؐ نے بیواؤں کی بھی دلجوئی فرمائی۔ ساتھیوں کو بھی سمجھایا کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے، یا خدا کی راہ میں اس کا شوہر شہید ہو جائے اور پیچھے بچے چھوڑ جائے، تو اس بیوہ کا خیال رکھیں۔ اور اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔ ہو سکے تو اس سے شادی بھی کر لیں۔ اور اس کے بچوں کی پرورش کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بیوہ بے سہارا ہو کر پریشانیوں کا نشانہ بن جائے۔ اور بچے اس کے لیے کاندھے کا بار اور جان کا وبال ہو جائیں۔ چنانچہ ایک بی بی زینبؓ تھیں۔ یہ خزیمہ کی بیٹی تھیں۔ اور بہت شریف اور نیک عورت تھیں۔ صدقہ و خیرات کی بھی شوقین تھیں۔ اسی لیے اُم المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔ بدر کا معرکہ ہوا تو شوہر شہید ہو گئے۔ اور یہ بیوہ ہو گئیں۔ چنانچہ پیارے نبیؐ نے ان سے شادی کر لی۔

بدر میں دشمنوں نے منہ کی کھائی تھی۔ کیا وہ یہ ذلت برداشت کر سکتے تھے؟ وہاں ان کی عزت و شوکت کو ٹھیس لگی تھی۔ کیا جیتے جی وہ یہ بدنامی گوارا کر سکتے تھے؟ پیارے نبیؐ بھی اس بات سے غافل نہ تھے۔ آپ کو پورا یقین تھا کہ قریش نچلے بیٹھنے والے نہیں۔ وہ زخمی شیر کی طرح تلملا رہے ہیں اور غصے سے سلگ رہے ہیں۔ اور وہ غصہ خون سے ہی ٹھنڈا ہو گا۔ یعنی ان کے جو سپاہی مارے گئے ہیں، ان کا انتقام لے کر ہی ان کو اطمینان ہو گا۔ مسلمانوں نے ان کا تجارتی قافلہ بھی لوٹ دیا تھا۔ حالانکہ اسی خطرہ سے انہوں نے اپنا راستہ بدلا تھا۔ اس سے ان کا زخم اور تازہ ہو گیا تھا۔ اور انتقام کا ایک اور نیا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ ان باتوں کی وجہ سے پیارے نبیؐ چوکنے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن پھر جنگ کا سامنا ہونا ہے۔

مکہ میں جنگ کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ پیارے نبیؐ کے چچا حضرت عباسؓ اسلام تو لا چکے تھے۔ لیکن ابھی مکہ میں مقیم تھے۔ حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہی انہوں نے ایک تیز رفتار آدمی کو یہ پیغام دے کر آپؐ کی خدمت میں بھیجا:

"قریش جنگ کے لیے مدینہ جا رہے ہیں۔ اور وہ بہت بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ ہیں۔ ہتھیار اور سامان بھی بے پناہ ہیں۔"

ساتھ ہی انہوں نے قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں وہ مدینہ پہنچ جائے۔

یہ خبر پا کر پیارے نبیؐ کو ذرا بھی اچنبھا نہ ہوا۔ اور اچنبھے کی بات بھی کیا تھی؟ کہ آپؐ کو تو

پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا۔ لیکن اتنا بھاری لشکر! اور اتنا تجہیز اور سامان! وہ بھی اتنی تھوڑی مدت میں! اس پر آپ ﷺ کو حیرت ضرور ہوئی۔

ادھر قریشی لشکر کی تیاری دن رات جاری تھی۔ تجہیز اور سامان بہت تیزی سے اکٹھا ہو رہے تھے، اور بکثرت سپاہی بھرتی کیے جا رہے تھے قریش نے اس کے لیے نہ جانے کتنے قبیلوں سے معاہدے کیے تھے اور نہ جانے کتنے قبیلوں کو ابھارا تھا۔ عرب میں جوش دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ جوشیلے شاعر تھے، یا جوشیلے مقرر۔ قریش کے مقرر اور شاعر قبیلوں میں پھیل جاتے اور گرم گرم تقریریں کرتے، یا جوشیلے اشعار سناتے اور اس طرح لوگوں کے دلوں کو گرماتے اور انہیں جنگ میں حصہ لینے پر ابھارتے، چنانچہ دیکھتے دیکھتے ایک بہت بھاری لشکر تیار ہو گیا، اور ہتھیاروں اور سامانوں کا ڈھیر لگ گیا۔

بہت سی عورتیں ایسی بھی تھیں، جن کے باپ بیٹے بدر میں مارے گئے تھے۔ اس لیے وہ تو غصے سے بے تاب تھیں ہی، اپنے مردوں کو بھی بے تاب کیے ہوئے تھیں۔ ان عورتوں میں ہند سب سے آگے تھی۔ یہ عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بیوی تھی۔ بدر میں اس کا باپ، بھائی اور چچا تینوں مارے گئے۔ سن کر اس کا کلیجہ کھولنے لگا، اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک خون کا بدلہ نہ لے لیں گے، خوشبو نہ لگائیں گے۔

کوچ کا وقت ہوا، تو اس نے کچھ اور عورتوں کو تیار کیا، اور لشکر کے ساتھ ہو لی۔ لوگوں نے بہت روکنا چاہا، لیکن نہ مانی۔ طعیمہ بن عدی جو جبیر بن مطعم کا چچا تھا۔ وہ بھی بدر میں مارا گیا تھا۔ اس کا جبیر کو سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ اس کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام تھا وحشی۔ یہ چھوٹا نیزہ پھینک کر مارنے میں ماہر تھا، کیونکہ یہی حبشہ والوں کا خاص ہتھیار تھا۔ اس سے جبیر نے کہا:

"وحشی! اگر میرے چچا کے بدلے میں محمد ﷺ اور حمزہؓ یا علیؓ کو مار دو تو تم آزاد ہو۔"

پھر ہند نے بھی اس سے کہا:

"وحشی! میرے عزیزوں کی فکر کے یا تو محمد ﷺ ہیں۔ یا پھر حمزہؓ اور علیؓ۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی مار دو تو بہت قیمتی انعام دوں گی۔"

چنانچہ وحشی نے دونوں سے وعدہ کر لیا۔ پھر لشکر مدینہ کی طرف بڑھا۔ تین ہزار سپاہیوں کا دل بادل تھا۔ جس کے ساتھ دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ بھی تھے، اور ابوسفیان لشکر کا کمانڈر تھا۔

لشکر کے ساتھ پندرہ عورتیں بھی تھیں، جو ایک خاص انداز سے دف بجاتیں اور مقتولین بدر کے دردناک مرثیے پڑھتیں اور اس طرح وہ مردوں کو شکست پر غیرت دلاتیں اور ان کے جذبۂ انتقام کو اور ابھارتیں۔ لشکر میں ابو عامر اوسی بھی شامل تھا۔ یہ قبیلہ کا بہت معزز آدمی تھا، اور اسلام کے نام سے ہی جلتا تھا۔ پیارے نبی نے ہجرت فرمائی تو مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا آیا، اور آپؐ کے دشمنوں میں مل گیا اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی مکہ چلے گئے۔ یہاں تو اس نے قریش کے لوگوں سے کہا:

"چلو، اس بار تو خوب مزا آئے گا۔ محمدؐ کے مقابلہ میں جہاں میں نکلا، اوس کے سارے لوگ میرے گرد اکٹھا ہو جائیں گے، اور محمدؐ کے ساتھ ایک بھی نہ رہے گا۔"

چلتے چلتے جب لشکر ابواء پہنچ گیا، جہاں پیارے نبیؐ کی والدہ کی قبر ہے تو ہند نے لوگوں سے کہا:

"موقع اچھا ہے۔ محمدؐ کی ماں کی قبر اکھاڑ ڈالو۔ ہم میں سے کوئی قید ہوا تو اس کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا فدیہ میں دے دیں گے۔"

لیکن کچھ لوگوں نے مخالفت کی اور کہا:

"ایسا بھول کر نہ کرنا۔ ورنہ بنی خزاعہ اور بنی بکر ہمارے مردوں کی ساری قبریں کھود کر رکھ دیں گے۔"

لشکر آگے بڑھا، اور چلتے چلتے عقیق پہنچ گیا۔ پھر یہاں پہنچ کر ٹھہر گیا یہ ایک مشہور جگہ ہے جو مدینے سے پانچ میل پر واقع ہے۔

اسی وقت بھتیجے کو چچا کا خط ملا۔ پیارے نبیؐ اس وقت قبا میں تھے ساتھ میں ابی بن کعب بھی تھے۔ انہی نے آپؐ کو خط پڑھ کر سنایا۔ سن کر آپؐ نے فرمایا:

"اچھا، دیکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

پھر آپؐ مدینہ تشریف لائے اور سعدؓ بن ربیع کے گھر جا کر ان سے اس خط کا ذکر فرمایا۔ ابھی ہوشیار اور سمجھدار ساتھیوں سے مشورہ کرنا باقی تھا، اس لیے کسی اور کو بتانے سے منع فرمایا۔ مگر پاس ہی چونکہ سعد کی بیوی بھی تھی، اس لیے اس نے یہ باتیں سن لیں۔ اور اس طرح یہ خبر چھپ نہ سکی۔ ابھی ساتھیوں سے مشورہ بھی نہ فرمایا تھا کہ ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔

ہجرت کا تیسرا سال اور شوال کی پانچویں تاریخ تھی۔ انسؓ اور مونسؓ دو جاں نثاروں کو آپؐ

نے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینے کے بالکل قریب آ گیا، اور کھیتوں کو ان کے اونٹوں اور گھوڑوں نے چر لیا۔ مدینہ کی چراگاہ (عریض) بھی صاف ہو گئی۔ پھر آپؐ نے حباب بن منذرؓ کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں اور ساز و سامان کا بھی اندازہ لگائیں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر ساز و سامان اور تعداد کا اندازہ لگایا۔ پھر آ کر آپؐ کو ساری صورت حال بتا دی۔

مدینہ کی یہ رات بڑے خوف اور گھبراہٹ کی رات تھی کہ انہیں ایک دل چلے اور ظالم دشمن سے پالا تھا۔ جس کی طاقت بھی بے پناہ تھی۔ شہر پر ہر آن حملہ کا اندیشہ تھا، اس لیے کچھ بہادر جانبازوں نے جنگی لباس پہن لیے اور رات بھر مدینہ کی سرحدوں پر پہرہ دیتے رہے۔ سعد بن معاذؓ نے بھی ہتھیار سجے، اور تمام رات مسجد نبویؐ کے دروازے پر ٹہلتے رہے۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی، جمعہ کا دن تھا۔ لوگ پیارے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

"میرا خیال ہے کہ ہم مدینہ میں ہی ٹھہریں اور دشمن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اب اگر وہ وہیں پڑے رہے، تو خود پچھتائیں گے۔ اور ہم پر چڑھائی کی تو ہم شہر ہی میں رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے اور گھیر گھیر کر انہیں ڈھیر کر دیں گے، کیونکہ مدینہ کی گلیوں اور پگڈنڈیوں سے وہ ہماری طرح واقف نہیں۔ کہو تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

جتنے بڑے اور سمجھدار لوگ تھے، سب نے آپؐ کی رائے سے اتفاق کیا، اور خوش ہو کر اس کا خیر مقدم کیا۔ عبداللہ بن ابی اٹھا اور اس نے بھی پرزور تائید کی۔ اس نے کہا:

"اللہ کے رسولؐ! آپؐ کی رائے بہت بہتر ہے۔ مدینہ ہی میں رہیے، باہر نہ نکلیے۔ خدا ہمارا تو بارہا کا تجربہ ہے جب کبھی ہم نے شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا، تو ذلت اٹھائی، اور کسی دشمن نے شہر پر حملہ کیا تو اس کی بڑی گت بنائی۔ اللہ کے رسولؐ انہیں وہیں پڑے رہنے دیجئے۔ اگر وہ وہیں پڑے رہے تو خود پچھتائیں گے، اور اگر شہر میں گھسے، تو ہم گلیوں میں گھیر گھیر کر انہیں خوب ماریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں پر سے پتھر برسائیں گی۔"

مگر کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو بعد میں اسلام لائے تھے اور بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان لوگوں کو حسرت تھی۔ کہ کاش ہم بھی بدر میں شریک ہوئے ہوتے اور کچھ جوان ایسے بھی

تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے حیرت ناک فتح کا منظر بھی دیکھا تھا۔ یہ دونوں ہی قسم کے لوگ جوش سے بے خود تھے اور شہر سے نکل کر حملہ کرنے پر زور دے رہے تھے۔ اسی گروہ کے ایک جوان نے کہا:

''اللہ کے رسولؐ! دشمن کے مقابلہ میں نکلیے۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے، اور اس طرح ان کے دل اور بڑھ جائیں۔ اللہ کے رسولؐ! بدر میں تو ہم تین سو ہی تھے۔ پھر بھی اللہ نے کامیاب کیا، اور آج تو ہم کافی تعداد میں ہیں۔ اللہ کے رسولؐ! ہم تو اسی دن کی آرزو میں تھے۔ اسی دن کا تو ہمیں انتظار تھا۔''

دوسرے نوجوان نے کہا:

''اللہ کے رسولؐ! دشمن ہماری زد میں گھس آئے۔ ہمارے کھیتوں کو روند ڈالا۔ اب آخر جنگ کا کون سا وقت آئے گا؟''

خیثمہؓ نے کہا:

''بدر میں شریک ہونے سے میں محروم رہا۔ حالانکہ میری شدید تمنا تھی۔ میرا لڑکا شریک ہوا، اور اس کو شہادت نصیب ہوگئی۔ کل رات میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا، ابا! آپ بھی چلے آیئے، جنت میں ہمارا ساتھ رہے گا۔ رب نے جو وعدہ کیا تھا، میں نے اسے بالکل سچا پایا۔''

حضرت حمزہؓ نے کہا:

''اللہ کے رسولؐ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر قرآن اتارا، میں تو کھانا ہی نہ کھاؤں گا، جب تک باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ نہ کر لوں گا۔''

غرض نئے مسلمان جوش سے بھرپور تھے، اور باہر نکل کر مقابلہ کے لیے بیتاب تھے۔ بدری جانباز بھی ان کی تائید میں تھے۔ تمنا ہر ایک کی یہی تھی کہ وہ اسلام کی راہ میں جان دے دے۔ مگر اسلام پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کا رب اس سے خوش ہو جائے، اور اس کو اپنے قرب میں جگہ دے۔

اب کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا آپؐ نے اکثریت کی بات مان لی۔ اور اعلان فرما دیا کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ پھر آپؐ نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور خطبہ میں لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔

خطبہ بہت ہی جاندار اور زور دار تاثیر سے لبریز تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! یاد رکھو، اگر تم نے صبر سے کام لیا تو میدان تمہارے ہی ہاتھ ہے۔"

پھر عصر کے بعد آپؐ گھر میں تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ ان دونوں نے آپؐ کو زرہ پہنائی، سر پر خود رکھا۔ پھر آپؐ نے گلے سے تلوار لٹکائی اور اب آپؐ بالکل تیار تھے۔

ادھر باہر کچھ لوگ تو بے حد خوش تھے، کہ اب شہر کے باہر مقابلہ ہوگا۔ لیکن کچھ لوگ اس بات سے خوش نہ تھے۔ اور باہر نکلنے میں خطرہ سمجھتے تھے۔ پیارے نبیؐ اندر تشریف لے گئے، تو ان میں آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ جنھوں نے باہر جانے پر زور دیا تھا، ان سے حضرت سعدؓ بن معاذؓ اور حضرت اسید بن حضیرؓ نے کہا:

"تم لوگوں نے رسولِ پاک کی بات نہ مانی اور آپؐ کو باہر نکلنے پر مجبور ہی کر دیا۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ آپؐ پر وحی آتی ہے۔ دیکھو، اس معاملہ کو آپؐ پر ہی چھوڑ دو، اور جیسا آپؐ فرمائیں ویسا ہی کرو۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ ہتھیار زیب تن کیے ہوئے باہر تشریف لے آئے، جنھوں نے باہر نکلنے پر زور دیا تھا، اب وہ شرمندہ تھے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے، اور عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! ہم نے بہت برا کیا کہ آپؐ کی بات نہ مانی، آپؐ جو بہتر سمجھیں وہی کریں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"میں نے پہلے ہی کہا تھا، لیکن تم نہ مانے۔ کسی پیغمبر کو زیبا نہیں، کہ ہتھیار پہن کر اتارے۔ اس لیے اب تو جانا ہی ہے۔ لیکن اب اس کا خیال رکھنا، جو میں کہوں وہی کرنا۔ اللہ کا نام لے کر نکل پڑو، اگر صبر سے کام لیا، تو جیت تمہاری ہے۔"

چنانچہ ساتھی جلدی جلدی تیار ہوئے، اور دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ کل ایک ہزار کی تعداد تھی اور ساتھ میں صرف دو گھوڑے تھے۔ جن میں سے ایک خود حضورؐ کے لیے تھا۔

فوج میں کچھ کم عمر نوجوان بھی تھے، جو جنگ میں جانے اور اسلام کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچنے کے لیے بے قرار تھے۔ آپؐ نے فوج کا جائزہ لیا۔ تو ان سب کو روک دیا اور صرف دو خوش قسمت اجازت پا سکے، جن میں سے ایک تو تیر اندازی میں ماہر تھے، اور دوسرے طاقت میں

بڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کا نام رافع تھا اور دوسرے کا سمرہ۔ اس وقت دونوں کی عمر پندرہ سال تھی۔
فوج میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا۔ جو منافقوں کا سردار تھا۔ ساتھ میں اس کے تین سو ساتھی بھی
تھے۔ کچھ دور تک تو وہ ساتھ چلا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اور مدینہ کی طرف لوٹ
پڑا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام نے اس کو لاکھ سمجھایا۔ پیارے نبی کا معاہدہ بھی یاد دلایا لیکن وہ
نہ مانا۔ الٹا تن کر بولا:

"محمدؐ نے ہماری بات نہ مانی اور ان لونڈوں کی بات مان لی۔"

اب حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اس کے ساتھیوں کو سمجھانا چاہا۔ چنانچہ بڑی دردمندی سے کہا:

"بھائیو! اللہ کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں، اس وقت جب کہ دشمن کا سامنا ہے۔ اپنی قوم
اور اپنے نبیؐ کا ساتھ نہ چھوڑو۔"

لیکن وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہو کر رہے گی تو
ہم تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑتے لیکن ہمارے خیال میں اس کی نوبت نہ آئے گی۔

بالآخر رسول خدا بقیہ فوج لے کر آگے بڑھے۔ اب صرف سات سو مسلمان تھے۔ جن کا تین
ہزار دشمنوں سے پالا تھا۔ دشمن بھی ایسے کہ کٹر دل جلے تھے اور خون کا بدلہ لینے نکلے تھے۔

☆☆☆

اُحد[1] کے پاس دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایک طرف خدا کے مخلص اور وفادار بندے تھے اور دوسری طرف خدا کے باغی اور نافرمان دشمن!

اب دونوں فوجیں مقابلہ کی تیاری کرنے لگیں۔ پیارے نبیؐ نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا۔ پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی۔ ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آ کر حملہ نہ کر دیں، اس لیے پچاس تیراندازوں کو وہاں بھی متعین کر دیا، اور فرمایا:

"تم لوگ ہماری پشت کی حفاظت کرنا، ایسا نہ ہو کہ ہم پیچھے سے دھر لیے جائیں۔ دیکھو اپنی جگہ پر جمے رہنا، وہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر ہم جیت جائیں اور ان کی فوج میں گھس جائیں، تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا، اور ہم قتل ہونے لگیں تو مدد کے لیے بھی نہ آنا۔ البتہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دینا کیونکہ گھوڑے تیروں سے ڈرتے ہیں۔"

قریش نے بھی نہایت سلیقہ سے صف بندی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، اور میسرہ کا امیر عکرمہ کو بنایا۔ علم خاندان عبدالدار کے ہاتھ میں تھا، اور ابوسفیان کمانڈر تھا۔ ابوسفیان نے علمبرداروں کو جوش دلاتے ہوئے کہا:

"جھنڈے ہی پر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کا حق ادا کرو، ورنہ اسے چھوڑ کر کنارے ہو جاؤ۔"

یہ سننا تھا کہ عبدالدار کے جوانوں کو جوش آ گیا، اور وہ غیرت سے بیتاب ہو گئے۔ چنانچہ سینہ تان کر بولے:

"مقابلہ تو ہونے دو، اس وقت تم ہمارے کرتب دیکھنا!"

عورتوں کے جوش کا بھی عجیب عالم تھا۔ ہندہ ان میں سب سے آگے تھی۔ یہ عورتیں صفوں کے درمیان گھومتیں، اور مردوں کو جوش دلاتیں، ان میں غیرت کی آگ بھڑکاتیں اور دف بجا بجا کر کہتیں:

"عبدالدار کے جوانو! آگے بڑھو! وطن کے پاسبانو! آگے بڑھو، اور بے تکان تلواریں

---

[1] اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے۔

اور بائیں کو میسرہ کی طرف اور لڑاکا دستہ کو دشمن فوج کے قلب میں گھسنے کا حکم دیا۔ شیر اسلام حضرت حمزہؓ آگے بڑھے اور نہایت گرج دار آواز کے ساتھ نعرہ لگایا جو حقیقت میں آج سارے مسلمانوں کا نعرہ تھا:

"مارو خوب مارو!!"

پھر حضرت علیؓ دشمن کے قلب میں گھس گئے۔ فوج کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے وہ مقابلہ کے لیے سامنے آیا۔ حضرت علیؓ تلوار لے کر بجلی کی طرح جھپٹے، اور پوری طاقت سے اس پر وار کیا۔ چنانچہ اب وہ زمین پر پڑا تھا۔ اس کے گرتے ہی جھنڈا بڑھ کر اس کے بھائی عثمان نے تھام لیا۔ اب حضرت حمزہؓ نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور جس ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ وہ ہاتھ کٹ کر نیچے گر گیا۔ عثمان نے فوراً جھنڈا دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت حمزہؓ نے دوسرے ہاتھ پر وار کیا۔ وہ ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب جھنڈا ابوسعید نے لے لیا۔ یہ ان دونوں کا بھائی تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس پر تیر کا نشانہ لگایا۔ تیر اس کے حلق میں لگا۔ وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی طرح جھنڈا طلحہ اور اس کے بھائیوں کے ہاتھوں میں گھومتا رہا۔ پھر اس کے دونوں بیٹوں مسافع اور جلاس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ حضرت عاصم بن افلحؓ نے تاک کر ان دونوں پر نشانہ لگایا، اور وہ دونوں وہیں تڑپنے لگے۔ قریشی عورتوں میں ان دونوں کی ماں سلافہ بھی موجود تھی۔ وہ فوراً جھپٹ کر وہاں پہنچی۔ ایک ایک کر کے ان دونوں کو اٹھایا، اور اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس وقت دونوں آخری سانس لے رہے تھے۔ سلافہ نے بڑی بیتابی سے پوچھا:

"میرے جگر کے ٹکڑو، تمہیں کس نے مارا؟" دم توڑتے ہوئے بیٹوں نے جواب دیا۔ جس وقت ہم کو تیر لگا۔ ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی، یہ لو، اور میں ابو الافلح کا بیٹا ہوں۔"

سلافہ نے یہ سنا تو اسی وقت اس نے نذر مانی کہ اگر ابن ابو الافلح کا سر مل گیا، تو اسی میں شراب پیوں گی اور جو سر کاٹ کر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔

پیارے نبیؐ نے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا:

"اس کا حق کون ادا کرے گا؟"

بھلا یہ چوکنے کا موقع کب تھا، چنانچہ اس شرف کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھے۔ حضرت ابودجانہ انصاری بھی اٹھے۔ یہ عرب کے بہت نامی پہلوان تھے۔ عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! اس کا کیا حق ہے؟"

آپؐ نے فرمایا:

"جب تک دھار نہ مڑ جائے اسے دشمن پر چلاتے رہو۔"

حضرت ابودجانہؓ نے وہ تلوار ہاتھ میں لے لی۔ تھے بہت ہی بہادر اور باہمت آدمی۔ ان کا ایک لال رومال تھا۔ جنگ کرنا چاہتے تو اسے سر پر باندھ لیتے، اس طرح لوگ دیکھتے ہی سمجھ جاتے کہ ابودجانہ اب جنگ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے وہ موت کا رومال نکالا اسے سر پر باندھا، اور شان سے اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے باہر آئے۔ یہ آج کی کوئی نئی بات نہ تھی۔ جنگ کے وقت ابودجانہؓ ہمیشہ اسی طرح چلتے۔ پیارے نبیؐ نے دیکھا تو فرمایا:

"یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت پسند ہے۔"

حضرت ابودجانہؓ تلوار لے کر فوجوں کے دل میں گھس گئے۔ سر پر موت کا عمامہ تھا۔ جس مشرک کے پاس سے گزرتے اس کا سر قلم کر دیتے۔ جو بھی دشمن سامنے آتا اس کو وہیں ڈھیر کر دیتے اور جس طرف رخ کرتے صفوں کی صفیں صاف کر دیتے۔ اسی طرح وہ تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ دیکھا کوئی لوگوں کو جوش دلا رہا ہے۔ ان کے جذبات کو بھڑکا رہا ہے۔ فوراً تلوار تانی کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ مگر اسی وقت دوڑ کر جو دیکھا تو وہ عتبہ کی بیٹی ہند تھی۔ حضرت ابودجانہؓ نے فوراً تلوار روک لی کہ ایک عورت کو مارنا اس تلوار کی توہین تھی۔

جنگ پورے زور پر تھی۔ مسلمان بہادر جوش سے بےخود تھے، اور ہر طرف سے وہ دشمن کو دبا رہے تھے۔ فوجیں چیرتے ہوئے بڑھ رہے تھے اور لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ تیر اندازوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور دشمن کے چھکے چھوٹ رہے تھے۔

حضرت حمزہؓ کی بہادری کا عجیب منظر تھا۔ دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور وہ صفیں کی صفیں الٹتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن وحشی کی آنکھیں گھات میں تھیں۔ اور وہ حمزہ کے لیے موقع کی تاک میں تھا کہ یہ اس کی آزادی کی قیمت بن جائے!

چنانچہ وہ وقت بھی آ گیا، جس کے لیے وحشی نکلا تھا اور وہ گھڑی آن پہنچی، جس کے لیے وہ شروع سے تاک میں تھا۔

حضرت حمزہؓ ایک دشمن پر حملہ کر رہے تھے۔ پاس ہی ایک چٹان تھی۔ اسی چٹان کے پیچھے

وحشی تاک میں بیٹھا تھا، اور مارنے کے لیے نیزہ ٹھیک کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ بے خبر تو تھے ہی۔ موقع پاتے ہی اس نے نیزہ پھینک کر مارا۔ نیزہ ناف میں لگا، اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے نگاہ دوڑائی، کہ یہ نیزہ کدھر سے آیا۔ دیکھا تو پاس ہی وحشی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کامیابی کی خوشی میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت حمزہؓ تیزی سے بڑھے کہ اس پر حملہ کریں، لیکن شیر خدا اور ضیغم اسلام کے قویٰ جواب دے گئے اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے اور اب وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ اللہ کا دشمن اللہ کے پیارے کو کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر جب روح پرواز کر گئی اور جسم کی حرکت رک گئی۔ تو وہ آگے بڑھا۔ اور جسم سے نیزہ کو الگ کیا۔ پھر ایک طرف جا کر وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ کہ اب اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اگرچہ حضرت حمزہؓ شہید ہو چکے تھے۔ لیکن دشمن بری طرح ہار رہے تھے۔ اور مسلمان میدان پر چھائے ہوئے تھے۔ قریش کا جھنڈا خاندان عبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔ وہ باری باری آگے بڑھتے رہے جھنڈے کو ہاتھ میں لیتے رہے اور جان دیتے رہے۔ آخرکار سب مارے گئے اور اب جھنڈا زمین پر تھا۔ پیروں سے روندا جا رہا تھا۔ دشمن بدحواس تھے۔ اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ وہ اب بھاگ رہے تھے اور مسلمان دوڑا دوڑا کر انہیں مار رہے تھے۔ بے تحاشا سر زمین پر ڈھلک رہے تھے۔ اور جانیں تن سے جدا ہو رہی تھیں۔ جو عورتیں ابھی مردوں کو ہمت دلا رہی تھیں۔ اب وہ چیخ چیخ کر بھاگ رہی تھیں۔ اور درّوں میں پناہ لے رہی تھیں۔

مسلمان سمجھے کہ اب فتح یقینی ہے۔ چنانچہ دشمنوں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔ اور اب انہوں نے مال و سامان کی لوٹ شروع کر دی۔

تیر اندازوں نے ۔۔۔ جو درّہ کے پہرہ دار تھے ۔ دیکھا کہ دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمان پوری طرح جیت گئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان دشمن کی صفوں میں گھس رہے ہیں۔ اور ان کے مال و اسباب لوٹ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"بلا وجہ یہاں کس لیے پڑے ہو؟ دشمن تو اب ہار بھی گئے۔ وہ دیکھو اپنے ساتھیوں کو وہ سامان بھی لوٹ رہے ہیں۔ چلو، اب ہم بھی وہیں چلیں۔"

دوسروں نے کہا:

"کیا پیارے نبیؐ کی بات تمہیں یاد نہیں؟"

آپ نے فرمایا ہے:

"پیچھے سے ہماری حفاظت کرتے رہنا۔ اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں!"

ان لوگوں نے کہا:

"آپ کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ دشمن ہار جائیں۔ تب بھی تم یہ رہنا۔"

ان کے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں کتنا ہی روکا لیکن انہوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ لوٹ مار میں لگ گئے۔ صرف چند مسلمان تھے۔ جنہوں نے پیارے نبیؐ کی بات یاد رکھی۔ اپنے سردار کا کہا مانا۔ اور اپنی جگہوں پر صبر کے ساتھ جمے رہے۔

اتفاق سے خالد بن ولید کی نظر ادھر پڑ گئی۔ دیکھا تو درہ بالکل خالی تھا۔ صرف چند تیرانداز وہاں موجود تھے۔ اب کیا تھا۔ اس نے فوراً سواروں کا دستہ ساتھ لیا۔ اور نہایت بے دردی سے حملہ کر دیا۔ اتنے میں میسرہ کا سردار عکرمہ بھی آ پہنچا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن شہید کر دیے گئے۔

اب راستہ صاف تھا۔ چنانچہ سواروں کا دستہ آگے بڑھا۔ اور جہاں مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے اور مشرک سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے زور سے نعرہ لگایا:

"عزیٰ کی جے۔ ہبل کی جے۔"

اور اب مسلمانوں کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں۔ مسلمان تو اطمینان سے لوٹنے میں مصروف تھے۔ اچانک یہ آفت دیکھی تو وہ بوکھلا گئے اور ان کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انہوں نے تلواریں سنبھالیں۔ اور پھر لڑنے لگے۔ لیکن اب بات بگڑ چکی تھی! ہارا ہوا دشمن پھر تازہ دم ہو چکا تھا۔ اور ان پر بے تحاشا حملے کر رہا تھا۔ مسلمان بدحواسی کے عالم میں تھے۔ یہاں تک کہ دوست دشمن کی بھی تمیز اٹھ چکی تھی۔ اور مسلمان، مسلمان کو مار رہے تھے۔ خوف کا یہ حال تھا کہ انہیں اپنا خاص نشان بھی نہ یاد رہا۔ جس سے وہ اپنے بھائیوں کو پہچان لیتے۔ جنگ اب پھر زوروں میں ہو رہی تھی۔ لیکن اس بار مسلمانوں کی طرف دباؤ زیادہ تھا، اور لڑائی کا پلہ دشمن کی طرف بھاری تھا کہ یکایک ایک کافر نے چیخ کر پکارا:

"محمد مارے گئے!"

یہ بات بجلی کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اور اس نے سب پر جادو کا اثر کیا۔ مسلمانوں نے سنا تو ان پر عام بدحواسی چھا گئی۔ بہتوں کے دل اکھڑ گئے۔ اور اکثر کے حوصلے پست ہو گئے۔ مگر دشمنوں نے سنا تو ان میں اور جان آ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں میں عام مایوسی اور بددلی پھیل چکی تھی اور بڑے بڑے دلیروں کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔ حتیٰ کہ کچھ تو ہتھیار پھینک کر کنارے ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا۔ لیکن کچھ جوان ایسے بھی تھے، جن کے حوصلے ابھی بلند تھے۔ اور جو ایمانی جوش میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ پوری جانبازی سے لڑتے رہے اور جو ہمت ہار چکے تھے، انہیں ابھارتے بھی رہے۔ کچھ لوگ تو کہتے:

"اگر پیارے نبی شہید ہو گئے، تو اب زندہ رہ کے کیا کرو گے؟ لڑو اور جس کے لیے آپ نے جان دے دی، اسی کے لیے تم بھی مر مٹو۔"

اور کچھ لوگ کہتے:

"رسول خدا نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور رب کا جو پیغام تھا، اسے آپ نے پہنچا دیا۔ اب تم اس دین کی حفاظت کرو۔ اور اس کے لیے جنگ کرو۔ اللہ تو زندہ ہے اس کے لیے تو کبھی موت نہیں۔"

مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی ہو چکی تھی اور جو جہاں تھا، وہیں لڑ کر رہ گیا تھا۔ ادھر دشمنوں کا سارا زور حضور کی طرف تھا۔ راستہ چونکہ بالکل صاف تھا۔ اس لیے دشمنوں کے ایک جھنڈ نے آپ کو گھیر بھی لیا۔ اور آپ کی جان لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ بے دردی سے وہ آپ پر پتھر برسانے لگے اور بے تحاشا تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ پیارے نبی بھی مقابلہ میں تیر چلا رہے تھے۔ ارد گرد چند جانثار بھی تھے۔ جو آپ کو اپنی اوٹ میں لیے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھوں اور پیٹھوں پر تیر تلوار روک رہے تھے۔ کچھ جانثار مقابلہ میں مصروف تھے۔ اور بے تکان تیر برسا رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ماہر تیر انداز تھے اس وقت وہ بھی موجود تھے۔ وہ لگاتار تیر برسا رہے تھے۔ پیارے نبی انہیں خود تیر اٹھا اٹھا کر دیتے۔ اور فرماتے:

"تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر مارتے جاؤ!"

حضرت ابوطلحہ بھی مشہور تیر انداز تھے۔ وہ بھی وہاں حاضر تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر

بڑھانے کے، وہ دونوں لاشیں ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ حضرت ابودجانہؓ جھک کر ڈھال بن گئے تھے اور اب جو تیر آتے ان کی پیٹھ پر آتے۔ حضرت طلحہؓ بھی ہاتھ پر تلواریں روک رہے تھے۔ چنانچہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر الگ بھی ہو گیا تھا۔ اسی حال میں ایک بدبخت دشمن دوڑ کر آگے بڑھا۔ اور چہرہ مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا سخت تھا کہ خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ ایک اور دشمن نے دور سے پتھر پھینکا۔ وہ پتھر آ کر چہرہ مبارک پر لگا۔ چنانچہ آگے کے دو دانت شہید ہو گئے۔ اور مبارک ہونٹ لہولہان ہو گئے۔ ایک طرف ظالموں کا یہ سلوک تھا اور دوسری طرف رحمت عالمؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

"خدایا! میری قوم کو معاف کر، وہ جانتے نہیں۔"

ادھر تو پیارے نبیؐ کا یہ حال تھا۔ ادھر مسلمان یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ اور دشمن خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا برسوں کا ارمان پورا ہوا۔ بات اصل میں یہ ہوئی کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہو گئے اور جس دشمن نے انہیں شہید کیا تھا، اس کا نام ابن قمیہ تھا۔ حضرت مصعبؓ شکل وصورت میں چونکہ پیارے نبیؐ کے مشابہ تھے اس لئے ابن قمیہ نے سمجھا کہ یہ محمدؐ ہی ہیں۔ اب کیا تھا ہر طرف غل مچ گیا۔

جو جانثار آپؐ کے پاس موجود تھے انہوں نے چاہا کہ اس کی تردید کر دیں۔ مگر پیارے نبیؐ نے منع فرما دیا۔ اور وہ لوگ خاموش رہے۔ دشمنوں کو پورا یقین تھا کہ محمدؐ سچ مچ مارے گئے۔ چنانچہ قریش کے آدمی ہر طرف پھیل گئے اور لاشوں میں آپؐ کو ڈھونڈنے لگے۔ ہر ایک کی تمنا تھی کہ وہ پہلے پا جائے اور آپؐ کی تکا بوٹی کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرے۔ ڈھونڈنے والوں میں ابوسفیان بھی تھا۔ وہ بے تابی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر لاشوں کو دیکھتا اور حیرت سے کہتا

"محمدؐ کی لاش تو دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

ابوسفیان لاشوں میں آپؐ کو ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر نظر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی وہ غصے سے کھول اٹھا۔ چنانچہ اب اس بے رحم کا خون تیز ہو چکا تھا۔ حضرت حمزہؓ کا پاک جسم۔ وہ بے تحاشا ان کے جسم پر ٹھوکے لگاتا اور بہت چلا چلا کر کہتا

"او غدار! بدر میں تو نے جو کیا تھا، لے اس کا مزہ چکھ!"

ایک کافر تھا حلیس بن زبان۔ وہ بھی پاس ہی کھڑا تھا۔ اس سے یہ بے رحمی دیکھی نہ گئی۔ ابوسفیان کو پکڑ کر اس نے کھینچ لیا اور چیخا:

''لوگو! دیکھتے ہو؟ یہ قریش کا سردار ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے!''

ابوسفیان فوراً چونک پڑا:

''وہ مجھ سے بڑی چوک ہوئی، اچھا، دیکھو اس کا شور نہ کرو۔''

پھر ابوسفیان کی خالد سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے پوچھا:

''محمد قتل ہوئے؟ کچھ پتہ چلا؟''

خالد نے کہا:

''میں نے تو ابھی دیکھا، وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔''

عام مسلمانوں کو اگرچہ یقین ہو چکا تھا کہ رسولِ خدا واقعی شہید ہو گئے۔ لیکن بے چینی میں نگاہیں آپؐ کو ڈھونڈتی تھیں۔ اچانک حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر آپؐ پر پڑ گئی۔ چہرۂ مبارک پر خود تھا۔ لیکن آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اب کیا تھا، بے اختیار وہ چیخ پڑے۔

''مسلمانو! اللہ کے رسول یہ ہیں۔''

کون جانے یہ آواز کیا تھی؟ مسلمانوں میں یکایک زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ بجھے ہوئے حوصلے جاگ اٹھے اور تھکے ہوئے جسم تازہ دم ہو گئے ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے اور پروانوں کی طرح آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے آگے تھے۔ صورتِ حال زیادہ نازک ہو چکی تھی۔ اور خطرات بڑھتے ہی جا رہے تھے اس لیے جاں نثاروں نے آپؐ کو دائرہ میں لے لیا۔ اور پہاڑ پر چڑھنے لگے، کہ وہاں دشمنوں کا پہنچنا آسان نہ تھا۔ ابوعامر راوی نے پہاڑ کے دامن میں کچھ گڑھے کھود رکھے تھے۔ کہ مسلمان پھسل پھسل کر اس میں جا پڑیں اتفاق سے ایک گڑھے کے پاس سے آپؐ گزرے، تو آپؐ کا پیر پھسل گیا۔ مگر علیؓ اور طلحہؓ نے بڑھ کر دستِ مبارک پکڑ لیا۔ اور آپؐ کو اوپر چڑھا لیا۔ اور پھر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے بھی چڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ لہٰذا وہ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا۔ حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ کی نظر پڑی تو انہوں نے اوپر سے بے تحاشہ پتھر برسائے اور پھر وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

آپؐ کی وفات کی غلط خبر مدینہ میں بھی پھیل گئی۔ کیسے معلوم کہ اس وقت مسلمانوں پر کیا

گزری۔ بے تاب ہو کر وہ آپؐ کی طرف دوڑے حضرت فاطمہؓ نے سنا تو وہ بے قرار ہو گئیں اور بدحواسی کے عالم میں وہ بھی دوڑ پڑیں۔ اور نہ جانے کس طرح وہ پیارے باپؐ کے قدموں تک پہنچ گئیں۔ دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ بے اختیار دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت علیؓ سپر میں پانی بھر لائے اور پیاری بیٹی باپؐ کے زخم کو دھونے لگی۔ بہت دھویا لیکن خون نہ تھما۔ آخر انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اسے زخم پر رکھ دیا۔ اور اس طرح خون فوراً تھم گیا۔

پیارے نبیؐ کا ایک کٹر دشمن تھا اُبی بن خلف اس کو معلوم ہوا کہ محمدؐ تو ابھی زندہ ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ چنانچہ فوراً اس نے ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور کچھ ساتھیوں کو ساتھ لے کر آپؐ کی طرف دوڑا۔ اور اس وقت وہ غصے سے چیخ رہا تھا

"محمدؐ کہاں ہے؟ اگر وہ بچ گیا تو مجھ پر جینا حرام!"

قریب ہوا تو آپؐ نے ایک ساتھی سے نیزہ لیا۔ اور اس کی حلق میں ذرا سا کونچ دیا۔ بس اتنے ہی سے وہ تلملا اٹھا اور فوراً چیخ چلاتا ہوا واپس آیا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں کئی بڑے بڑے جاں نثار تھے۔ شیر خدا حضرت حمزہؓ تھے۔ وحشی خوشی سے اچھل رہا تھا، کیونکہ وہی آپ کا قاتل تھا۔ وہ ہند کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا کارنامہ بیان کر کے انعام طلب کیا۔ ہند نے کہا:

"تجھے میں اپنا قیمتی ہار دوں گی۔ ذرا یہ تو بتا وہ ہے کہاں؟"

چنانچہ وحشی ہند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اسے حضرت حمزہؓ کی لاش دکھائی۔ ہند کا کلیجہ تو کھول ہی رہا تھا۔ دیکھتے ہی وہ غصے سے بے قابو ہو گئی۔ فوراً جھک کر حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا۔ جگر کو باہر نکالا۔ اور بے دردی سے چبانے لگی کہ کلیجے کی آگ ٹھنڈی ہو۔ مگر وہ نگل نہ سکی اور مجبوراً اسے اگل دینا پڑا۔ اب اس نے گلے سے ہار نکال کر وحشی کو دے دیا۔ پھر اس نے قریش کی دوسری عورتوں کو ساتھ لیا اور جا کر مسلمان لاشوں کے ناک کان کاٹے اور ان "پھولوں" کا ہار بنا کر پہنے۔ گلے میں ڈال دیا۔

دشمن اپنی لاشوں کو دفن کر چکے تھے۔ اس لیے اب انہوں نے کوچ کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان کا دل آج بے انتہا خوشی سے لبریز تھا۔ چنانچہ دوڑا ہوا پہاڑ کے دامن میں آیا اور زور سے

پکار کر اس نے کہا:

"مسلمانو! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ اور آئندہ سال پھر بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہے۔" پھر وہ یہ کہتا ہوا الٹ پڑا:

"فوج کے لوگوں نے مقتولین کے ناک، کان کاٹ لیے ہیں۔ میں نے اس کا حکم دیا تھا، نہ اس سے روکا تھا۔ مجھے اس سے خوشی نہیں۔ لیکن کوئی رنج نہیں۔"

پھر مسلمان پہاڑ سے اتر کر لاشوں کو دفن کرنے لگے۔ پیارے نبی کی نظر حضرت حمزہؓ پر پڑی۔ دیکھا تو جسم کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس قدر آنسو بہے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ اس وقت آپؐ کی زبان سے یہ درد بھرے الفاظ بھی نکلے:

"اف! میری آنکھوں نے ایسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا!"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"اگر صفیہ (حضرت حمزہؓ کی بہن) کو صدمہ نہ ہوتا اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ چیز میرے بعد سنت بن جائے گی، تو میں ان (حضرت حمزہؓ) کو یوں ہی چھوڑ دیتا کہ انہیں گدھ اور درندے کھا لیں۔ بخدا اگر ان پر کبھی بس چلا تو ان کے تیس آدمیوں کی یہی گت بناؤں گا۔"

لیکن اس کے بعد ہی زبان مبارک میں یہ آیت گونج رہی تھی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ (النحل ۱۲۶۔۱۲۸)

"اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اور (اے محمدؐ) صبر کرو۔ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کے سہارے ہے، جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر رنج نہ کرو۔ اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو۔ بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے، جو اللہ کی نافرمانی سے بچے اور اس کی ناخوشی سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔"

.... ☆☆☆

مُحمَّد عَرَبی ﷺ

مشعلِ توحید پر آندھیوں کی یلغار

بنی نضیر کی جلاوطنی

قریش راستہ ہی سے لوٹ گئے!

بنی نضیر کی ریشہ دوانیاں۔

دینِ حق کے خلاف سارے عرب کا اتحاد۔

جاں نثاروں سے حضور ﷺ کا مشورہ۔

خندق کی کھدائی۔

دشمن فوجیں مدینہ کی سرحد پر۔

اسلامی فوج اپنی چوکیوں پر۔

خندق پار کرنے کی ناکام کوشش۔

دشمن فوج میں بے دلی۔

بنی قریظہ کی غداری۔

حضرت صفیہؓ کی حیرت ناک شجاعت۔

حضرت علیؓ کی مثالی بہادری۔

طوفانی حملے۔

حضرت سعدؓ کی شہادت۔

دشمنوں میں پھوٹ۔

بارش اور آندھی کا عذاب۔

دشمن فوج میں بھگدڑ۔

بنی قریظہ کا عبرت ناک انجام۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۰)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس روزی پا رہے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوش وخرم ہیں۔ اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں۔ اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں، ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔“

احد کا دن مسلمانوں کے لیے بڑا ہی کٹھن دن تھا۔ چنانچہ لڑائی رکی تو ان کے جسم زخم سے چور تھے۔ دشمنوں کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ خوشی سے اچھل رہے تھے۔ یہودیوں کے یہاں بھی عید کا سماں تھا۔ منافقوں کی خوشی کی بھی انتہا نہ تھی۔ لیکن اب بھی مسلمانوں کے بلند حوصلے جوں کے توں تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس لڑائی میں اگرچہ کافی جانی نقصان ہوا۔ لیکن جیت جس کا نام ہے، دشمن اس سے محروم رہے۔ راستے میں آپ کو خیال گزرا، کہیں دشمن یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نڈھال ہو چکے ہیں، اور پھر لوٹ کر حملہ کر دیں۔ چنانچہ ساتھیوں سے فرمایا:

"کون دشمن کا پیچھا کرتا ہے؟"

مسلمان اگرچہ اس وقت زخموں سے چور تھے۔ لیکن ایمانی جوش سے لبریز تھے۔ چنانچہ فوراً ستر جانبازوں نے اپنے نام پیش کر دیے اور ایک اچھی خاصی جمعیت تیار ہو گئی۔ جس میں ابوبکرؓ وزبیرؓ بھی تھے۔

آپؐ کا اندیشہ صحیح نکلا۔ ابوسفیان کچھ دور نکل گیا۔ تو اسے واقعی خیال آیا کہ کام تو تھوڑا ہی رہ گیا۔ چلیں لوٹ کر مدینہ پر دھاوا بول دیں۔ اب اسے سر کرنے میں کیا دیر لگے گی۔ مسلمان تو بالکل بے جان ہو چکے ہیں۔ ان میں اب دم ہی کیا رہ گیا ہے۔ لیکن پھر اسے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تو وہی آن بان ہے۔ وہ تو خود ہی مقابلے کے لیے پیچھے آ رہے ہیں۔ چنانچہ اب اس نے ویسے ہی کھسک جانا غنیمت جانا کہ دوبارہ مقابلہ میں ہار ہو جائے اور جو جیت ہوئی ہے، اس پر بھی پچھتاوا ہو۔ آپؐ نے حمراء الاسد تک اس کا تعاقب کیا۔ پھر واپس لوٹ آئے۔ یہ حمراء الاسد مدینہ سے آٹھ میل پر ہے۔

اللہ اللہ! یہ تدبیر، یہ حکمت، یہ دور اندیشی! کس وقت؟ جبکہ آپؐ تھکے کے چور ہیں۔ زخموں سے نڈھال ہیں۔ ناکامی کا بھی ملال ہے اور پھر "مثلہ" کا بھی جاں گداز منظر سامنے ہے!

جنگ احد سے آپؐ کو اطمینان ہوا۔ کئی قبیلوں نے آپؐ کے ساتھ غداری کی۔ مجبوراً آپؐ کو ان سے بھی نمٹنا پڑا۔ اس سلسلہ میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔ کہیں تو فتح ہوئی اور کافی مال غنیمت ہاتھ

آیا۔ لیکن کہیں جانوں کا بڑا نقصان ہوا۔ ان میں ایک واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اثرات کے لحاظ سے بھی وہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہ ہے قبیلۂ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا۔ پیارے نبیؐ کا اس سے معاہدہ تھا۔ لیکن اس نے غداری کی اور آپؐ کو دھوکے سے مار ڈالنے کی سازش کی۔ بالآخر آپؐ کو پتہ چل گیا اور آپؐ نے اسے مدینہ کی آبادی سے نکال دیا۔ نکلنے کو تو وہ نکل گئے۔ لیکن آپؐ سے انہیں انتہائی کینہ ہو گیا۔ اور اب وہ ہاتھ دھو کر آپؐ کے پیچھے پڑ گئے۔ آپؐ کو ناکام کرنے کے درپے ہو گئے اور قبیلوں میں جا جا کر آپؐ کے خلاف جوش پیدا کرنے لگے۔

قریش نے احد سے واپس ہوتے ہوئے مسلمانوں کو دھمکی دی تھی۔ انہوں نے شیخی میں آ کر کہا تھا:

"مسلمانو! آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہے۔"

وہ وقت اب سر پر آ گیا۔ مگر ہمت تو تھی نہیں۔ اس لیے اپنے کہے پر انہیں بڑا پچھتاوا ہوا۔ یونہی بیٹھے رہیں، یہ بھی بدنامی کا باعث تھا کہ اس طرح تو عزت پر آنچ آنے اور ہر طرف بزدلی کا چرچا ہو جانے کا ڈر تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک چال چلی یعنی اب انہوں نے مسلمانوں میں اپنے آدمی بھیجنے شروع کر دیے کہ وہ قریش کی طاقت اور ان کے لاؤ لشکر اور ساز و سامان کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کریں، تاکہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل جائے اور پھر ان میں لڑائی سے بے دلی پیدا ہو جائے لیکن آپؐ ان کی باتوں میں کب آنے والے تھے۔ آپؐ کی ہمت ذرا بھی ڈانوا ڈول نہ ہوئی۔ اپنے عزم پر آپؐ مضبوطی سے قائم رہے اور آپؐ نے طے کر لیا کہ اس دن میدان میں پہنچنا ہے، چاہے سارے لوگ ساتھ چھوڑ دیں۔

چنانچہ وہ دن آ گیا اور آپؐ نے ساتھیوں کے ساتھ بدر کا رخ کیا۔ اسی موسم میں وہاں ہر سال بازار بھی لگتا تھا۔ اس لیے ساتھیوں نے تجارت کے لیے کچھ سامان بھی ساتھ لے لیا۔ مگر وہاں پہنچے تو قریش کا اب تک پتہ نہ تھا۔ لہٰذا بہادر مسلمان ٹھہر کر ان کا انتظار کرنے لگے۔

ننگ و عار کا معاملہ تھا اور قریش کو بہرحال اپنی لاج رکھنی تھی۔ اس لیے مقابلہ میں نکلے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن بری طرح ہار جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے دل کسی طرح راضی نہ تھے۔ پھر بھی وہ ہمت کر کے نکلے اور دو دن تک آگے بڑھتے رہے۔ پھر خوف سے پاؤں پھولنے لگے۔

اور آگے بڑھنا ناممکن ہوگیا۔ ابوسفیان فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے کہا:

"بھائیو! یہ سال تو خشک سالی کا ہے۔ لڑائی بھڑائی تو خوشحالی میں ہوتی ہے۔ خیر اسی میں ہے کہ ہم مکہ لوٹ چلیں، لو میں تو چلا۔"

سردار کے بعد اب کون ٹکتا۔ پوری فوج مکہ واپس ہوگئی۔ پیارے نبیؐ بدر میں آٹھ دن تک انتظار کرتے رہے۔ بدر میں بازار تو لگا ہی تھا اور سامان بھی ساتھ تھا۔ مسلمان تجارت میں لگ گئے۔ خدا نے خوب برکت بھی دی۔ آٹھ دن گزر گئے۔ لیکن قریش کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اب آپؐ ساتھیوں کو لے کر مدینہ لوٹ پڑے۔ راستہ میں دشمن کی بزدلی کی باتیں رہیں۔ قریش کی پست ہمتی کے تذکرے رہے۔ اور اس طرح شکر سے ان کے سینے امنڈنے لگے۔ اور زبان پر بے اختیار حمد جاری ہوجاتی۔

پیارے نبیؐ مدینہ آگئے اور پھر پورے زور شور سے دعوت و تبلیغ میں لگ گئے۔ راہ میں روڑے بھی اٹکائے گئے۔ مگر آپؐ نے کوئی پروا نہ کی۔ اور پوری سرگرمی سے کام میں لگے رہے۔ دھیرے دھیرے پورے حجاز میں اسلام کا چرچا ہوگیا۔ نہ صرف حجاز، بلکہ شام میں بھی آپؐ کی آواز پہنچ گئی۔

☆☆☆

قریش اب مسلمانوں کا نوہان چکے تھے۔ ان کی طاقت اور ہمت سے سہم چکے تھے۔ اور سمجھ چکے تھے کہ ان سے ٹکر لینا جوئے شیر لانے کا کام ہے۔ غرض یہ بنو نضیر کے سردار قریش کے پاس گئے۔ ان سرداروں میں حُیَی بن اخطب بھی تھا اور سلام بن ابی الحقیق بھی۔ ان لوگوں نے پہنچ کر قریش کو پھر جوش دلایا۔ اور ان کو آپ سے جنگ کرنے پر ابھارا۔ انہوں نے کہا:

"ڈرنا کاہے کا؟ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محمدؐ کو ملا کے ہی دم لیں گے۔ اسی کا تو ہم تم سے عہد کرنے آئے ہیں۔"

یہ سنا تو قریش میں ایک نیا جوش ابھرا۔ ایک نیا ولولہ پیدا ہوا اور سوئے ہوئے جذبات پھر جاگ اٹھے۔ انہوں نے یہودیوں کی خوب خاطر مدارات کی۔ پھر خوشی سے پھول کر کہا:

"واہ! کیا خوب آئے۔ ہمیں وہی لوگ تو پسند ہیں، جو محمدؐ کے دشمن ہیں۔ اور اس کو مٹا دینے کے درپے ہیں۔"

اس کے بعد قریش نے کہا:

"بھئیو! تمہارے پاس پہلے سے خدا کی کتاب موجود ہے محمدؐ سے ہمارا جو اختلاف ہے اس سے بھی تم بے خبر نہیں۔ ذرا بتاؤ تو، ہمارا مذہب اچھا ہے کہ محمدؐ کا؟"

ان جھوٹے بدبختوں نے جواب دیا:

"توبہ کرو تمہارے مذہب سے اس کے مذہب کا کیا مقابلہ! کہاں سچ، کہاں جھوٹ، کہاں حق، کہاں باطل!"

اسی طرح یہودی چکنی چپڑی باتیں کرتے رہے اور قریش کو جھوٹے بہلاوے دیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش پھولے نہ سمائے اور فوراً ان کے دھوکہ میں آگئے۔ چنانچہ انہوں نے جوش میں آکر کہا:

"جب تک جان میں جان ہے، محمدؐ سے ہماری جنگ ہے۔ محمد کا دین پھلے پھولے، یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ محمدؐ سے دنیا کو پاک کرنا ہے۔ اس کے دین کا نام و نشان مٹانا ہے۔"

چنانچہ اب جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ اور دن تاریخ بھی طے ہو گئی۔ پھر یہودیوں نے قریش ہی میں آگ لگانے پر بس نہ کیا۔ وہ عرب کے دوسرے قبیلوں میں بھی گئے اور وہاں بھی فتنہ کے بیج ڈالے۔ خوب دھواں دھار تقریریں کیں۔ اور لوگوں کو اس خطرے سے چوکنا کیا۔ قبیلہ غطفان میں گئے اور وہاں بھی لوگوں کو سبز باغ دکھائے۔ لالچ دلاتے ہوئے کہا:

"خیبر کی آدھی پیداوار تمہیں دیا کریں گے۔ تم اس جنگ میں ہمارا ساتھ دو۔"

اسی طرح اور دوسرے قبیلوں کے پاس گئے۔ بنی سلیم کے پاس گئے۔ بنی اسد اور بنی فزارہ کے پاس گئے۔ بنی اشجع اور بنی مرہ کے پاس بھی گئے۔ اور ان سب کو نئے دین سے ہوشیار کیا اور اپنے مذہب کے لیے کٹ مرنے کا جوش دلایا۔ پھر انہیں خوب سبز باغ دکھائے۔

پیارے نبیؐ کے خلاف اب سارا عرب ایک تھا۔ کیا مشرک اور کیا یہودی! سب آپؐ کی جان کے درپے تھے۔ گویا سارے شیطانی ارادے، اور ناپاک حوصلے اب اسلام کا چراغ بجھا دینے پر متفق تھے! چنانچہ آپؐ کی طرف ایک بھاری لشکر بڑھا۔ لشکر کیا تھا، آدمیوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ دس ہزار خون کے پیاسے تھے، جو ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے:

"اے محمدؐ! اللہ آپؐ کے ساتھ ہے۔ وہ آپؐ کی مدد بھی کر سکتا ہے اور دشمنوں کو خوار بھی کر سکتا ہے!"

آپؐ کو پتہ چل گیا کہ سارا عرب آپؐ پر بپھرا ہوا ہے اور ہر طرف سے سیلاب کی طرح اُمڈا آرہا ہے، کہ مدینہ کو تہس نہس کر دے گا۔ اور دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دے۔ اُف خدا کی پناہ......! جس لشکر کے پیچھے عرب کی پوری طاقت ہو، پیارے نبیؐ اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ اس کی غارت گری سے محفوظ رہنے کی کیا ترکیب کریں؟ اور اس کی بربادیوں کا سیلاب کیسے روکیں:

پیارے نبیؐ نے ساتھیوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا۔ سب نے کہا:

"مدینہ میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے۔"

حضرت سلمان فارسیؓ ایران کے رہنے والے تھے اور وہاں کے کچھ جنگی طریقوں سے بھی واقف تھے۔ انہوں نے کہا:

"کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا بہتر نہیں۔ ایک محفوظ جگہ پر لشکر جمع ہو۔ اور ادھر گرد خندق (گڑھا) کھود لی جائے۔"

پیارے نبیؐ کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ حکم دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو، یہ کام شروع ہو جائے۔ چنانچہ جلدی جلدی کدالی، پھاوڑوں کا انتظام ہوا۔ بنی قریظہ کے یہودی مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اس لیے کھدائی کے بہت سے سامان وہاں سے بھی آ گئے۔ اور اس طرح فوراً مسلمان اس کام میں جت گئے۔

مدینہ صرف ایک طرف سے کھلا ہوا تھا۔ اور بقیہ تین طرف سے مکانوں اور کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ پیارے نبیؐ ساتھیوں کے ساتھ شہر سے باہر نکلے۔ اور اسی طرح خندق کھودنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کھدائی کا نقشہ آپؐ نے خود بنایا۔ پھر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کر دی۔ کام کرنے والوں میں آپؐ خود بھی شریک تھے آپؐ کو ساتھ دیکھ کر مخلص ساتھیوں میں اور جوش پیدا ہوتا۔ اور وہ بے خود ہو کر کام میں لگے رہتے۔ جاڑے کی راتیں تھیں اور تین تین دن کا فاقہ بہادر مسلمان اسی عالم میں کھدائی کرتے۔ چٹھوں پر مٹی لا دلا دکر کوہ سلع کے دامن میں پھینکتے، اور ادھر سے پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے اور خندق کے کنارے چنتے جاتے۔ کہ ضرورت پڑی، تو دشمن پر برسانے کے کام آئیں گے۔

تین ہزار متبرک ہاتھ خندق کھودنے میں معروف تھے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ بھوک پیاس تک وہ بھولے ہوئے تھے۔ اسی طرح کچھ ہی دنوں میں یہ کام پورا ہو گیا۔ اب مدینہ محفوظ تھا۔ مدینہ ہی سے ملی ہوئی ایک پہاڑی ہے جو کوہ سلع کے نام سے مشہور ہے۔ خندق میں اور اس میں صرف چھ میل کا فاصلہ تھا اور دونوں کے درمیان ایک لمبا چوڑا میدان تھا۔ پیارے نبیؐ نے اپنی فوج کو اسی میدان میں ٹھہرایا۔

مدینہ کا بچہ بچہ جوش سے بے خود تھا۔ چنانچہ فوج روانہ ہوئی، تو باپ بھائیوں کے ساتھ نو عمر بچے بھی ہو گئے۔ مگر فوج میدان میں پہنچی، تو آپؐ نے اس کا جائزہ لیا۔ جو پندرہ سال سے زیادہ عمر کے تھے، انہیں شرکت کی اجازت دی۔ اور جو اس سے کم تھے، انہیں شاباش دی۔ اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

ہجرت کا پانچواں سال اور ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ دشمن فوج کے ہراول دستے اب مدینہ کے قریب دکھائی دینے شروع ہو گئے۔ ابوسفیان کو امید تھی کہ محمدؐ احد پر ملیں گے مگر آپؐ وہاں نہ ملے تو اس نے فوج کو مدینہ کی طرف بڑھایا۔ اور مدینہ کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔ لیکن

غطفان اور کچھ دوسرے قبیلے احد کے پاس ہی ٹھہرے۔

اب دشمن فوج کی ٹولیاں مدینہ کی طرف چلیں کہ مسلمانوں کا کچھ حال معلوم ہو مگر وہاں وہ پہنچیں تو ایک بالکل نئی چیز دیکھی۔ ایسی چیز جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ کیا! ارے یہ تو خندق ہے! مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھدی ہے! تو کیا ہمارا لشکر اس پر نہ جا سکے گا؟ جس کے لیے اتنا جتن کیا گیا ہے۔ اور اتنے پاپڑ بیلے گئے ہیں، کیا وہ کام نہ ہو سکے گا؟ کیا یہ سارا کھیل بگڑ جائے گا؟ اور کیا محمدؐ زندہ بچ جائے گا؟

ٹولیاں لوٹ لوٹ کر فوج میں آئیں اور لوگوں کو یہ "نامبارک" خبر سنائی۔ جس نے بھی سنا، دنگ رہ گیا۔ بخدا یہ بالکل اک نئی چال چلی ہے۔ جس کا عرب میں تو کبھی رواج تھا نہیں۔

مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ دشمن آ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی چوکیوں پر چوکنے ہو گئے۔ کوہ سلع کے دامن میں ایک سرخ خیمہ بھی نصب کیا گیا۔ جس میں پیارے نبیؐ تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر جنگ کا نقشہ بنایا۔ اسلامی فوج تین ہزار تھی۔ اس کو آپؐ نے کئی حصوں پر تقسیم کیا۔ کچھ ٹولیاں خندق کی دیکھ بھال پر مقرر ہوئیں۔ خندق کے جن حصوں پر زیادہ اندیشہ تھا، وہاں بھی کچھ لوگوں کو پہرہ پر لگایا اور بقیہ فوج دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوئی۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ قریش نے بہت کوشش کی کہ خندق پار کر لیں، لیکن ناکام رہے۔ جانباز مسلمانوں نے اس طرح تیر برسائے کہ ان سے کچھ نہ بن پڑا۔ بالآخر تاب نہ لا کر وہ پیچھے ہٹ گئے اور اب انہوں نے خندق کے اس پار سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ پھر شام ہو گئی اور وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو قریش نے پھر خندق پار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس دن بھی ناکام رہے۔ اب وہ غصہ سے بوکھلا گئے اور تلملاتے اور ہونٹ چباتے واپس آ گئے انہیں اب یقین ہو گیا کہ ہمارا سارا کیا دھرا برباد گیا۔ آندھی طوفان کا بھی زور تھا اور سردی بھی بلا کی تھی کہ جسم کٹے جا رہے تھے اور رگوں میں خون جما جا رہا تھا۔ اس لیے وہ غصہ سے بدحواس تھے۔

مسلسل ناکامی اور موسم کی سختی! فوج میں بے دلی پھیل گئی۔ جسے دیکھو، یہی کہہ رہا تھا "محمدؐ پر اب قابو کیسے پایا جا سکتا ہے؟"

حُیی بن اخطب نے یہ حال دیکھا، تو بہت ڈرا۔ اس نے فوج اکٹھا کرنے کے لیے انتھک

کوشش کی تھی۔ اور نہ جانے کن کن مصیبتوں سے سارا انتظام کیا تھا۔ چنانچہ وہ گھبرا اٹھا اور سوچنے لگا:

"اگر فوج میں یونہی بے دلی پھیل گئی اور سپاہیوں کے حوصلے پست ہوتے گئے، تو کیا ہوگا؟ تب تو ساری کوشش مٹی میں مل جائے گی۔ اس کے لیے تو فوراً کچھ کرنا چاہیے" چنانچہ وہ دوڑا ہوا ابو سفیان کے پاس آیا اور اس سے کہا:

"میری قوم قریظہ بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کی طاقت کا حال تمہیں معلوم ہی ہے۔"

ابو سفیان بولا:

"تو دیر نہ کرو جلدی دوڑ کر جاؤ اور ان سے کہو کہ محمدؐ سے معاہدہ توڑ دیں۔"

اب حُیی تیزی سے بنی قریظہ کی طرف لپکا، کہ کسی طرح ان کو پھسلائے ان کو غداری پر تیار کرلے اور انہیں توڑ کر اپنے میں ملالے۔

بنی قریظہ کے سردار کو محسوس ہوگیا۔ چنانچہ فوراً اس نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا۔ اور حُیی سے ملنا بھی گوارا نہ کیا۔ کیونکہ وہ تاڑ گیا تھا کہ حُیی کیوں آرہا ہے۔ حُیی پہنچا تو اس نے آواز دی۔ اور قسم دے دے کر دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ جوش دلانے کے لیے اس نے یہ بھی کہا:

"مجھے معلوم ہے تم نے کیوں دروازہ بند کیا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہیں میں بھی نہ پیالہ میں شریک ہوجاؤں۔"

یہ سن کر کعب کو غیرت آگئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ حُیی نے کہا:

"واہ رے کعب! دیکھو، میں تمہارے لیے کتنی بڑی عزت اور شہرت لے کر آیا ہوں۔ فوجوں کا ایک سمندر لایا ہوں...... ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ سارا عرب اُمڈ آیا ہے۔ قریش اور غطفان کے بھی سردار آئے ہیں۔ سب ایک محمدؐ کے خون کے پیاسے ہیں۔ سب نے وعدہ کیا ہے کہ کام تمام کیے بغیر یہاں سے ٹلیں گے نہیں۔"

کعب نے کہا:

"بخدا تم میری ناک کٹائی چاہتے ہو۔ میں تو محمدؐ سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اب معاہدہ کی خلاف ورزی مجھ سے نہ ہوگی۔ محمدؐ نے ہمیشہ میرے ساتھ وفاداری کی ہے۔"

مگر حُیی اب بھی مایوس نہ ہوا اور وہ بار بار کعب کی غیرت کو جھنجھوڑتا، اس نے کہا:

"آج پوری قوم کی لاج رکھنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کی عزت بھی تمہارے ہاتھ میں

ہے۔ اور اس کی دولت بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اب تم ہی سوچ لو، دیکھو، یہ موقع ہاتھ سے دینے کا نہیں۔ بے جھجک تم محمدؐ کا معاہدہ توڑ دو۔ اور فوجوں کو راستہ دو۔ وہ سیلاب کی طرح بڑھیں گی۔ اور منٹوں میں محمدؐ اور اس کی فوج کو تہس نہس کر دیں گی۔ پھر پورے عرب پر ہمارا اثر ہو گا۔ اپنے مذہب کے لیے بھی راستہ صاف ہو جائے گا اور مدینہ کی ساری دولت اور جائیداد پر بھی قبضہ ہو جائے گا۔"

اس بار کا وار بے کار نہ گیا۔ اس بار حیی کا جادو چل گیا۔ اور کعب اپنی مروت کو ذبح کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ ہچکچا رہا تھا اور غداری کا برا انجام اسے ستا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ:

"اگر کہیں قریش و غطفان ہار گئے تو کیا ہو گا؟ وہ لوگ تو اپنا راستہ پکڑیں گے، اور میں تن تنہا رہ جاؤں گا۔ پھر تو میری بڑی گت بنے گی اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کی طرح میں بھی ذلیل ہوں گا۔"

لیکن جلد ہی یہ اندیشہ بھی دور ہو گیا۔ کیونکہ حیی نے کہا:

"خدا نخواستہ اگر ہم ہار گئے اور قریش میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو میں خیبر چھوڑ دوں گا۔ اور یہیں آ کر تمہارے ساتھ رہوں گا اور جو کچھ سامنے آئے گا تمہارے ساتھ میں بھی جھیلوں گا۔"

یہ باتیں سن کر کعب کو اب بالکل اطمینان ہو گیا اور وہ غداری کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب کیا تھا، حیی کامیابی سے مسرور فوج میں پہنچا اور وہاں لوگوں کو یہ خوش خبری سنائی۔ اسے اب یقین تھا کہ فتح اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور اس میں اب صرف اتنی ہی دیر ہے کہ بنی قریظہ تیار ہو جائیں۔

قریظہ کی غداری کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ یہ خبر مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک نئے خطرہ کی گھنٹی تھی۔ کیونکہ اب ان کا لشکر بھی خطرہ میں تھا۔ رسد رسانی کے لیے بھی اب کوئی راستہ نہ تھا اور دشمن کا اندیشہ بھی بڑھ گیا تھا کیونکہ حملہ کے لیے ایک تیار راستہ نکل گیا تھا اور اس راستے سے دشمن کے لیے شہر میں گھسنا بالکل آسان تھا۔

پیارے نبیؐ نے تحقیق کے لیے ایک آدمی دوڑایا۔ وہ پہنچا تو وہاں بڑی دھوم دھام تھی۔ ایک عجیب جوش و خروش تھا۔ اور ہر ایک جنگ کی تیاریوں میں معروف تھا۔ آپؐ نے اطمینان کے لیے پھر سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ کو بھیجا کہ قریظہ کے سردار سے مل کر بات کریں۔ سعد بن عبادہؓ خزرج کے سردار تھے اور سعد بن معاذؓ اوس کے۔ یہ قریظہ کے حلیف بھی تھے۔ ان دونوں سے آپؐ نے فرمایا:

"اگر خبر صحیح ہو تو آ کر چپکے سے بتانا کہ مسلمانوں میں بے دلی نہ پھیلے۔ ورنہ بلند آواز سے اعلان کر دینا۔"

یہ لوگ وہاں پہنچے تو بہت افسوسناک حالت دیکھی۔ کیونکہ وہ لوگ بے وفائی اور غداری کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور سرداروں کی حالت تو سب سے زیادہ شرمناک تھی، کہ وہ پوری بے باکی سے آپؐ کی بے ادبی کر رہا تھا۔ اس بدبخت نے یہاں تک کہا کہ:

"کون ہے اللہ کا رسولؐ! ہم سے محمدؐ کا کوئی عہد معاہدہ نہیں!"

یہ کلمات سن کر جاں نثاروں کو جوش آ گیا۔ اور صورت حال بہت نازک ہو گئی۔ و قریب تھا کہ جھگڑا برپا ہو جائے۔ مگر سعد بن معاذؓ نے اپنے ساتھی کو سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے کہ:

"یہ کیا؟ ہمارے اور ان کے تعلقات تو اس سے بھی زیادہ بگڑ چکے ہیں!"

پھر دونوں جاں نثار لوٹ کر آپؐ کی خدمت میں آئے اور چپکے سے آپؐ کو صورت حال بتا دی۔ لیکن یہ خبر چھپنے والی کب تھی؟ ساری فوج میں اس کا چرچا ہو گیا۔ ورمدینے میں ہر طرف اس کا شہرہ ہو گیا۔ اس طرح آن کی آن میں سب پر بے دلی چھا گئی۔ اور ہر طرف مایوسی پھیل گئی جسے دیکھیے یہی کہہ رہا تھا:

"خندق تو خوب تیار ہوئی۔ لیکن اب خندق سے کیا ہوتا ہے؟ اب تو قریظہ کے قلعہ سے حملہ ہوگا۔ ہائے اب کیا بنے گا؟"

اب محاصرہ بہت سخت تھا۔ دشمن مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے رہے اور اسی حال میں مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔ بالآخر تاب نہ لا کر وہ بلبلا اٹھے۔ پیارے نبیؐ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساتھی ہمت نہ ہار جائیں چنانچہ آپؐ نے غطفان کے پاس ایک آدمی بھیجا:

"اگر تم لوگ جنگ نہ کرو، اور واپس چلے جاؤ تو مدینہ کی تہائی پیداوار ہم تم کو دیں"

اس پر غطفان بخوشی راضی ہو گئے اور بات پکی کرنے کے لیے انھوں نے اپنے آدمی بھیجے۔ البتہ انھوں نے تہائی کے بجائے آدھی پیداوار کا مطالبہ کیا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر ابوسفیان ان باتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ غطفان کی طرف سے آدھی پیداوار کا مطالبہ ہوا تو آپؐ نے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو بلایا۔ اور ان سے مشورہ کیا۔ سعد بن معاذؓ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! اگر یہ خدا کا حکم ہے۔ تو انکار کی مجال نہیں۔ آپؐ کی یہ خواہش ہے جب

بھی تسلیم ہے اور اگر یہ ارادہ ہم لوگوں کے خیال سے ہے، تو کچھ عرض کروں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"یہ تو تم ہی لوگوں کے لیے کر رہا ہوں۔ کیوں کہ میں نے سوچا کہ اس طرح دشمن کا دباؤ کچھ کم ہو جائے گا۔"

سعد بن معاذؓ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! جب ہم کافر تھے، تب تو کوئی ہم سے کچھ نہ لے سکا اور اب تو آپؐ کی برکت سے ہمارا درجہ بلند ہو گیا۔ اللہ کے رسولؐ! ان کے لیے ہمارے پاس اب صرف تلوار ہے۔"

پیارے نبیؐ نے یہ ہمت دیکھی، تو آپؐ کو اطمینان ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے غطفان سے معاہدہ کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور ان کے آدمی واپس چلے گئے۔

قبیلہ غطفان کا ایک رئیس تھا نعیم بن مسعود۔ وہ اندر ہی اندر مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر قبیلے والوں کو خبر نہ تھی۔ وہ چھپ کر آپؐ کے پاس آیا۔ اور اپنے مسلمان ہونے کی خوش خبری سنائی۔ پھر عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! میرے اسلام لانے کی کسی کو خبر نہیں۔ آپؐ جو چاہیں مجھ سے کام لیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

"نعیم! تم تنہا آدمی ہو، جس طرح بھی ہو سکے، یہ مصیبت دور کرو اور اس کے لیے تم جو چاہو، کرو تمہیں اجازت ہے۔"

نعیم واپس گئے۔ اور سوچنے لگے کہ کیا کروں؟ کس طرح دشمن میں پھوٹ ڈالوں؟ اور کس طرح ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کروں؟

دشمنوں میں اب ایک نیا جوش تھا۔ اب ان کے حوصلے پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھے۔ اب انہیں سردی کی سختی کی ذرا فکر نہ تھی۔ اور خندق کی بھی کوئی پروا نہ تھی۔ کیونکہ اب قریظہ ان کے ساتھ تھے اور اب دل کے ارمان نکالنا آسان تھا۔ پیدل فوج تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر طرف سے اسلامی فوج کو گھیرے ہوئی تھی۔ کہ وہ کہیں آ جا نہ سکیں۔ اور بے بس ہو کر رہ جائیں۔ مگر سوار فوج ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ اور مسلمانوں پر بے دردی سے تیر برسا رہی تھی۔

مسلمان سخت پریشان تھے۔ کیونکہ وہ بالکل گھر کر رہ گئے تھے خوف اور بے چینی الگ تھی

کیونکہ دن رات یہودیوں کا خطرہ تھا اور یہ خطرہ خندق کے خطرہ سے بڑھ کر تھا۔ عورتیں اور بچے شہر کے ایک قلعہ میں تھے۔ لہٰذا بنو قریظہ سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ رات میں ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے کچھ آدمیوں کو مقرر فرمایا، کہ رات بھر مدینہ میں گھوم پھر کر پہرہ دیں۔

یہودیوں نے غداری کی، تو مسلمانوں کی خبریں جاننے کی بھی انہیں فکر ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ کمزور جگہیں معلوم ہو جائیں، تا کہ حملہ میں آسانی ہو۔ اور ناکامی بھی نہ ہو۔ چنانچہ یہودیوں کی ایک ٹولی اسی غرض سے نکلی۔ مگر مسلمانوں کو پتہ چلا تو انہوں نے پیچھا کیا اور وہ بھاگ نکلے۔

عورتیں اور بچے جس قلعہ میں تھے، وہ قلعہ بنی قریظہ کے قریب ہی تھا۔ بنی قریظہ نے سوچا:

"مسلمان تو فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے موقع اچھا ہے، قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔"

چنانچہ ایک یہودی قلعہ تک آ گیا۔ اور چاروں طرف چکر لگانے لگا قلعہ میں حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ یہ آپ کی پھوپھی تھیں۔ یکا یک ان کی نظر اس یہودی پر پڑ گئی۔ عورتوں کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ مقرر تھے۔ وہی حضرت حسانؓ جو بہت اچھے شاعر تھے۔ اور پیارے نبیؐ کی طرف سے دشمنوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ یہودی کو دیکھ کر حضرت صفیہؓ گھبرائیں اور حسان سے بولیں:

"دیکھیے، یہ یہودی یہاں گھوم رہا ہے۔ جلدی سے اتر کر اسے قتل کر دیجئے۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔ مسلمان تو لڑائی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بچ کر چلا گیا تو مصیبت آ جائے گی۔"

مگر حضرت حسانؓ ذرا ہمت کے کچے تھے۔ بولے:

"عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ تجھے معاف کرے! تجھے معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں۔"

اور کوئی شکل تھی نہیں۔ مجبوراً حضرت صفیہؓ نے خود خیمہ کا ایک بانس اکھاڑا اور چپکے چپکے نیچے اتریں۔ پھر جا کر یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔

پھر لوٹ کر وہ قلعہ آ گئیں۔ اور حضرت حسانؓ سے کہا:

"وہ مرد ہے۔ اس لیے میں نے اسے ہاتھ لگانا اچھا نہ سمجھا۔ آپ جایئے، اس کے ہتھیار اور کپڑے اتار لایئے۔"

حضرت حسانؓ نے کہا:

"عبدالمطلب کی بیٹی! جانے بھی دو۔ مجھے اس کی چیزوں کی کوئی ضرورت تو ہے نہیں۔"

حضرت صفیہؓ نے کہا:

''اچھا جانے دیجئے۔ اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیجئے تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔''

حضرت حسانؓ اس کے لیے بھی نہ تیار ہوئے۔ مجبوراً یہ کام بھی حضرت صفیہؓ ہی کو کرنا پڑا۔ اس طرح یہودی سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے۔ اور پھر انہیں حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے، حالات سخت ہوتے جا رہے تھے۔ ذرا تصور تو کرو۔ فاقے پر فاقے! پھر راتوں کو سونا حرام! اور پھر ہر آن جان کا اندیشہ! اسلامی فوج میں منافق بھی موجود تھے۔ بھلا ایسے میں وہ کہاں چھپ سکتے تھے۔ آ آ کر پیارے نبیؐ سے اجازت مانگنے لگے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں اور بال بچے خطرہ میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں شہر جانے دیجئے۔ خود تو وہ لوٹنا چاہتے ہی تھے۔ مسلمانوں کو بھی بہکاتے اور جان کا خوف دلاتے۔ پیارے نبیؐ سے انہیں بدگمان کرتے ہوئے کہتے:

''محمدؐ نے بھی خوب بہلایا۔ خوب سبز باغ دکھائے کہتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے۔ آج یہ حال ہے کہ 'ضرورت' کے لیے بھی جانا جان کا خطرہ ہے!''

بنی قریظہ کی غداری کو کئی دن گزر گئے۔ فوجیں بے تاب تھیں اور ان کے تیار ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھیں تاکہ وہ قلعہ میں سے حملہ کا راستہ دیں اور یہ دل کے ارمان پورے کریں۔ لیکن اس وقت تک وہ کیا کرتیں، کہ خندق کو پار کرنا تو ان کے بس سے باہر تھا۔ مجبوراً باہر سے ہی وہ تیر پتھر برساتی رہیں۔

خندق کی چوڑائی ایک جگہ سے کچھ کم تھی۔ پہرہ بھی کمزور تھا۔ دشمنوں نے موقع کو غنیمت جانا اور اسی طرف سے حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ وہ پوری تیاری سے آگے بڑھے! اور گھوڑے کود کر اس پار پہنچے۔ غرور سے پیچتے تنے ہوئے تھے۔ ان میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور ضرار بھی تھے اور عرب کا سب سے مشہور بہادر عمرو بن عبدود بھی تھا۔ جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا۔ یہی پہلے آگے بڑھا۔ اور پکار کر کہا:

''مقابلہ میں کون آتا ہے؟''

حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا:

''میں''

لیکن پیارے نبیؐ نے روکا۔ آپؐ کے روکنے پر حضرت علیؓ بیٹھ تو گئے۔ مگر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہوئی۔ عمرو نے دوبارہ پکارا۔

حضرت علیؓ پھر بولے:

"میں!"۔

تیسری بار بھی یہی ہوا۔ اس وقت پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"یہ عمرو ہے۔ کچھ خبر بھی ہے؟"

حضرت علیؓ نے عرض کیا:

"ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔"

چنانچہ آپؐ نے اجازت دے دی۔ اور خود ہی مبارک ہاتھوں سے تلوار عنایت کی اور سر پر عمامہ باندھا۔ اور اب حضرت علیؓ عمرو کے مقابلے میں تھے۔ عمرو ہنسا اور بولا:

"کیوں بھتیجے! میرا تو دل چاہتا نہیں کہ تمہیں ماروں!"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"لیکن میرا تو دل چاہتا ہے۔"

اب کیا تھا۔ عمرو نے غصہ سے بے تاب ہو کر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ حضرت علیؓ نے اسے ڈھال پر روک لیا۔ اور پھر خود بڑھ کر وار کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ عمرو اب خاک و خون میں تھرا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اسی وقت اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ کچھ دیر عمرو کے ساتھیوں نے بھی مقابلہ کیا۔ لیکن پھر سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس حملہ میں دشمنوں کو ناکامی تو ہوئی۔ لیکن خندق کو پار کر لینا ان کے لیے کم خوشی کی چیز نہ تھی۔ چنانچہ اب جتھوں کے حوصلے بڑھے اور دوسرے بہادروں نے بھی جان پر کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ اور خندق کے اس پار جا کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنا چاہا۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ اور تاریکی پھیل چکی تھی۔ اسی وقت دشمنوں کا ایک دستہ خندق کی طرف بڑھا۔ آگے آگے بڑا بہادر نوفل تھا۔ خندق پہ پہنچ کر نوفل نے گھوڑا کدوایا کہ اس پار ہو جائے مگر گھوڑا خندق میں گرا۔ اور نوفل کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ یہ عبرت ناک انجام سامنے تھا۔ لہٰذا اب ساتھیوں کو کہاں ہمت ہو سکتی تھی۔ الٹے پاؤں واپس ہو گئے۔

ابوسفیان کو اطلاع ہوئی تو اس نے مسلمانوں کے پاس کہلا بھیجا کہ نوفل کی نعش واپس کر دی

جائے۔ بدلہ میں خون بہا (سوا اونٹ) لے لو گا۔ پیارے نبیؐ نے جواب دیا:

''اٹھا لے جاؤ اسے۔ ہمیں کسی کا خون بہا نہیں چاہیے اس کی لاش بھی پلید ہے۔ اس کا خون بہا بھی پلید ہے۔''

چنانچہ مشرکوں نے اپنی لاش اٹھائی اور واپس چلے گئے۔ لیکن اب بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے۔ اور دن رات خندق پار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کے لیے باقاعدہ ٹولیاں بنائیں جو خندق پر برابر منڈلاتی رہتیں اور جہاں ایک ٹولی واپس جاتی، دوسری ٹولی آ پہنچتی۔

کئی راتیں مسلمانوں پر ایسی گزریں کہ خدا کی پناہ! گھروں میں عورتیں بے کل تھیں۔ بچے بے چینی میں تڑپ رہے تھے۔ اف! ذرا سوچو تو سہی ان جاں نثاروں پر کیا بیتی ہوگی، جو بالکل خطرات کے نرغے میں تھے۔ لگاتار تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، اور موت انہیں دبوچ لینے کے لیے بیتاب کھڑی تھی!

وقت بڑا ہی نازک تھا۔ عرب کی ساری طاقتیں ایک ہو گئی تھیں۔ اور حق کو مٹا دینے کے لیے اپنا سارا زور صرف کر رہی تھیں۔ ایسے میں آپؐ کا بھروسہ صرف خدا پر تھا۔ آپؐ بالکل یکسو ہو کر خدا سے گڑگڑاتے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مدد کے لیے دعائیں کرتے۔ صبر و ہمت کی بھیک مانگتے اور اسلام کو غالب کرنے کی درخواست کرتے۔

سروں پر موت منڈلا رہی تھی۔ دشمن تاک میں تھے کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوں، اور بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ ایسے برے وقت میں پیارے نبیؐ بھی لڑائی میں بہادرانہ حصہ لے رہے تھے۔ آپؐ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں۔ جو دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرتیں۔ ایک حصہ خود آپؐ کی نگرانی میں تھا۔ آپ دشمن کو تیروں سے روک رہے تھے، اور ذرا بھی ہمت کر دم نہ لیتے تھے اور اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی اور وہاں سے ہٹنا پڑتا، تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو کھڑا کر دیتے۔ پھر جوں ہی ضرورت پوری ہو جاتی، فوراً آ کر دوبارہ اپنی جگہ سنبھال لیتے۔ اس طرح ایک طرف تو آپؐ ساتھیوں کی ڈھارس بندھا رہے تھے اور دوسری طرف بلند ترین انسانیت کا نمونہ بھی پیش فرما رہے تھے۔

لڑائی کا آخری دن بڑا ہی سخت گزرا۔ تمام دن زوروں کا مقابلہ رہا۔ دشمن کے ماہر تیرانداز خندق کو گھیرے ہوئے تھے اور بے تکان تیر پتھر برسا رہے تھے۔ مسلمان تھک کر چور چور تھے۔

بھوک پیاس سے بھی بدحال تھے۔ لیکن اپنی جگہوں پر پہاڑ کی طرح اٹل تھے۔ اور ذرا بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ البتہ انصار کا سب سے بڑا باز ونوٹ گیا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ جو اوس کے سردار تھے، بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ ایک دشمن نے موقع پا کر ان کے ہاتھ پر تیر مارا۔ تیر کچھ اس طرح لگا کہ ہاتھ کی ایک رگ کٹ گئی۔ اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی، اور خدا سے التجا کی۔ اللہ! اللہ! وہ التجا بھی کتنی پیاری تھی:

''اے اللہ! اگر قریش سے ابھی جنگ ہونی باقی ہے، تو مجھ کو زندہ رکھ۔ جس قوم نے تیرے رسولؐ کو جھٹلایا ہے اور ان کو گھر سے بے گھر کیا ہے۔ اس قوم سے زیادہ کسی سے لڑنے کی مجھے تمنا نہیں لیکن اگر اوس سے اب جنگ نہ ہونی ہو، تو مجھ کو اسی (زخم) میں شہادت دے، اور جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ سے ٹھنڈی ہو لیں، مجھ کو موت نہ دے۔''

خدا کی رحمتیں ہوں سعدؓ پر......! اور برا ہو بنی قریظہ کے یہودیوں کا جنہوں نے غداری کی اور پیارے نبیؐ کے ساتھ بے وفائی کی ... ! اگر وہ بے وفائی نہ کرتے اور وقت پر دھوکہ نہ دیتے تو اتنی خطرناک صورت کبھی نہ ہوتی۔

مسلمان سخت بے چین تھے۔ اور خوف سے بالکل بدحال تھے آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے۔ ادھر منافق غصے سے تلملا رہے تھے۔ اور ہونٹ چبا چبا کر کہہ رہے تھے:

''اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو ہم کو دھوکہ دیا ہے!''

ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی، اور پوری فضا اداس اداس تھی کہ ایسے میں دیکھا گیا، پیارے نبیؐ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہے۔ اور آنکھوں میں عجیب وغریب چمک ہے۔ جو بے انتہا اطمینان کا پتہ دے رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے فتح کا فرشتہ آپؐ کے سامنے کھڑا ہو۔

مسلمانوں نے یہ دیکھا، تو ان کے سارے غم دھل گئے اور خوشی سے وہ کھل اٹھے۔ چنانچہ اب وہ فکرمند اور اداس نہ تھے، بلکہ مطمئن اور بے غم تھے۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے اور ہونٹ مسکرا رہے تھے کہ اب خدا کی رحمت کو جوش آ گیا۔ اور اس کی مدد کا وقت آن پہنچا۔

☆☆☆

۞

نعیمؓ بن مسعودؓ پیارے نبیؐ کے پاس سے لوٹے تو برابر سوچتے رہے کہ کیا کریں؟ کس طرح دشمن کی طاقت کو کم کریں؟ اور کس طرح ان کی ناپاک تمناؤں کا خون کریں؟ وہ سوچتے رہے، سوچتے رہے۔ یہاں تک کہ عقل نے فیصلہ دیا:

"دشمن کو ناکام کرنا چاہتے ہو، تو ان میں پھوٹ ڈال دو کہ اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں۔"

چنانچہ نعیمؓ فوراً اٹھے اور بنی قریظہ کی طرف تیزی سے چل دیے۔ بنو قریظہ میں چونکہ ان کی پہلے سے مان دان تھی، اور وہاں کے یہودی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کی باتیں بڑے شوق سے سنتے اور ان کی صحبت کو اپنے لیے نعمت سمجھتے تھے، اس لیے نعیمؓ وہاں پہنچے تو لوگ بہت تپاک سے ملے اور ان کو بڑی عزت سے بٹھایا۔ پھر سارے یہودی سردار نعیمؓ کے پاس اکٹھا ہوئے اور ان کی باتوں کا لطف لینے لگے۔ نعیمؓ کچھ دیر تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنی بات پر آئے اور بولے:

"میرے دوستو! تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اس قبیلہ سے کتنا لگاؤ ہے اور خاص کر تم لوگوں سے کتنی محبت ہے"۔

"ہاں، ہاں، تم سے تو ہم خوب واقف ہیں۔"

نعیمؓ نے کہا:

"تم لوگوں نے محمدؐ سے معاہدہ توڑ دیا اور قریش و غطفان کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن کچھ انجام بھی سوچا! اگر جیت ہوگئی تو اس سے اچھی بات کیا ہے، لیکن اگر ہار گئے تو؟ اس وقت کیا بنے گا؟ وہ لوگ تو اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اور تم یہاں بالکل تنہا رہ جاؤ گے۔ پھر تو محمدؐ کو اکیلے تم ہی سے نمٹنا رہے گا، اب خود سوچ لو کہ اس وقت تم کتنے بُرے پھنسو گے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر سے بھی زیادہ بُری گت بنے گی تمہاری۔"

لوگوں نے بڑی تابی سے پوچھا:

"تو پھر کیا کیا جائے بھائی نعیمؓ؟"

نعیمؓ نے کہا:

"بھائیو! میرا تو خیال ہے کہ پہلے تم ان کے کچھ آدمی رہن لو۔ اس کے بعد ان کا ساتھ دو۔ پھر آدمی بھی اونچے گھرانے کے ہوں۔ اس طرح تمہیں بھی اطمینان رہے گا، اور وہ لوگ بھی جب تک محمدؐ کو مار نہ لیں گے، واپس ہونے کا نام نہ لیں گے۔"

یہ سنتے ہی لوگ خوشی سے اچھل پڑے کہ واہ بھائی نعیمؓ! تمہاری رائے تو بہت عمدہ ہے۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیمؓ نے کہا:

"اچھا، اب میں چل رہا ہوں۔ لیکن دیکھو، یہ باتیں کسی اور سے کہنے کی نہیں۔"

لوگوں نے کہا:

"نہیں نہیں بھائی نعیمؓ! تم اطمینان رکھو، ہم کسی اور سے کیوں کہنے لگے۔"

اس کے بعد نعیمؓ تو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ لیکن وہ لوگ دیر تک نعیمؓ کی تعریف کرتے رہے کہ نعیمؓ نے کتنے پتہ کی بات بتائی ہے اور پھر وہ بے چارے ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں!

اس کے بعد نعیمؓ ابوسفیان کے پاس پہنچے۔ وہاں قریش کے دوسرے سردار بھی موجود تھے۔ نعیمؓ نے کہا:

"بھائیو! تمہیں معلوم ہی ہے کہ مجھ کو تم سے کتنی محبت ہے۔ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے۔ جس سے تم کو بھی آگاہ کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تم لوگ چوکنے ہو جاؤ۔"

یہ سنتے ہی سب لوگ بے تاب ہو گئے کہ بھائی نعیمؓ! وہ کیا بات ہے؟

نعیمؓ نے کہا:

"مجھ کو پتہ چلا ہے کہ بنو قریظہ محمدؐ سے معاہدہ توڑ کر پچھتا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے محمدؐ سے درخواست کی ہے کہ ہم سے راضی ہو جایئے۔ ہم آپؐ کو قریش و غطفان کے کچھ آدمی دیں گے۔ وہ آدمی بھی ایسے ویسے نہ ہوں گے اونچے گھرانوں کے ہوں گے۔ آپؐ ان کو قتل کر دیجئے گا۔ تو دیکھو بھائیو! ہوشیار رہنا۔ اگر وہ کسی حیلہ سے آدمی مانگیں تو بھول کر مت دینا۔"

یہ کہہ کر نعیمؓ چل دیے۔ چلتے وقت قریشی سرداروں نے بھی ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر وہاں سے نعیمؓ غطفان کے پاس پہنچے اور یہاں بھی وہی باتیں کہیں جو قریش سے کر آئے تھے۔

نعیمؓ کی باتوں سے قریش و غطفان کے لوگ بہت پریشان ہوئے چنانچہ سارے سردار اکٹھا ہوئے اور سوچنے لگے کہ:

"بنو قریظہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟"

اس موقع پر لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ مگر آخر میں طے ہوا کہ دونوں قبیلوں کے کچھ سردار جائیں اور ان سے کہیں:

"بھائیو! ہمیں بہت دن ہو گئے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنا ہمارے بس میں نہیں۔ لہٰذا اب فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ جتنی جلد ہو سکے تم لوگ بھی آ کر مل جاؤ اور سب مل کر ایک ساتھ زبردست حملہ کر دیں۔"

اس طرح قریش و غطفان کا وفد قریظہ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ باتیں کہیں۔ قریظہ نے کہا:

"کل تو سنیچر ہے اور سنیچر کے دن ہم لڑائی جھگڑا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا کوئی دوسرا دن رکھ لو۔ ہاں ایک بات اور ہے۔ ہم تمہارا اسی وقت ساتھ دیں گے، جبکہ تم ہمارے پاس کچھ آدمی رہن رکھو۔ تاکہ ہمیں اطمینان تو رہے، کہ اگر محمدؐ کا پلہ بھاری ہو تو ہم کو چھوڑ کر بھاگو گے نہیں۔"

قریش و غطفان کو اب نعیمؓ کی بات میں ذرا بھی شبہ نہ رہا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ قریظہ کی نیت سچ مچ خراب ہے۔ ادھر ان لوگوں نے آدمی رہن رکھنے سے انکار کیا۔ تو قریظہ کو بھی نعیمؓ کی بات میں شک نہ رہا۔ اس طرح دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اتنی بڑی طاقت سے دشمن محروم ہو گئے۔

☆☆☆

جوں جوں دن گزر رہے تھے، دشمن ہمت ہارتے جا رہے تھے دس ہزار فوجیوں کو کھانا پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر ان میں پھوٹ بھی پڑتی جا رہی تھی۔ اور تیزی سے ان کا میل ملاپ ختم ہو رہا تھا۔ سردی کا موسم بھی تھا۔ کھلے میدان میں ان کے جسم کٹے جا رہے تھے۔ خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رات تیز آندھی اٹھی اور زوروں کی بارش شروع ہوئی۔ اس طرح کچھ ہی دیر میں موسم بالکل بدل گیا۔ بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، اور زن، زن ہواؤں کے تیز جھونکے۔ دشمنوں کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔ چنانچہ وہ بے تحاشا اپنے خیموں کی طرف بھاگے لیکن ہواؤں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ وہ تیز ہوتی گئیں۔ اور ان کی خوفناکی بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں۔ سارے سامان بکھر گئے اور کھانے کی دیگیں چولہوں پر الٹ الٹ گئیں۔ پھر ہوائیں بھی تنہا نہ تھیں۔ ساتھ ریت اور کنکریوں کا عذاب بھی تھا۔ اس طرح دشمنوں کی آنکھیں بیٹھ گئیں۔ اور ان کے دل کپکپا اٹھے۔ بالآخر وہ بدحواس ہو کر چیخنے لگے:

''ہائے تباہی.... ہائے بربادی!!!''

ایسے میں ابوسفیان کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

''قریشی بھائیو! بخدا اب یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ دیکھو سارے اونٹ گھوڑے تباہ ہو گئے۔ قریظہ نے بھی دھوکہ دیا۔ موسم کا یہ حال ہے۔ چلو اب یہاں سے بھاگ چلو، اچھا میں تو چلا۔''

ابوسفیان جلدی سے اپنی اونٹنی پر بیٹھا اور چل دیا۔ سردار کے بعد اب کون ٹک سکتا تھا۔ قریش کے سارے لوگ روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر غطفان بھی مجبوراً واپس ہو گئے۔ اس طرح مدینہ کا افق چند ہی دن میں غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

صبح کا دن آ گیا۔ ہو سکتا تھا کہ یہی دشمنوں کے زبردست حملہ کا دن ہوتا۔ مگر دیکھا گیا تو وہ جگہ بالکل ویران و سنسان تھی۔ اور ہواؤں نے ان کا ذرا بھی نشان نہ چھوڑا تھا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ.

(الاحزاب ۲۵)

"اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا، اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔"

رسول خدا اب مدینہ واپس ہوئے۔ اسی موقع پر آپ نے ساتھیوں سے بھی فرمایا:

"اب قریش تم سے لڑنے نہ آئیں گے۔ اب تم ان سے لڑنے جاؤ گے!"

پھر دوسرے ہی دن آپ کی طرف سے اعلان ہوا:

"سب لوگ عصر کی نماز بنی قریظہ میں چل کر پڑھیں۔"

مسلمان تھکن سے چور تھے۔ لیکن تکان کی انہوں نے کوئی پروا نہ کی اور حکم پاتے ہی وہ بنی قریظہ کی طرف چل پڑے۔ وہ خوشی سے بے تاب تھے۔ ان کے دل بلیوں اچھل رہے تھے کیونکہ وہ بنو قریظہ سے بدلہ لینے جا رہے تھے۔ وہی بنو قریظہ جنہوں نے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا، اور اس طرح انہیں مٹا دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مسلمان وہاں پہنچے، تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان بھی ایک ماہ تک ان کا گھیرا ڈالے پڑے رہے۔ بالآخر وہ تنگ آ گئے اور ان کی جان پر بن آئی۔ بے بس ہو کر انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ کعب جو ان کا سردار تھا۔ بولا:

"اب نجات کی صورت بس یہی ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور محمدؐ کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس طرح جان و مال کا کوئی خطرہ نہ رہے گا، اور ہم امن سے رہیں گے۔"

لوگوں نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ بولے:

"توریت ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر چیز ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں۔"

کعب نے کہا:

"تو ہم بیوی بچوں کو مار ڈالیں اور پھر تلوار لے کر باہر نکلیں اور مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اگر ہم سب مارے گئے، تو کوئی غم نہیں، اور اگر جیت گئے، تو دوسری بیویاں کر لیں گے۔ کچھ ہی دنوں میں پھر لڑکے بچے ہو جائیں گے۔"

یہودی اس پر بھی تیار نہ ہوئے۔ سب نے کہا:

"ان بے چاروں کو قتل کر دیں! پھر جینے کا مزہ ہی کیا رہ جائے گا۔"

اسی طرح مختلف رائیں سامنے آئیں۔ پھر آخر میں طے ہوا:

"محمدؐ سے کہا جائے کہ وہ ہم کو شام کی طرف چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ تو یہی ہوا تھا۔"

رسولِ خداؐ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

"قبیلہ اوس تمہارا حلیف ہے۔ اس میں کی ایک کو پسند کر لو، بس وہی تمہارا فیصلہ کرے گا اور جو وہ کہہ دے گا۔ اس کو ہم بھی مانیں گے اور تم کو بھی ماننا ہوگا۔"

چنانچہ وہ اس پر تیار ہو گئے اور بدقسمتی سے ان کی نظر سعد بن معاذؓ پر پڑی۔

اس طرح سعدؓ نے ان کا فیصلہ کیا۔۔۔ اور یہ تھا:

"جو لڑنے کے قابل ہیں۔ وہ قتل کر دیے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔"

آپؐ نے یہ فیصلہ سنا تو فرمایا:

"سعدؓ! یہی فیصلہ خدا کا بھی ہے۔"

چنانچہ مدینہ میں گڑھے کھودے گئے۔ پھر تھوڑے تھوڑے یہودی وہاں لے جائے گئے اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ پھر انہی گڑھوں میں وہ ڈال دیے گئے۔ سب سے پہلے جس کی گردن ماری گئی۔۔۔ وہ حیی تھا۔

اس طرح حضرت سعدؓ بن معاذ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور بنو قریظہ کا بُرا انجام انہوں نے دیکھ لیا۔ پھر وہ زیادہ نہ ٹھہرے اور اسی زخم سے ان کو شہادت نصیب ہو گئی۔

☆☆☆

محمد عربی ﷺ

اور بت ٹوٹ گئے

حضور کا خواب۔

اسلامی قافلہ مکہ کی طرف۔

قریش میں جوش واشتعال۔

مسلمان حدیبیہ کے میدان میں۔

دربار رسالت میں قریش کا وفد۔

قبائلی سردار آبدیدہ ہو گیا۔

مسلمانوں پر شبخون مارنے کی سازش۔

قتل عثمان کی افواہ۔

بیعت رضوان۔

صلح حدیبیہ۔

قریش کا سپہ سالار (خالد بن ولید) اور عرب کا ''دماغ'' (عمرو بن العاص) اسلام کی آغوش میں۔

اسلام کی روز افزوں ترقی۔

قریش کی عہد شکنی۔

لشکر اسلام گہوارۂ اسلام میں:

مکہ جیسے نبیؐ کا وطن تھا۔ چونکہ آپؐ اسی میں پیدا ہوئے تھے اور اس کا ذرہ ذرہ آپؐ کو محبوب تھا۔ اس لیے وہاں سے جانا پڑا تو آپؐ کو بہت دکھ ہوا اور بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ لیکن جلد ہی وہاں پلٹ آئے اور دنیا نے دیکھا کہ آپؐ پھر اسی شہر میں داخل ہوئے۔ البتہ پہلے آپؐ مظلوم و بے بس تھے اور آج فتح کا جھنڈا ہاتھ میں تھا۔ خدا کو منظور ہوا کہ آپؐ پھر وطن اور وہاں سے دشمنوں کو نکال باہر کریں۔ نیز مرکز ایمان و پھر نور دین سے جگمگا دیں۔ پیارے وطن میں پہنچ کر آپؐ کو کتنی خوشی ہوئی؟! اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

ہجرت کو کئی برس گزر گئے۔ آپؐ مدینہ ہی میں رہتے رہے۔ مسلمانوں کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے۔ اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ اسی دوران قریش سے آپؐ کی جنگیں بھی ہوئیں۔

ایک رات آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بہت سے لوگ ساتھی بھی ہیں۔ چنانچہ آپؐ بہت خوش خوش اٹھے۔ فجر کا وقت قریب تھا۔ مسجد گئے اور ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ معمول تھا کہ فجر کے بعد آپؐ ذرا ساتھیوں میں بیٹھتے۔ وہاں سے کچھ دیر باتیں کرتے چنانچہ آج بھی آپؐ بیٹھے اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ پھر فرمایا:

"ان شاء اللہ خانہ کعبہ میں تم ضرور داخل ہو گے۔ اور اس وقت تمہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

مکہ مسلمانوں کا محبوب وطن تھا۔ مگر وہاں سے وہ زبردستی نکال دیے گئے تھے۔ اس کا ان کو بڑا رنج تھا۔ وہاں کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت کلیجے میں کھٹکتی رہتی۔ حضرت بلالؓ نے کس قدر صدمے سہے! لیکن جب ان کو مکہ یاد آتا تو رونے لگتے۔ اکثر مہاجرین جان بچا کر خود تو مکہ سے نکل آئے تھے لیکن خاندان اور بال بچے وہیں تھے۔

یہی وجہ ہے کہ زبان مبارک سے یہ خوشخبری سن کر انہیں بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ وہ مکہ جانے کے لیے اور عمرہ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ کعبہ سے انہیں بے انتہا محبت تھی۔ لہٰذا وہاں کے لیے انہوں نے قربانی کا بھی انتظام کیا۔

ہجرت کا چھٹا سال تھا اور ذیقعدہ کا مہینہ۔ مسلمان جھٹ پٹ تیار ہو کر مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ اور خانہ کعبہ کے لیے بیتابی سے بڑھنے لگے۔ البتہ جو منافق تھے، انہوں نے جانے سے ٹال مٹول کیا اور بہانہ کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں تو کاروبار نے پھنسا رکھا ہے۔ بھلا ہم کیسے جا سکتے ہیں؟"

رسول خدا نے بھی ان پر کوئی زور نہ ڈالا۔ لہٰذا اب انہیں مسلمانوں کو ورغلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ جو کمزور مسلمان تھے، ان کے پاس وہ پہنچے اور کہا:

"قریشی سرداروں کے زندہ رہتے ہوئے تم لوگ مکہ میں کیسے جاؤ گے؟"

مسلمانوں نے کہا:

"رسول خدا قریش سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔"

منافقوں نے کہا:

"تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ ذرا بچ کر لوٹ آنا۔ تب دیکھیں گے۔"

منافقوں کی یہ باتیں سارے مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو جوش سے بے قابو ہو گئے اور عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! ان بدبختوں کی گردن ماردی جائے۔"

مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے۔ اور ان کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ پھر آپؐ نے ساتھیوں کو کوچ کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ روانہ ہوتے وقت ان کی کل تعداد چودہ سو تھی۔

مسلمان چلتے چلتے عسفان پہنچے اور وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ پھر اپنے خیمے لگائے۔ [illegible] کو باندھا۔ اور آگ جلائی کہ کھانا پکائیں۔ اتنے میں انہیں دور سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ کوئی [illegible] تھا جو تیزی سے گھوڑا دوڑاتا چلا آ رہا تھا۔ ان سب کی نگاہیں اس پر جم گئیں، اس لیے کہ وہ مکہ سے آ رہا تھا۔ اور مکہ کی خبروں کا انہیں بے حد انتظار تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ وہ سوار اب مسلمانوں کے درمیان تھا۔ وہ بنی خزاعہ کا ایک آدمی تھا۔ جس کا نام بشر بن سفیان تھا۔ وہ پیارے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"قریش کو آپؐ کے سفر کی خبر ہو گئی ہے۔ وہ بہت ہی غصہ میں ہیں۔ اور جوش سے بے قابو

ہیں۔ چنانچہ خالد بن ولید سواروں کا ایک بہت بھاری دستہ لے کر مکہ کے قریب ہی آپ کی تاک میں ہے کہ آپ پہنچیں، اور سب اچانک ٹوٹ پڑیں۔"

پیارے نبی کو اس شخص کی باتوں پر پورا یقین ہو گیا۔ اور اس خبر کے صحیح ہونے میں آپ کو ذرا بھی شبہ نہ رہا۔ کیونکہ بشر خزاعہ کے سرداروں میں تھا۔ اور خزاعہ قریش کے دشمن تھے۔ پھر مسلمانوں سے ان کے اچھے تعلقات بھی تھے۔ غرض بشر کی باتیں سن کر آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور انتہائی درد کے ساتھ آپؐ نے فرمایا:

"افسوس ہے قریش پر! آئے دن کی جنگ انہیں کھا گئی! کیا نقصان تھا، اگر وہ مجھے عرب پر چھوڑ دیتے۔ اگر میرے اوپر ان کا بس چل جاتا تو ان کا مقصد حاصل تھا۔ اور اگر میں غالب رہتا تو یہ سب کے سب اسلام میں آ جاتے۔

بخدا میں جو چیز لے کر آیا ہوں، اس کے لیے لڑتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے۔

اے میری قوم! قریش تم سے لڑنے نکلے ہیں۔ اب اگر ہم اسی راستہ پر چلتے رہے۔ تو ان سے ضرور ٹکر ہو جائے گی۔ اور بڑا خون خرابہ ہو گا۔ جو ہم چاہتے نہیں۔ ہے کوئی جو کسی دوسرے راستے سے ہمیں لے چلے؟"

قبیلہ اسلم کا ایک شخص آگے بڑھا۔ جو صحرائی راستوں سے خوب واقف تھا۔ اس نے عرض کیا:

"میں، اے اللہ کے رسولؐ!"

"تب تم آگے بڑھو، ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔"

چنانچہ اس آدمی نے آپؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑی۔ اور قریش کے راستہ سے کترا کر چلا۔ چونکہ یہ راستہ پہاڑوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لیے بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ خیر، نہ جانے کن کن مصیبتوں سے آپؐ حدیبیہ[1] پہنچ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔

لوگوں نے بہت کوشش کی کہ وہ اٹھ جائے۔ اور پھر چلنے لگے لیکن اونٹنی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی ہو۔ یا کسی نے اسے باندھ دیا ہو۔

---

[1] مکہ سے قریب ہی تقریباً ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے۔ جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں بھی اسی کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا۔

خیر آپؐ چاہتے تو کسی دوسری اونٹنی پر بیٹھ سکتے تھے۔ مکہ اب بالکل نزدیک تھا۔ وہاں تک پیدل بھی جا سکتے تھے۔ لیکن آپؐ سمجھ گئے اونٹنی کے یہاں بیٹھ جانے میں کوئی بھید ضرور ہے، جس سے میں بے خبر ہوں۔ چنانچہ آپؐ خدا کی وحی کا انتظار کرنے لگے۔

اب آپؐ کو وحی کا انتظار تھا۔ اس لیے پیارے نبیؐ نے حدیبیہ کے میدان میں ہی خیمے گاڑ دینے کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیے۔ لیکن خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے اب بجھے بجھے سے تھے۔ سب حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ ہر ایک دوسرے سے پوچھتا:

''کیوں بھائی! یہاں کیوں رک گئے؟ اب تو مکہ کے دروازہ پر آ ہی گئے تھے۔ آپؐ نے تو مکہ میں داخل ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کعبہ کی زیارت کی خوشخبری سنائی تھی۔ پھر اب یہ کیا ہو گیا!''

غرض اس وقت مسلمانوں کی امیدوں کو بہت سخت دھچکا لگا لیکن اب بھی وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ تھے۔

☆☆☆

◇

ادھر مکہ میں کافر بد حواس تھے۔ ان کی بے چینی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اب انہیں جو کچھ امید تھی، خالد سے تھی۔ ان کا خیال تھا کہ خالد حملہ میں کامیاب ہو جائیں گے، تب ہی جان بچ سکتی ہے۔ آبرو بھی اسی وقت باقی رہ سکتی ہے۔ ورنہ پھر تباہی ہے۔ ہمیشہ کی بے عزتی اور رسوائی ہے۔

یہ لو، خالد تو لوٹ آئے۔ کہہ رہے ہیں کہ محمد حدیبیہ میں ٹھہر گئے۔ حملہ کا پورا خاکہ خاک میں مل گیا۔ ساری اسکیم فیل ہو گئی۔ اب وہ کیا کریں؟

محمد جن کو انہوں نے اپنے یہاں سے نکال دیا تھا، آج دوبارہ لوٹ آئے۔ اس وقت وہ تنہا اور بے سہارا بھی نہیں۔ جاں نثاروں کی ایک فوج ہے، جو ان پر نثار ہونے کے لیے بے قرار ہے۔ پھر انہوں نے احد میں مسلمانوں کو بظاہر کچھ نقصان تو کر دیا تھا۔ لیکن ان کی بہادری کا لوہا بھی مان لیا تھا۔ اور انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان جان تو دے سکتے ہیں مگر اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتے، کہ مذہب ان کو جان سے بھی پیارا ہے۔

چنانچہ قریشی سردار بھی دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ مگر ہر ایک اُداس اداس تھا۔ اور ہر ایک کے چہرے پر فکر و تشویش کا غبار تھا۔

مسلمان اگر مکہ میں گھس آئے تو قریش کی دھاک اکھڑ جائے گی۔ اور دوسروں کی نگاہ میں ان کا وزن گھٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر ان کی غیرت کو ابال آیا۔ اور انہوں نے قسم کھائی،

"جب تک جان میں جان ہے۔ محمد کا مکہ میں قدم رکھنا ناممکن ہے۔"

مگر پھر سب سر جوڑ کر بیٹھے۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا، کیا جائے؟ محمد مکہ کے باہر سے ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ قریش میں بھی اس کے بہت سے یار و مددگار ہیں۔ جو اس کو نبی سمجھتے ہیں۔ اور یہ تو ہمارے لیے آستین کے سانپ ہیں۔ اگر مسلمانوں سے جنگ چھڑ گئی تو دوست بن کر ڈسیں گے۔

ایک بولا:

"محمد کہتے ہیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ان سے نرمی سے

پہنچیں تاکہ انہیں اور کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیں۔ اب اگر ان کی نیت خراب ہوئی اور انہوں نے لڑائی کی آگ بھڑکانی ہی چاہی، تو ہم بھاگنے والے کب ہیں۔ جنگ ہی تو ہمارا اصل میدان ہے اور لڑنا بھڑنا ہی تو ہمارا کام ہے۔ احد میں ہم نے جو مزہ چکھایا ہے، وہ ابھی انہیں یاد ہوگا۔

ایک قریشی سردار بولا:

"ہمارے بھائی! اب کیا کیا جائے؟"

اس آدمی نے کہا:

"میری رائے ہے کہ بنی خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیے جائیں وہ جا کر پتہ لگائیں کہ محمدؐ چاہتے کیا ہیں؟ اور جس طرح ہو سکے وہ انہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کریں۔"

قریشی سردار نے کہا:

"بنی خزاعہ کو بھیجنے میں کیا مصلحت ہے؟ ہمیں تو ان سے غداری کا خطرہ ہے۔ وہ تو محمدؐ کے ہی دوست اور طرفدار ہیں۔"

آدمی بولا:

"اس طرف سے بالکل بے غم رہو۔ مکہ ہی میں ان کی زمینیں اور جائیدادیں ہیں۔ بیوی بچے بھی یہیں ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ غداری کیسے کر سکتے ہیں؟"

معاملہ کا یہ پہلو سامنے آیا تو سب کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ اور وفد کے لیے بنی خزاعہ کے کچھ آدمی چن لیے گئے۔ پھر بدیل خزاعی ان کا سردار بنا۔ اور یہ لوگ پیارے نبیؐ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

وفد پہنچا تو آپؐ بہت تپاک سے ملے۔ پھر بدیل نے آنے کی غرض بتائی۔

تو پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"مسلمان کعبہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ ان کے دل میں اس کی عزت اور احترام ہے۔ اگر قریش ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، تو ہم لوگ خاموشی سے طواف و زیارت کر کے لوٹ جائیں گے۔"

چنانچہ وفد لوٹ کر مکہ گیا۔ اور قریش کو پیارے نبیؐ کا پیغام سنایا پھر انہیں آپؐ کی بات مان لینے کا بھی مشورہ دیا گیا۔ مگر اب خود قریش میں اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ لوگوں نے تو کہا کہ:

"محمد سے صلح کر لی جائے اور طواف وزیارت کے لیے راستہ کھول دیا جائے۔"

مگر کچھ لوگوں نے پر زور مخالفت کی۔

قریشی سردار نے کہا:

"کیا تمہیں گوارا ہے کہ دشمن تمہاری سرزمین روندکر چلے جائیں۔ پھر ہمیشہ کے لیے ماتھے پر بدنامی کا ٹیکا لگ جائے گا؟"

"پھر کیا کیا جائے؟" سب ایک ساتھ بول اٹھے۔

قریشی سردار نے کہا:

"میری رائے ہے کہ حلیس بن علقمہ کو بھیج دیا جائے۔ وہ قبائلیوں کا سردار ہے اور قبائلیوں کے رعب وادب کا حال بھی کو معلوم ہے۔ ہر ایک ان سے دبتا اور ان کے غصے سے لرزتا اور کانپتا ہے۔ اگر اس سے بات بن گئی۔ اور محمدؐ واپس چلے گئے تو ہم کو سکون مل جائے گا۔ اور اتنی بڑی مصیبت سے جان چھوٹ جائے گی۔ اور اگر محمدؐ نے اس کی بات ٹھکرا دی تو اسے جوش آ جائے گا۔ اور پھر وہ ہمارے ساتھ ہو جائے گا۔ اور ہماری صفوں میں ہو کر لڑے گا۔"

چنانچہ حلیس اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کی طرف چلا۔ پیارے نبیؐ نے دیکھا تو فرمایا:

"دیکھو، وہ حلیس آ رہا ہے۔ اس کی قوم قربانی کی بڑی شوقین ہے۔ جانوروں کو اس کی طرف ہنکا دو کہ یہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اور اسے یقین ہو جائے کہ ہم طواف وزیارت کے لیے آئے ہیں۔ غارت گری کے لیے نہیں آئے ہیں۔"

چنانچہ مسلمان لبیک کہتے ہوئے اس کے استقبال کو بڑھے اور قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے ہنکا دیا۔ اس نے دیکھا کہ اونٹوں کا ایک سیلاب آ رہا ہے۔ گردنوں میں لوہے کے نعل بھی لگے ہیں اور نعل کو زیادہ دن گزر جانے سے گردن کے اون بھی جھڑ گئے ہیں۔ ظلم وناانصافی کا یہ دردناک منظر اس سے نہ دیکھا گیا۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ غم وغصہ کا یہ عالم تھا کہ وہ پیارے نبیؐ سے ملا بھی نہیں، بلکہ سیدھے لوٹ کر وہ مکہ گیا۔ اور قریش سے کہا:

"خدا کی قسم! ہم نے تم سے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا ہے۔ اللہ کے گھر سے اس کو روک رہے ہو، جو اس کی تعظیم کے لیے آیا ہے۔"

عرب کے سارے قبیلے تو کعبہ کا حج کریں۔ اور عبد المطلب کا بیٹا اس سے محروم رہے۔ خاندانی بڑائی میں بھی تو وہ کسی سے کم نہیں!

اگر تم نے محمدؐ کو کعبہ سے روکا تو جان لو، سارے قبیلوں کو لے کر میں الگ ہو جاؤں گا۔ اور پھر محمدؐ کی طرف سے تم سے جنگ کروں گا۔"

قریشی سردار کی تدبیر ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کچھ اور ہو گیا کچھ۔ لیکن وہ پھر ایک چال چلا۔ وہ حلیس کو مناتے ہوئے بولا:

"بھائی! یہ ہم لوگوں کا معاملہ ہے۔ اسے ہم پر ہی چھوڑ دو۔ ہم لوگ کوئی ایسی بات طے کر لیں گے، جس میں سب کا بھلا ہو گا۔"

اس پر حلیس تیار ہو گیا۔ اور اس نے وعدہ کر لیا کہ ان کے اس معاملہ میں کوئی دخل نہ دے گا۔

اس طرح قریش کو قبیلوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اور اب انہوں نے پچاس بہادروں کو بھیجا کہ رات میں مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

چنانچہ وہ لوگ رات کے اندھیرے میں دبے پاؤں چلے۔ مگر مسلمانوں کے خیمے تک پہنچے بھی نہ تھے کہ ہر طرف سے گھر گئے۔ اور اب وہ گرفتار ہو کر پیارے نبیؐ کے پاس جا رہے تھے۔

پیارے نبیؐ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ دیکھا تو وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ فرمایا:

"اب تمہارے من کی چیز کیا ہو سکتی ہے، جبکہ تم نے ہی شرارت میں پہل بھی کی ہے؟"

دشمنوں نے کہا

"آپ کی بردباری، آپ کی رحم دلی اور مہربانی۔"

آپؐ نے فرمایا:

"میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اب لوٹ کر اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم خون خرابے کے لیے نہیں آئے۔ شاید ان کو ہوش آ جائے۔"

چنانچہ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئے۔ لیکن پیارے نبیؐ نے انہیں جو اطمینان دلایا تھا، اس پر انہیں ذرا بھی اطمینان نہ تھا۔ اس کے برعکس انہیں یقین تھا کہ اب پوری قوم کی شامت آ جائے گی۔ کیونکہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنا بڑا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا کہ قریشی سرداروں سے ملیں اور ان سے کوئی بات طے کریں۔

مکہ میں حضرت عثمانؓ کے چچیرے بھائی بھی تھے، جن کا نام تھا ابان بن سعید۔ حضرت عثمانؓ انہی کی حمایت میں مکہ گئے۔ وہاں قریش کو پیارے نبی کا پیغام سنایا اور کہا:

"اب دو ہی شکلیں ہیں۔ یا تو طواف کا موقع دو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

قریش نے کہا:

"تم طواف کرلو۔ صرف تمہارے ساتھ ہم یہ رعایت کر سکتے ہیں۔ ورنہ اور مسلمانوں کو تو ویسے ہی واپس جانا ہوگا۔"

حضرت عثمان اس پر کیسے تیار ہو سکتے تھے۔ انہوں نے کہا:

"یہ قیامت تک نہ ہوگا۔ تمہیں سارے مسلمانوں کو طواف کا موقع دینا ہوگا۔"

وہ بولے:

"خیر تمہاری خوشی۔ ہاں، یہ بھی جان لو، کہ اب تم ہمارے قیدی ہو۔ اور اب یہاں سے تم واپس نہیں جا سکتے۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نظر بند ہو گئے۔

نظر بند ہونا تھا کہ سارے مکہ میں چرچا ہو گیا "عثمانؓ قتل ہو گئے۔" یہ افواہ مسلمانوں کے بھی کانوں میں پہنچی۔ چنانچہ وہ جوش سے بیتاب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا:

"عثمانؓ کا بدلہ لینا فرض ہے۔"

یہ کہہ کر آپ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ پھر سارے مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ سب سے پہلے ابو سنان اسدیؓ آگے بڑھے۔ اور دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر ان کے بعد سارے مسلمانوں نے بھی بیعت کی۔ اور اب تلواریں بے نیام ہو گئیں اور اعلان ہو گیا کہ سب لوگ جنگ کی تیاری کریں۔

جاں نثاری کی یہ بیعت خدا کو اتنی پسند آئی۔ کہ اس نے قرآن میں بھی اس کی تعریف کی اور اسی لیے یہ بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔

☆☆☆

مکہ میں کافروں کو بیعت کا حال معلوم ہوا، تو وہ بہت ڈرے سب نے کہا، اب صلح کر لی جائے۔ خیر اسی میں ہے۔ ورنہ بڑی تباہی ہوگی۔ چنانچہ کافروں میں ایک شخص تھا سہیل بن عمرو۔ یہ سوجھ بوجھ اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ بہت ہی شاندار مقرر بھی تھا۔ لوگوں نے اسے "خطیب قریش" کا خطاب دے دیا تھا۔ فوراً انہوں نے صلح کی بات چیت کے لیے اسی کو دوڑایا۔

سہیل آیا تو اس نے دیکھا مسلمانوں میں دھوم دھام سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ بہت گھبرایا۔ چنانچہ لپک کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"عثمانؓ زندہ ہیں، قتل نہیں ہوئے ہیں۔ میں آپؐ کے پاس صلح کی غرض سے آیا ہوں۔ یہاں آپؐ کے ساتھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اور ادھر قریش نے بھی قسم کھائی ہے کہ اس سال آپؐ کو مکہ نہیں آنے دیں گے۔ میں کچھ شرطیں لے کر آیا ہوں۔ ان میں ہمارے لیے بھی سلامتی ہے اور آپؐ کے لیے بھی بہتری ہے۔ اگر آپؐ نہیں مان لیں تو ایک خوفناک جنگ ٹل جائے گی۔ اور اس طرح نہ جانے کتنی جانیں بچ جائیں گی۔ پھر اتنی بڑی نیکی کا سہرا بھی آپؐ کے سر بندھ جائے گا۔"

رسول خداؐ بولے۔

"کیا کیا شرطیں ہیں؟"

سہیل نے کہا۔

"اس سال آپؐ طواف کیے بغیر لوٹ جائیں۔ پھر اگلے سال آئیں۔ اور صرف تین دن رہ کر چلے جائیں۔ اس کے علاوہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو۔ اور تلواریں بھی نیام میں ہوں۔"

رسول خداؐ بولے: "اور؟"

سہیل نے کہا۔

"قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے، تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی

مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آ جائے گا تو ہم وہ سے واپس نہیں کریں گے۔"

یہ سن کر آپؐ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور کچھ دیر بالکل خاموش رہے، کہ وحی کے وقت آپؐ کی یہی حالت ہوتی تھی۔ ادھر مسلمان اس ظالمانہ شرط پر غصہ سے کھول رہے تھے لیکن وہ ضبط کیے رہے۔ پھر آپؐ نے آنکھیں کھول لیں اور فرمایا:

"اور؟"

سہیل بولا:

"دس سال تک صلح رہے گی، ہر ایک کو امن حاصل ہوگا۔ اور کوئی کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔"

رسول خدا نے فرمایا:

"اور؟"

سہیل بولا:

"عرب کا جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ چاہے، معاہدہ میں شریک ہو جائے۔"

یہ تھیں قریش کی شرطیں۔ بات بگڑنے سے پہلے آپؐ سوچ لیجیے۔ لوگوں کو آپؐ کی تدبیر و حکمت سے بڑی امیدیں ہیں۔

آپؐ نے یہ شرطیں منظور کر لیں اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ صلح نامہ لکھیں۔

مسلمانوں نے یہ دیکھا، تو انہیں بہت ناگوار ہوا۔ حضرت عمرؓ پر سب سے زیادہ اثر ہوا۔ چنانچہ وہ اٹھ کر آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا:

"کیا آپؐ خدا کے رسول نہیں ہیں؟"

رسول خداؐ نے فرمایا:

"ہاں، ہوں۔"

عمرؓ بولے:

"کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"

رسول خداؐ نے فرمایا:

"ہاں، ہم مسلمان ہیں۔"

عمرؓ بولے:

"کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟"

رسول خدا نے فرمایا:

"ہاں، اس میں کیا شبہ ہے۔"

عمرؓ بولے:

"تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ اس طرح دب کر کیوں صلح کریں؟"

رسول خدا نے فرمایا:

"عمرؓ! میں خدا کا رسول اور بندہ ہوں۔ یہ اسی کا فیصلہ ہے۔ وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ پھر وہ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

"آپ خدا کے رسول ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔"

اب صلح نامہ تحریر ہونے لگا۔ حضرت علیؓ نے قلم اٹھایا۔ اور لکھنا شروع کیا۔

حضورؐ نے فرمایا:

"لکھو! بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔"

سہیل نے کہا:

"ہم میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کا رواج نہیں ہم اس سے ناواقف ہیں۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ لکھا جائے۔"

آپؐ نے منظور فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

"لکھو، یہ وہ شرطیں ہیں جن پر اللہ کے رسول محمدؐ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔"

سہیل نے فوراً حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

"ایسا نہ کیجیے۔ اگر قریش آپؐ کو رسول ہی مانتے، تو جھگڑا کس بات کا تھا۔ آپؐ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اگرچہ تم لوگوں نے جھٹلایا مگر خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر حضرت علیؓ سے فرمایا:

"لکھو! یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔"

پھر صلح کی شرطیں لکھی گئیں اور دونوں طرف کے کچھ آدمیوں نے اس پر دستخط کیے۔[۱]

ٹھیک اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ ایک شخص بیڑیوں میں گھسٹتا ہوا آیا۔ اور مسلمانوں کے سامنے گر پڑا۔ حالت اس بیچارے کی دیکھی نہ جاتی تھی۔ چہرہ اس شخص کا کیا تھا مظلوموں کی ایک زندہ تصویر تھی۔ یہ مظلوم قریش کا سردار سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا۔ ابوجندلؓ اس کا نام تھا۔ اس کے لیے مکہ میں جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو کر اپنے رب کا "بندہ" بن گیا تھا۔ نہ جانے کس طرح وہ گھسٹتا گھسٹاتا آیا تھا کہ کسی طرح قریش سے چھٹکارا مل جائے۔

سہیل نے ابوجندلؓ کو دیکھا تو جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے آپؐ سے کہا:

"یہ میرا لڑکا ہے۔ میں اس کا ولی ہوں۔ اگر اسے روک لیا گیا تو معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"ابھی معاہدہ لکھا کب گیا؟"

سہیل بولا:

"تو پھر ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اچھا، تم ہمیں اسے چھوڑ دو۔"

سہیل بولا:

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

حضورؐ نے کئی بار کہا، لیکن وہ تیار نہ ہوا۔ اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس پر آپؐ کو بہت ملال ہوا۔ چنانچہ کچھ دیر سر مبارک جھکا رہا۔ پھر آپؐ نے ابوجندلؓ کی طرف رخ کیا، اور انتہائی درد بھرے لہجے میں فرمایا

---

۱ جو مکہ میں قید تھا یا اس سے صلح حدیبیہ کے بعد رہا ہوا۔

''ابو جندلؓ! صبر سے کام لو۔ خدا تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے ضرور کوئی راہ نکالے گا۔ اب صلح ہو چکی۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

اب سہیل نے بیٹے کی گردن پکڑی، اور گھسیٹتا ہوا چلا۔ ابو جندلؓ مسلمانوں کو پکارتے رہے اور بار بار دردبھری آواز سے کہتے رہے:

''مسلمانو! کیا مجھے اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو، میں تو اسلام لا چکا ہوں۔ کیا پھر مجھے کافروں کے پنجے میں دے رہے ہو؟''

مسلمان یہ دردناک منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ تو اتنے بے قابو ہو گئے کہ انہوں نے تلوار لی۔ اور ابو جندلؓ کی طرف بڑھے، کہ لو، اس سے اپنی مدافعت کرو۔ لیکن ابو جندلؓ نے اس کی ہمت نہ کی۔ چنانچہ جبراً انہیں مکہ لے جایا گیا اور ادھر مسلمان غم و غصہ کی آگ میں سلگتے رہے۔

☆☆☆

مسلمان مدینہ لوٹ تو آئے۔ لیکن ان کا دل بجھا بجھا سا تھا کہ قریش تو شرطیں لگائیں اور مسلمان ان پر جابرانہ شرطوں کے سامنے سر جھکا دیں۔ حضرت ابوجندلؓ کا دردناک حادثہ بھی نگاہوں میں پھر رہا تھا، اور آنکھوں کی نیند اور دل کا چین غارت کر رہا تھا۔ اتنے میں قریش کا ایک اور آدمی بھاگ کر آیا۔ اور اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، اور آپؐ سے پناہ مانگی۔ یہ تھے حضرت ابوبصیرؓ۔ بہت ہی مخلص اور نیک دل مسلمان کافروں کے ظلم سے تنگ آ کر بھاگے کہ مدینہ میں پناہ مل جائے مگر پیچھے پیچھے مکہ سے دو آدمی اور آئے اور ان دونوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

پیارے نبیؐ مجبور تھے۔ کلیجہ پر سل رکھ کر اس غریب کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ دونوں نے مسلمانوں کے سامنے انہیں قید کیا، اور ساتھ لے کر مکہ چلے۔ مسلمان حسرت و افسوس سے انہیں تکتے رہے اور ان کی مظلومی اور اپنی بے بسی پر آنسو بہاتے رہے۔

دونوں آدمی حضرت ابوبصیرؓ کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچے۔ وہاں موقع ہاتھ آ گیا اور حضرت ابوبصیرؓ نے ایک کو قتل کر دیا۔ اب دوسرا سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور مدینہ پہنچ کر آپؐ سے شکایت کی۔ کچھ ہی دیر میں ابوبصیرؓ بھی آ پہنچے۔ عرض کیا:

"حضورؐ! آپؐ نے تو مجھے واپس کر دیا تھا۔ اب آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مدینہ سے چلے گئے۔ اور ریگستان کی خاک چھانتے رہے پھر سمندر کے ساحل پر پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے اب قریش کا کوئی قافلہ اُدھر سے گزرتا، تو اس پر چھاپہ مارتے اور جو کچھ ہاتھ آتا، لے بھاگتے۔ مکہ میں بہت سے مسلمان پڑے ہوئے تھے۔ اور قریش کی بیدردیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ معاہدہ کی وجہ سے وہ مدینہ بھی نہیں جا سکتے تھے۔ انہیں جب پتہ چلا کہ ایک نیا ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے۔ تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر وہیں آ گئے۔ اس طرح، ایک طاقتور ٹولی تیار ہو گئی۔ جس نے قریش کے قافلوں کا ناک میں دم کر دیا۔ وہ ان کا سارا سامان لوٹ لیتے اور پہاڑی دروں میں جا رکتے۔

قریش نے بہت کوشش کی لیکن ان پر قابو نہ پا سکے۔ بالآخر وہ عاجز آ گئے اور انہوں نے رسول خداؐ کے پاس کہلا بھیجا کہ:

''ہم اپنی شرط سے باز آئے۔ آپؐ ساحلی مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔''

آپؐ نے ان سارے مسلمانوں کو مدینہ بلا لیا۔

مسلمان سخت حیران تھے کہ جو شرط سب سے زیادہ ان کے خلاف اور قریش کے موافق تھی، قریش اس سے کیسے دست بردار ہو گئے۔ لیکن وجہ معلوم ہوئی تو ان کی حیرانی جاتی رہی۔ انہوں نے دیکھا کہ صلح حدیبیہ جسے وہ کھلی ہوئی ہار سمجھ رہے تھے، کتنی بڑی جیت ثابت ہوئی۔ اور اس وقت انہیں صلح حدیبیہ کی حکمتیں نظر آئیں۔ جو اس سے پہلے نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

اگلے سال مسلمان پھر مکہ گئے، وہ وہاں تین دن ٹھہر کر طواف و زیارت کیا۔ پھر مدینہ لوٹ آئے۔ قریش نے بھی اپنا وعدہ نبایا، اور انہوں نے مسلمانوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو گیا۔ اس سال لوگ کثرت سے مسلمان ہوئے۔ قریش کی صفوں سے بہت سے نامور بہادر ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کی گود میں آ گئے۔ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ حضرت خالدؓ قریش کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور حضرت عمرو بن العاصؓ ''عرب کا دماغ'' سمجھے جاتے تھے۔ آگے چل کر یہی دونوں فوج اسلام کے مشہور کمانڈر بنے ایک نے شام میں اسلام کا جھنڈا لہرایا، تو دوسرا فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوا۔

خزاعہ اور بکر عرب کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک زمانہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ مگر جب اسلام ان کے سامنے خطرہ بن کر ظاہر ہوا، تو دونوں آپس میں دشمنی بھول گئے اور اسلام کو مٹانے میں تن من سے لگ گئے۔ پھر حدیبیہ کی صلح ہوئی تو بکر نے سوچا کہ اب اسلام کا خطرہ جاتا رہا۔ لہٰذا اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا، اور انہوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ صلح حدیبیہ کی رو سے کچھ قبیلوں نے مکہ والوں کا ساتھ دیا تھا، اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ خزاعہ کا قبیلہ چونکہ مسلمانوں کا ہمدرد تھا۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اور ان کے دشمن بکر قریش کے ساتھ تھے۔ قریش کے کسی بھی ساتھی قبیلہ کا مسلمانوں کے کسی بھی ساتھی قبیلہ پر حملہ کرنا ور صلح معاہدہ کو توڑنا تھا۔ بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ یہی بات معاہدہ توڑنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن اسی

پر بس نہ تھا۔ قریش نے بھی بکر کی مدد کی۔ اور ان کے بہادروں نے صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلوار چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ظالموں نے حرم کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ ان میں گھس گھس کر بے دھڑک خون بہایا۔ کسی طرح کچھ آدمی بھاگ کر مدینہ پہنچے اور انہوں نے آپؐ سے فریاد کی۔ خزاعہ کی مظلومی کی داستان سنی تو آپؐ کو بڑا رنج ہوا۔ معاہدہ کی رو سے مدد آپؐ پر فرض تھی۔ لہٰذا آپؐ نے فوراً قریش کے پاس آدمی دوڑایا۔ اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کرو۔

۱۔ خزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے، ان کا خون بہا ادا کرو۔

۲۔ بکر سے الگ ہو جاؤ۔

۳۔ اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کا ایک سردار سب کی طرف سے بولا:

"تیسری شرط منظور ہے۔ اب ہم میں کوئی معاہدہ نہیں رہا۔"

کہنے کو تو یہ کہہ دیا گیا۔ لیکن آدمی چلا گیا۔ تو قریش بہت پچھتائے اور انہوں نے فوراً ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینہ دوڑایا کہ معاہدہ کو دوبارہ تازہ کرے اور آپؐ سے مزید مہلت مانگے۔

ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ تھیں۔ یہ پیارے نبی کی بیوی تھیں اور مدینہ ہی میں رہتی تھیں۔ ابوسفیان سب سے پہلے بیٹی کے گھر پہنچے۔ ہو سکتا تھا کہ مدت کے بعد باپ کا چہرہ دیکھ کر بیٹی کا دل بھر آتا اور پرانی یادیں تازہ ہو جاتیں۔ لیکن یہاں اسلام کی محبت دل میں گھر کر چکی تھی، سینے میں کفر سے نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ بیٹی نے باپ سے سیدھے منہ بات نہ کی۔ بالآخر ابوسفیان مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ سمجھ گیا کہ بیٹی میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قریش کا پیغام سنایا۔ مگر آپؐ کچھ نہ بولے۔ اب وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور انہیں بیچ میں ڈالنا چاہا۔ لیکن انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور الٹے کچھ ناراض بھی ہوئے۔

وہاں سے مایوس ہو کر وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو وہ سب سے زیادہ بپھرے ہوئے تھے۔ اس کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ اب وہ حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت حسنؓ ابھی بہت چھوٹے تھے اور اس وقت ان کی گود میں کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا:

"اس بچے سے صرف اتنا کہلا دو، میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔"

اگر یہ اتنا ہی کہہ دے تو آج سارے عرب کا سردار کہلائے۔ بولو! ایسا کر سکتی ہو؟"

حضرت فاطمہؓ نے کہا:

"ابوسفیان! تمہیں معلوم ہے، بچے ان معاملات میں کیا کر سکتے ہیں؟ پھر آپ کے مقابلہ میں کون پناہ دے سکتا ہے؟"

ان سے بھی بات نہ بنی تو اس نے حضرت علیؓ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ انہوں نے کہا:

"حضورؐ بات طے کر چکے ہیں۔ اس کے بارے میں کوئی کیا بول سکتا ہے۔ بس ایک شکل ہے۔ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو، میں حدیبیہ کی صلح بحال کرتا ہوں۔"

چنانچہ اس نے یہی کیا۔ پھر فوراً مکہ لوٹ گیا۔ مگر مکہ پہنچ کر جب اس نے لوگوں میں اپنا کارنامہ بیان کیا تو سب نے اسے ملامت کی اور کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ تم سے تو علیؓ نے مذاق کیا ہے اور تم اتنا بھی نہ سمجھے کہیں اس طرح صلح بحال ہوا کرتی ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ پھر قریشی سردار مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ سے صلح کر لی جائے۔ اور ان کے جو آدمی مارے گئے ہیں، ان کا خون بہا دے دیا جائے تا کہ محمدؐ اگر مکہ پر حملہ کریں تو وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔

بات طے ہوگئی تو بدیل چونکہ مکہ ہی میں بچے تھے اور یہ خزاعہ کے بہت بڑے رئیس اور معزز آدمی تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے ان سے ہی بات پکی کر لی اور جو لوگ مارے گئے تھے ان کا خون بہا بھیج دیا گیا۔ پھر یہ دونوں ساتھ ہی خزاعہ پہنچے تا کہ صلح کی بات بالکل پختہ اور اطمینانی ہو جائے۔

☆☆☆

ادھر رسول پاکؐ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور اسلامی قبائل کے نام پیغام بھیجا:

''جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ رمضان سے پہلے ہی مدینہ آ جائے۔''

چنانچہ مسلمانوں نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہا اور مختلف قبیلوں نے پوری تیاری کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ پھر رمضان کی دسویں تاریخ کو ہجرت کے آٹھویں سال پیارے نبیؐ دس ہزار جانثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں آپؐ کے چچا عباسؓ ملے۔ مسلمان تو یہ بہت پہلے ہو چکے تھے مگر اب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ سے آ رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور بہت ہی تپاک اور محبت سے ملے۔ پھر ان کے بچوں کو آرام و عزت سے مدینہ بھجوا دیا۔

چلتے چلتے اسلامی لشکر خزاعہ کے چشمہ پر پہنچ گیا۔ اور وہاں پہنچ کر وہ ایک بڑے میدان میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے آرام کرنے کے لیے خیمے بھی لگائے۔ ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس لیے آپؐ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ آگ روشن کرے۔ مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والوں پر شوکت اسلام کی دھاک بیٹھے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

پہرہ دینے والوں میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ یہ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہے تھے کہ پاس ہی انہیں دو صورتیں نظر آئیں۔ کانوں نے دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

بدیل بولا:

''ابوسفیان! بخدا یہ تو خزاعہ کی آگ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

ابوسفیان بولا:

''قیامت تک خزاعہ کی یہ شان نہیں ہو سکتی۔ یہ آگ کا جنگل، اور آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر!''

حضرت عباسؓ سے رہا نہ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے:

"ابوسفیان، میں عباس بن عبدالمطلب ہوں، اور یہ محمدؐ بن عبداللہ کی آگ ہے۔"

ابوسفیان چونک پڑا۔ اس نے حیرت سے پوچھا:

"تم یہاں کیسے آ گئے؟!"

عباسؓ بولے۔

"اللہ نے مجھے ہدایت دی، اور اب لشکر اسلام کا سپاہی ہوں۔"

پھر دونوں قریب ہوئے اور حضرت عباسؓ سے کہا:

"خزاعہ اور قریش میں تو صلح کی بات ہو چکی ہے۔ اب ذرا محمدؐ سے بھی سفارش کر دو۔"

عباسؓ بولے۔

"پہلے تم دونوں اسلام لاؤ۔"

بدیل نے پڑھا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔"

"بدیلؓ فوراً مسلمان ہو گئے۔ لیکن ابوسفیان ہچکچاتا رہا۔ ادھر حضرت عباسؓ بھی برابر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر خدا نے توفیق دی۔ اور اس کا سینہ بھی اسلام کے لیے کھل گیا، اور زبان حرکت میں آئی

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔"

اب حضرت عباسؓ دونوں کو لے کر خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو خوش خبری سنائی۔ دونوں کے اسلام کی خبر سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے اور دونوں کو مبارکباد دی۔

مکہ اب بالکل سامنے تھا۔ آپؐ نے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹولی کا الگ الگ کمانڈر بنایا۔ پھر سب کو حکم دیا کہ شہر میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں اور جب تک کوئی پہل نہ کرے، اس پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

آپؐ نے دیکھا کہ حضرت ابوسفیانؓ کا سر جھکا ہوا ہے۔ اور چہرے پر اُداسی ہے۔ فرمایا:

"کیا بات ہے ابوحنظلہ؟ ہمارے ساتھ تم مشوروں میں نہیں شریک ہو رہے ہو؟"

ابوسفیانؓ بولے:

"اللہ کے رسولؐ! اب قریش پر آپؐ کا غلبہ ہے اور آپؐ کے لشکر میں کچھ ایسے بھی ہیں جو

انتقامی جذبہ سے لبریز ہیں آپؐ سے گزارش ہے کہ فتح پائیں تو نرمی سے کام لیں اور دشمنوں کو ہمر پر بھنے کا موقع نہ دیں۔"

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

"نہیں، نہیں، ابوسفیانؓ! تم اطمینان رکھو۔ مکہ میں تو مسلمانوں کے بھی بھائی بند ہیں۔ مہاجرین کے بھی باپ بچا ہیں۔ وہیں محترم گھر بھی ہے۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا گھر۔ ابوسفیانؓ اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو:

"محمدؐ مکہ میں ایک اچھے بھائی کی طرح داخل ہوگا۔ آج کوئی غالب ہے نہ مغلوب۔ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح۔ آج تو محبت اور اتحاد کا دن ہے۔ آج تو امن و امان اور اطمینان کا دن ہے۔ ابوسفیانؓ کے گھر میں جو داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔

جو گھر کا دروازہ بند کرلے، اس کو امان ہے۔

جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔"

ابوسفیانؓ نے یہ محبت و پیار کی یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے اور دوڑے ہوئے مکہ گئے، کہ لوگوں کو یہ خوشخبری سنائیں۔ یہ خوشخبری پورے شہر میں آناً فاناً پھیل گئی، اور لرزتے کانپتے دلوں کو سکون و اطمینان کی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

لشکر اسلام مکہ میں داخل ہوا تو مشرکوں نے ہتھیار ڈال دیے، اور گھروں کے دروازے بند کر کے چھتوں اور جھروکوں سے جھانکنے لگے۔ آج لشکر اسلام، گہوارۂ اسلام میں داخل ہو رہا تھا۔ مسلمان نہایت شوکت سے شہر میں داخل ہوگئے۔ پورے امن و اطمینان کے ساتھ کہ نہ کہیں تلوار چلی نہ خون بہا۔

جب پوری طرح سکون ہوگیا، اور حالات معمول پر آگئے، تو آپؐ نے خانہ کعبہ کا ارادہ کیا۔ خدا کی شان، وہی گھر جو خلیل اللہ کی تعمیر تھا اور وہی کعبہ جو رسول بت شکن کی یادگار تھا۔ آج تین سو ساٹھ بتوں سے معمور تھا۔ رسول خداؐ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔ اس کی نوک سے آپؐ ٹھوکے دیتے جاتے اور زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہو رہے ہیں:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (بنی اسرائیل ۸۱)

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بلاشبہ باطل کو تو مٹنا ہی تھا۔"

آپ نے پھر کعبہ کی کنجی منگائی، اور دروازہ کھلوایا۔ دیکھا تو اندر تصویر کے دشمن..... خلیل بت شکن کی تصویر تھی، اور ان کے بیٹے اسمٰعیلؑ کی بھی۔ اور ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے۔ آپؐ نے انہیں مٹانے کا حکم دیا پھر فرمایا:

"خدا ظالموں کو غارت کرے۔ یہ بیچارے تو خدا کے پیغمبر تھے، جوئے سے کوسوں دور تھے۔"

پھر حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے اور جتنی تصویریں تھیں، سب مٹا دیں خانۂ خدا بالکل پاک صاف ہو گیا، تو آپؐ اندر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ بھی تھے۔ وہاں آپؐ نے نماز ادا کی یا چند بار تکبیریں کہیں۔

کعبہ کے سامنے اہل مکہ کا ہجوم تھا۔ لوگ قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بیتاب کھڑے تھے۔ اس وقت زبان مبارک سے یہ یادگار فقرے سنے گئے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثُرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ.

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام فوجوں کو تنہا نیچا دکھایا۔ سن لو، تمام مفاخر، خون کے تمام دعوے اور مال کے سارے مطالبے، میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ ہاں صرف کعبہ کی کلید برداری اور حاجیوں کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔"

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ النَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

"قریش کے لوگو! اب جاہلیت کی نخوت اور خاندانی مفاخرت کو خدا نے مٹا دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات ۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے بہت سے قبیلے اور

خاندان بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ.

"خدا اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔"

اس کے بعد رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور درشت لہجے میں پوچھا:

"اے قریش کے لوگو! جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟"

سب یک ساتھ پکار اٹھے:

خَيْرًا، أَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيْمٍ

"اچھا سلوک۔ آپ اچھے بھائی ہیں، اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذْهَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

یہ تھے کون لوگ...؟ کیا تم نے یہ بھی غور کیا؟ یہ محسن عالم کے باغی اور پیکر رحمت کے دشمن تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام کو مٹا دینے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے، اور وہ بھی تھے جن کی تلواروں نے ذات پاک کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، اور وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے آپ پر بے دردی سے پتھر برسائے تھے اور وہ بھی تھے، جنھوں نے ایڑیاں لہولہان کر دی تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے، جو جاں نثاروں کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر چٹانوں سے دبا دیتے تھے، اور وہ بھی تھے جو ان کے نحیف بدن اور جسم کو دہکتی ہوئی گرم سلاخوں سے داغتے تھے۔

اس تاریخ ظلم و ستم کو سامنے رکھو اور پھر رحمت عالم ﷺ کی شان کریمی کا اندازہ لگاؤ ع

اللہ رے وسعت ترے داماں کرم کی!
اس عجز کا ملتا ہی نہیں حوصلے سے تیرا

دمِ واپسیں

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ پیارے نبیؐ حج کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے۔
آپؐ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کا قافلہ تھا۔
اس حج کو لوگ "حجۃ الوداع" کہتے ہیں۔
اس لیے کہ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپ کو مکہ، خانہ کعبہ، اور عرفات کی زیارت کا موقع نہ مل سکا۔
مگر کچھ لوگ اسے "حجۃ البلاغ" بھی کہتے ہیں۔
کیونکہ رب کا جو پیغام پہنچانے کے لیے آپؐ دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ یہاں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔
وہ پیغام تھا، دینِ اسلام۔
حج کے موقع پر حضورؐ نے مسلمانوں میں ایک تقریر بھی کی۔ وہ تقریر حقیقت میں اسلام کا دستور تھی۔
تقریر شروع کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:
"پیارے بھائیو!
میں جو کچھ کہوں، غور سے سننا، کیونکہ مجھے نہیں معلوم! ہو سکتا ہے اس سال کے بعد میں تم سے یہاں "نہ مل سکوں!"
اس کے بعد آپؐ نے سارے مسلمانوں کو آخری وصیتیں کیں۔ جن کا نچوڑ یہ ہے:
"اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت مضبوطی سے پکڑے رہنا۔
لوگوں کی جان، مال اور عزت کا خیال رکھنا، کوئی امانت رکھے تو اس میں خیانت نہ کرنا، خونریزی اور سود خوری کے قریب نہ پھٹکنا۔
پیارے نبیؐ نے تقریر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ:
"مسلمان آپس میں کیسے رہیں۔ پھر عام انسانوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہو۔"

نیز آپؐ نے مساوات پر بہت زور دیا۔ اور اونچ نیچ، اور ذات پات کی زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں۔

خدا کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

سن لو! کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار تو صرف تقویٰ ہے۔"

تقریر سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

"اے لوگو! کیا میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا؟"

ایک لاکھ زبانیں ایک ساتھ بول اٹھیں:

"ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ!"

پیارے نبیؐ نے تین بار فرمایا:

"اے خدا! تو گواہ رہ۔"

تقریر ہو چکی تو حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ اور آپؐ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔ ٹھیک اس وقت جبکہ آپؐ نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے۔ خدا کی بارگاہ سے یہ بشارت آئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔"

پیارے نبیؐ نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ اب آپؐ کے چل چلاؤ کے دن آ گئے۔ اسی طرح جب آپؐ پر یہ سورہ اتری، تب بھی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ رو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دو سوتے جاری تھے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

"جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ اللہ کے دین میں دل کے دل داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے"

حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیتیں سنیں تو سمجھ گئے کہ آپ ﷺ جس کام کے لیے دنیا میں آئے تھے۔ وہ کام پورا ہو گیا۔ لہٰذا اب آپ ﷺ ہم میں صرف چند دن کے مہمان ہیں۔ یہ خیال آنا تھا کہ دل بے قابو ہو گیا۔ اور آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپکنے لگے۔

بھلا ابوبکرؓ کیوں نہ روتے؟ کہ پیارے نبی ان کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ وہی کیا، ہر ہر مسلمان آپ ﷺ پر دل و جان سے فدا تھا۔ آپ ﷺ کے سامنے جان کی کوئی قیمت تھی، نہ مال کی کوئی وقعت تھی۔ اور نہ اولاد کی ہی کوئی پروا تھی۔

...... ☆☆☆ ......

حجۃ الوداع کو ابھی تین ماہ سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ رسولِ پاکؐ پر بیماری کا حملہ ہوا۔ اتنا زوردار کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

بخار اتنا تیز ہوا کہ آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ آپؐ بستر سے اٹھے۔ گھر سے باہر آئے اور مسلمانوں کے قبرستان کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا:

''تم پر سلامتی ہو، اے قبر والو!''

پھر آپؐ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد گھر لوٹ آئے۔

پیارے نبیؐ بیمار ہوئے تو سب سے پہلے آپؐ کو قبرستان کی زیارت کا خیال آیا۔ قبرستان جانے میں یہ احساس بھی شامل تھا کہ اب آپؐ کے جانے کے دن قریب ہیں۔

صبح ہوئی تو پاک بیوی حضرت عائشہؓ کے پاس سے آپؐ کا گزر ہوا۔ دیکھا تو وہ درد سر میں مبتلا تھیں۔ اور بے قراری میں کہہ رہی تھیں:

''ہائے میرا سر!''

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

''عائشہؓ! بخدا میرے سر میں تو اور بھی زیادہ درد ہے۔ ہائے میرا سر۔''

حضرت عائشہؓ دوبارہ کراہیں۔

''ہائے میرا سر!''

پیارے نبیؐ نے فرمایا:

''عائشہؓ! کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ کہ میں خود ہی تمھیں کفن پہناؤں، تمہاری نماز پڑھاؤں، اور خود ہی تم کو دفن کروں!''

جوان عائشہؓ نے جواب دیا:

''کوئی اور بیوی اس کے لیے زیادہ اچھی رہے گی۔''

حضرت عائشہؓ کی بات سنی تو آپؐ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن تکلیف بے انتہا

تھی۔ اس لیے آپؐ اس سے زیادہ تفریح نہ کر سکے۔

حضورؐ کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے یہاں قیام فرماتے بیماری کی حالت میں بھی آپؐ کے اس معمول میں فرق نہ آیا۔ باری باری آپؐ ہر بیوی کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ پانچ دن تک یوں ہی چلتا رہا۔ پھر حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ یہاں تک کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔

مجبوراً آپؐ نے ساری بیویوں کو بلایا اور ان سے حضرت عائشہؓ کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت لی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ ساری بیویاں بخوشی تیار ہو گئیں۔

کمزوری بے انتہا تھی اور بے سہارا چلنا آپؐ کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آپؐ کو سہارا دے کر بڑی دقتوں سے حضرت عائشہؓ کے یہاں لائے۔ درد سر کی شدت سے سر میں رومال بھی بندھا تھا۔

مسلمان اداس اداس تھے۔ بے چین و بے قرار تھے۔ کیونکہ ان کا محبوب بستر علالت پر تھا اور مرض لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی آپؐ اس طرح نہ بیمار ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اور زیادہ مایوس اور فکر مند تھے۔

ہجرت کے چھٹے سال ہلکا سا بخار ہوا۔ آپؐ نے دو چار دن کھانے میں پرہیز کیا اور اس کا اثر جاتا رہا۔

ساتویں سال ایک یہودی عورت نے آپؐ کو زہر ملا گوشت کھلا دیا۔ زہر کے اثر سے کئی دن بے چینی رہی۔ لیکن کچھ دوا دارو کے بعد اس کا اثر بھی جاتا رہا۔

زندگی میں صرف دو واقعات ہوئے۔ اس کے علاوہ آپؐ ہمیشہ صحت مند اور تندرست رہے۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ آپؐ کے اصول ہی کچھ ایسے تھے کہ ان کا جو بھی خیال رکھے، بیماری اس کی طرف نگاہ نہ اٹھائے۔

کھانا اسی وقت کھاتے جب بھوک لگتی اور کھا کر اٹھتے۔ تب بھی بھوکے ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہِ مصر نے آپؐ کے پاس بطور ہدیہ ایک طبیب، دو باندیاں (ماریہ اور سیرین) اور کچھ شہد بھیجا۔

آپ نے شہد اور باندیوں کو تو قبول کر لیا مگر طبیب کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ تو بھوک کے بغیر کھانا ہی نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو بھوک سے کم ہی کھاتے ہیں۔ بھلا بیماری کا یہاں کہاں گزر؟

اس کے علاوہ آپ ہمیشہ صاف ستھرے رہتے۔ دن میں پانچ بار وضو کرتے۔ کپڑے پاکیزہ رکھتے۔ گندگی اور پھوہڑ پن سے خود بھی نفرت کرتے اور دوسروں کو بھی پاک صاف رہنے کا شوق دلاتے فرماتے:

''صفائی ستھرائی ایمان کا جزو ہے۔''

آپ کبھی سستی اور بیکاری کو راہ نہ دیتے۔ بلکہ سرگرم اور مستعد رہتے۔ کبھی عبادت میں مصروف ہوتے تو کبھی مسلمانوں کی بہبودی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور اس سے بے رات کو سوتا تک بھول جاتے۔

آپ عیش و راحت کے بندے اور خواہشات کے پجاری نہ تھے آپ کی خواہشات بھی مسلمان تھیں۔ جتنی بے جا لذتیں اور مضر دلچسپیاں ہیں۔ ان سب سے آپ کوسوں دور تھے۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ جو بھی ان کا خیال رکھے صحت اور تندرستی اس کے قدم چومے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ بیمار ہوئے اور طبیعت سنبھلتی ہوئی نہ معلوم ہوئی تو بیویاں بے چین ہو گئیں اور جاں نثار بے قرار ہو گئے۔

☆☆☆

۞

رسولِ پاکؐ کی حالت گرتی ہی گئی۔ حرارت کبھی گھٹ جاتی اور کبھی بڑھ جاتی۔
جب تک پیروں میں دم رہا اور چلنے پھرنے کی طاقت رہی۔ آپؐ مسجد جاتے رہے اور مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔
پھر عشاء کا وقت ہوا تو آپؐ نے پوچھا:
"نماز ہو چکی؟"
جاں نثاروں نے عرض کیا:
"حضورؐ کا انتظار ہے۔"
آپؐ نے لگن میں پانی بھروایا اور غسل کیا پھر اٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا۔ تو پھر پوچھا:
"نماز ہو چکی؟"
جاں نثاروں نے عرض کیا:
"حضورؐ کا انتظار ہے۔"
آپؐ پھر نہائے اور اٹھنا چاہا۔ مگر اس بار بھی آپؐ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر میں پھر ہوش آیا۔ دریافت فرمایا:
"نماز ہو چکی؟"
پھر وہی جواب ملا:
"حضورؐ کا انتظار ہے۔"
چنانچہ جسم مبارک پر پانی ڈالا گیا۔ مگر اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس بار ہوش آیا۔ تو آپؐ نے فرمایا:
"ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔"
حضرت عائشہؓ نے کہا:

"اللہ کے رسولؐ! ان کی آواز بہت دھیمی ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں، تو روتے بھی بہت ہیں۔ لوگ ان کی آواز سن نہیں سکیں گے۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"انہی سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔"

حضرت عائشہؓ نے دوبارہ وہی بات عرض کی۔

حضورؐ تکلیف سے بے چین تھے۔ مگر غصے سے آواز کافی بلند ہو گئی۔ فرمایا:

"کہو ابوبکرؓ سے، وہی نماز پڑھائیں گے۔"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور کئی دن تک نماز پڑھاتے رہے۔

پھر وفات سے چار دن پہلے کچھ سکون ہوا۔ ظہر کا وقت تھا۔ سات مشک پانی سے آپؐ نے غسل کیا۔ پھر کپڑے پہنے۔ سر میں رومال باندھا اور علیؓ و عباسؓ کے سہارے مسجد گئے۔ نماز ہو رہی تھی۔ اور حضرت ابوبکرؓ امام تھے۔ آہٹ پا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آپؐ نے روک دیا۔ اور ان کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے۔ پھر نماز کے بعد آپؐ نے چھوٹی سی تقریر کی۔ فرمایا:

"مسلمانو!

مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے گھبرا رہے ہو۔

مجھ سے پہلے جتنے نبیؑ آئے، ان سب کو موت آئی۔ آخر میں بھی تو ان ہی جیسا ایک نبی ہوں۔

سن لو! جن لوگوں نے پہلے ہجرت کی ہے، ان کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا۔

مہاجرین بھی آپس میں نیک سلوک کریں۔

ہاں، انصار کے ساتھ بھی ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا۔

جو انصار بھلائی کریں، ان کے ساتھ بھلائی کرنا جو خطا کریں، ان سے درگزر کرنا۔"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"تمام مسلمان بڑھتے جائیں گے۔ مگر انصار اسی طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ مسلمانو! وہ اپنا کام کر چکے۔ اب تم کو اپنا کام کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ میرے بعد جو مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ نیک

سلوک کرے۔"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"مسلمانو!

میں نے وہی چیز حلال کی ہے، جو خدا نے حلال کی ہے۔

اور اسی چیز کو حرام کیا ہے، جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔

مسلمانو! اگر کسی کو میں نے مارا ہو تو یہ پیٹھ حاضر ہے۔ مجھ کو بھی وہ مار لے۔

کسی کو میں نے کچھ کہا ہو، تو وہ بھی آج مجھ کو کہہ لے اور کسی کا میں نے کچھ دیا ہو تو لے لے۔"

ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! آپ کے پاس میرے تین درہم ہیں۔"

آپؐ نے اس کو تین درہم دے دیے۔ پھر فرمایا:

"اے رسولِ خدا کی بیٹی فاطمہؓ!...... اے رسولِ خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

رسولِ پاکؐ کے پاس بیت المال کی سات اشرفیاں تھیں۔ بیمار ہوئے تو اندیشہ ہوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے۔ اور یہ اپنے پاس ہی رہ جائیں۔ چنانچہ حکم دیا کہ انہیں غریبوں کو دے دیا جائے۔ لیکن سب لوگ تو تیمارداری میں مصروف تھے۔ کسی کو آپؐ کا حکم یاد نہ رہا۔

وفات سے ایک دن پہلے آپؐ کو پھر خیال آیا۔ پوچھا:

"وہ اشرفیاں کیا ہوئیں؟"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسولؐ! وہ ابھی گھر میں ہی ہیں۔"

آپؐ نے انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا۔

پھر آپؐ نے ان کو ہتھیلی پر رکھا اور فرمایا:

"اگر محمدؐ کو موت آ گئی اور یہ اس کے پاس ہی رکھی رہ گئیں، تو وہ اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟"

پھر آپؐ نے ان کو چند غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔

تکلیف بہت بڑھ گئی۔ بخار تیز ہوا کہ پورا جسم جلنے لگا۔ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ روز باپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ آپؐ انہیں دیکھ کر شفقت سے کھڑے ہو جاتے اور بوسہ دیتے پھر اپنے پاس بٹھا لیتے آج بے چینی بلا کی تھی۔ کمزوری بھی انتہا کی تھی۔ اس لیے حضرت فاطمہؓ آئیں، تو اٹھ کر آپؐ پیار نہ کر سکے۔ چنانچہ وہ پاس آئیں اور خود انہوں نے آپؐ کو بوسہ دیا۔ پھر آپؐ کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔

بخار اتنا تیز تھا کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ پاس ہی ایک برتن میں ٹھنڈا پانی تھا۔ آپؐ اس میں ہاتھ ڈالتے، پھر چہرہ پر ملتے۔ بے چینی بلا کی تھی۔ عین اسی وقت مبارک ہونٹ ہلے اور کانوں نے یہ الفاظ سنے:

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، کہ وہ اپنے پیغمبروں کی قبروں پر سجدے کرنے لگے۔"

دوشنبہ کی رات ہوئی تو حرارت بہت گھٹ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا گویا بخار جاتا رہا۔ بے چینی نام کو نہ تھی۔ طبیعت کو بالکل سکون تھا جس نے بھی دیکھا، سمجھا کہ آپؐ اچھے ہو گئے۔ چنانچہ اداس چہرے پھر چمک اٹھے اور مرجھائے ہوئے دل پھر لہلہا اٹھے۔

حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ صبح ہوئی تو آپؐ نے پردہ اٹھا کر مسجد کی طرف دیکھا، مخلص ساتھی فجر کی نماز میں مصروف تھے۔ دیکھ کر آپؐ مسکرا دیے کہ خدا کی زمین پر آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا۔ جو آپؐ کی تعلیم کا نمونہ بن کر اللہ کی یاد میں مصروف ہے۔ کچھ آہٹ ہوئی تو ساتھی سمجھے کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ خوشی سے وہ بے تاب ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ دیں۔ حضرت ابوبکرؓ امام تھے۔ انہوں نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں لیکن آپؐ نے اشارہ سے روک دیا۔ پھر حجرہ کے اندر ہو کر پردہ گرا دیا۔ کمزوری اس قدر تھی کہ پردہ اچھی طرح نہ گرا سکے۔ پیروں پر کھڑا ہونا بھی دشوار تھا۔ لیکن ساتھیوں کو خوش دیکھ کر آپؐ بھی بے حد خوش تھے۔

کمزوری دم بدم بڑھتی جا رہی تھی اور موت ہولے ہولے سرکتی آ رہی تھی۔ آپؐ نے برتن میں ٹھنڈا پانی مانگا۔ پانی فوراً حاضر کر دیا گیا۔ آپؐ بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے، اور کبھی ہٹا دیتے۔ اس وقت لگاتار زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تَحَمُّلِ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ.

"اے اللہ جان کنی کی پریشانیاں جھیلنا میرے لیے آسان کر۔"

پیارے باپ کی بے چینی دیکھ کر حضرت فاطمہؓ بے چین ہو گئیں، بے اختیار چیخیں:

"ہائے میرے باپ کی بے چینی!"

آپؐ نے سنا تو فرمایا:

"آج کے بعد پھر تمہارا باپ بے چین نہ ہوگا۔"

سہ پہر کا وقت تھا۔ سینہ میں سانس گھڑگھڑا رہی تھی۔ اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے اور کانوں میں یہ آواز آئی:

"نماز، اور غلاموں سے نیک سلوک۔"

پھر ہاتھ اوپر اٹھے۔ آپؐ نے انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا:

بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی.

"اب اور کوئی نہیں۔ بس وہی سب سے بڑا ساتھی۔"

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں چھت سے لگ گئیں۔ اور روح پاک خدا سے جا ملی۔

دوشنبہ کا دن تھا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ جاں نثاروں کی نظر میں دنیا اندھیری ہو گئی اور دلوں کی بستی میں سناٹا چھا گیا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

وفات کے وقت آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

☆☆☆

کیا سچ مچ رسول خدا چل بسے؟

جو مسلمان بھی یہ دل خراش خبر سنتا، بے ساختہ اس کی زبان پر یہ سوال آ جاتا:

''اف! اف!!''

ابھی چند ہی گھنٹے پہلے تو ہم نے آپؐ کو دیکھا تھا۔ آپؐ نے ہم سے باتیں بھی کی تھیں۔

پھر آپؐ تو اللہ کے برگزیدہ ہیں۔ اللہ نے آپؐ کو پیغمبر بنایا ہے بہت سے لوگ آپؐ پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔

علاوہ بریں آپؐ تو ایک خدائی طاقت ہیں۔ آپؐ نے تو پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اتنا بڑا انقلاب برپا کیا کہ زمانہ بھول نہیں سکتا۔

اور...... اور آپؐ ہی نے تو انسانوں کو اندھیرے سے اجالے میں پہنچایا ہے۔ گمراہی سے نکال کر سیدھے رستہ پر لگایا ہے۔

نہیں، نہیں! یہ کیونکر ممکن ہے؟

آپؐ کے مرنے سے تو وحی رک جائے گی، جو اب تک کسی نبی کے مرنے سے نہیں رکی۔

حضرت عمرؓ نے یہ غمناک خبر سنی، تو ان کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ بے تحاشا وہ عائشہؓ کے گھر کی طرف دوڑے۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ آپؐ کی وفات ہوئی۔

جسم مبارک پر چادر پڑی تھی۔ حضرت عمرؓ نے چہرہ سے چادر ہٹائی۔ دیکھا تو آپؐ بالکل بے حس و حرکت تھے۔ سوچا کہ بے چینی زیادہ ہے۔ اسی لیے بے ہوشی کا عالم ہے۔ تھوڑی دیر میں پھر ہوش آ جائے گا۔

اس کے بعد وہ مسجد گئے۔ دیکھا تو لوگ سسکیاں لے رہے تھے فوراً نیام سے تلوار کھینچ لی اور کڑکتے ہوئے بولے:

''جو بھی کہے گا کہ محمد مر گئے، اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

پھر نہایت گرجدار آواز سے کہا:

"لوگو!

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول خدا مر گئے بخدا آپؐ ابھی مرے نہیں ہیں۔
حضرت موسیٰؑ کی طرح آپ بھی چالیس دن غائب رہیں گے۔ پھر لوٹ کر آئیں گے۔
اور جس نے بھی کہا ہوگا کہ آپؐ مر گئے۔ اس کو دردناک سزا دیں گے۔"

وفات کی المناک خبر حضرت ابوبکرؓ کو بھی ملی۔ سنتے ہی وہ تڑپ اٹھے۔ فوراً مسجد پہنچے دیکھا تو حضرت عمرؓ لوگوں میں تقریر کر رہے تھے۔ مگر وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر گئے۔ جسم مبارک پر چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر فرمایا:

"اے رسول خداؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! زندگی میں بھی آپؐ اچھے رہے۔ مرنے کے بعد بھی آپؐ اچھے رہیں گے۔"

پھر مسجد گئے دیکھا تو حضرت عمرؓ کی تقریر جاری تھی۔ وہ لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ رسول خداؐ ابھی زندہ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو آواز دی:

"عمرؓ! ذرا ٹھہرو۔ مجھے کچھ کہنے دو۔"

مگر حضرت عمرؓ بے قابو تھے۔ اس لیے انہوں نے ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ اور برابر بولتے رہے۔

اب حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی سارے مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ مجمع پر چھا گئے۔ اور یہ مشہور تقریر کی:

لوگو!

اگر کوئی محمدؐ کی بندگی کرتا تھا تو محمدؐ اس جہان سے تشریف لے گئے اور کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے۔ اس کے لیے بھی موت نہیں۔"

پھر یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ

الشّٰکِرِیْنَ ○ (آل عمران:۱۴۴)

"اور محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے۔ اگر وہ مر جائیں یا خدا کی راہ میں مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ اس نعمت کی قدر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔"

یہ تھی وہ بصیرت افروز تقریر جو حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت کی۔ مسلمانوں نے یہ تقریر سنی۔ تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کڑوی حقیقت کا انہیں یقین کرنا ہی پڑا۔ سب کو ایسا معلوم ہوا کہ آیت پاک آج ہی اتری ہے۔ چنانچہ اس دن ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی، اور ہر طرف اسی کا چرچا تھا۔

مسلمانوں کے دل آپؐ کے عشق و محبت اور عقیدت سے لبریز تھے۔ اس لیے وفات کی خبر ان پر بجلی بن کر گری اور سنتے ہی وہ بدحواس ہو گئے۔ چنانچہ اسی بے خودی میں انہوں نے وفات کا انکار بھی کر دیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے قرآن پاک کی آیت پڑھی تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں ہوش آیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر سنی تو زمین پر گر پڑے۔ اب وفات میں شک کی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے کہا:

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔"

حضرت عثمانؓ کا کیا حال تھا؟ ان کے بھی ہوش و حواس گم تھے اور غم کی شدت سے زبان پر تالے لگے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"یوں سمجھنا چاہیے گویا ہماری آنکھوں پر پردے پڑے تھے اور وہ پردے ہٹ گئے۔"

یہی لوگ نہیں۔ تمام مسلمانوں کا یہی حال تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی تو سب کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ پیارے نبی ﷺ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خود حضرت ابوبکرؓ کا اس موقع پر کیا حال تھا؟ وہ صبر و تحمل اور وقار کے پہاڑ تھے۔ وہ نازک موڑ پر صحیح رہنمائی کا بہترین نمونہ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کو پیارے نبیؐ سے کم محبت نہ تھی۔ وفاداری اور جاں نثاری میں وہ کسی سے

پیچھے نہ تھے۔ گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے جب یہ آیت پڑھی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔''

تو حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ اور جب یہ سورہ اتری:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ، اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا○ (سورۃ النصر)

''جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے''

تب بھی حضرت ابوبکرؓ بے قابو ہو گئے۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ اب آپؐ کے دن قریب آ گئے اور یہ دن بُرا دن دیکھنے کے لیے وہ پہلے ہی سے تیار ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ پیارے نبیؐ کی وفات ہوئی، تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مسلمان کلیجہ تھام کے رونے لگے۔ کتنے بالکل بے خود اور بدحواس ہو گئے لیکن حضرت ابوبکرؓ صبر و تحمل کا پیکر بنے رہے اور اس نازک وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی۔

غور کرو تو مسلمانوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ کہ ایسے خطرناک وقت میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کو صحیح راہ سجھائی۔ پھسلتے ہوئے انہیں سنبھال لیا۔ اور پھوٹ میں پڑنے سے انہیں بچا لیا۔

☆☆☆

جسد مبارک ڈھکا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ آپے سے باہر تھے سارے مسلمان بے خود و بدحواس تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ انہیں سمجھا رہے تھے، کہ یہ خدا کی مشیت ہے۔ مومن کی شان ہے کہ خدا کی مشیت کو خوشی خوشی گوارا کرے۔ اس کے ہر فیصلے کو اپنے لیے بہتر سمجھے اور ہمیشہ راضی بہ رضا رہے کہ اتنے میں ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور اس نے کہا:

"ابوبکرؓ، عمرؓ!

سب انصار جمع ہیں اور اپنے میں خلیفہ چن رہے ہیں جلدی دوڑو ورنہ ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا اور پھر مسلمانوں میں پھوٹ کا آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فوراً دوڑے ہوئے گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بھی ساتھ تھے۔ دیکھا تو سب انصار جمع تھے۔ کچھ مہاجرین بھی موجود تھے۔ خوب گرما گرم بحثیں ہو رہی تھیں اور زوروں پر تو تو میں میں جاری تھی۔ ایک دوسرے پر چوٹیں بھی ہو رہی تھیں۔

مگر ان لوگوں نے پہنچ کر حالات پر قابو پایا۔ اور حکمت سے لوگوں کو سمجھایا بجھایا۔ پھر سب کی رائے ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ چن لیے گئے۔ اس طرح سارا جھگڑا رفع دفع ہو گیا۔

جسد مبارک بھی اسی طرح رکھا تھا۔ گھر اور خاندان کے لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے۔ اور آپؐ کو آنسوؤں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔

خلیفہ کا چناؤ ہو چکا تو آپؐ کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا۔ آپؐ کو نہلایا گیا۔ نہلانے کے بعد تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ پھر سارے مسلمانوں کو موقع دیا گیا کہ محبوبؐ پر آخری نظر ڈال دیں۔ اور درود و نماز سے بھی فارغ ہو لیں۔

جسد مبارک کے گرد جاں نثاروں کا ہجوم تھا، کہ عشق و عقیدت میں ڈوبی ہوئی یہ آواز کانوں میں آئی۔

"اے اللہ کے رسول!

سلامتی ہو آپؐ پر، اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے رب کا پیغام

پہنچا دیا۔ اور دین کے لیے جان لڑاتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اسے غالب کر دیا۔"

یہ آواز آپ ؐ کے یارِ غار ابوبکرؓ کی آواز تھی۔

مرد نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی باری آئی۔ پھر بچوں کو بھی موقع دیا گیا۔ لوگ بے تابانہ آتے تھے۔ اور باچشم نم واپس چلے جاتے تھے۔

وفات کے دو دن بعد آپ ؐ قبر مبارک میں لٹا دیے گئے۔ اور پھر قیامت تک کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

......☆☆☆......

محمد عربی ﷺ

کے تصور میں

وہ جانِ حیاتِ کون و مکاں، وہ روحِ نجاتِ انسانی
وہ جس کی بلندی کے آگے افلاک ہوئے پانی پانی
وہ فقر کا پیکر جس کے قدم چھوتا ہے شکوہِ سلطانی
ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب ان کی حقیقت پہچانی
احساسِ خطا کی پلکوں سے آنسو بن کر گر جاتا ہوں!
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں!

خونیں اندھیروں کی آندھی ہر نور نگلتی جاتی ہے
انسان کی یہ فردوسِ زمیں دوزخ میں ڈھلتی جاتی ہے
یہ امت جس کے فتنوں میں ہر گام پہ بٹتی جاتی ہے
انساں پہ فرشتے روتے ہیں، شیطان کی چلتی جاتی ہے
اسلام کی چیخیں سنتا ہوں، خاموش گزرتا جاتا ہوں!
کہنے کو مسلماں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں!

اسلام کی یہ تاریخ ہے، طوفان اٹھے، بھونچال آئے
وہ جن کی نظر تھی عرش رسا، مرتے گرتے پاتال آئے
روحوں کی بصیرت سب کھوئی، دل کے شیشوں میں بال آئے
پیغامِ عمل دہراتے ہوئے تیرہ سو پریشاں سال آئے

محصور جہاد ہستی میں "قربانی" سے گھبراتا ہوں!
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

آباد ہوئیں عشرت گاہیں، ویران مساجد روتی ہیں!
طاری ہے فضا پر موسیقی، پامال اذانیں ہوتی ہیں!
برباد خزاں ہے مستقبل، ماضی کی بہاریں سوتی ہیں!
پھولوں کے بجائے کانٹوں میں شبنم کے شگوفے موتی ہیں

بے وقت عمل، کردار بے شکل، کیا دست دعا پھیلاتا ہوں!
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں!

طائف میں مقدس خون بہا، مکے میں بھی پتھر کھائے!
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ؟ انسان ہدایت پا جائے
ہر زخم کو لگا کر سینے سے درماں کے طریقے سکھلائے
کیا قہر ہے! یہ انسان اسی محسن کو بھلا کر کھو جائے!

اف کتنے گناہوں کے ہاتھوں دینی بنیادیں ڈھاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں!

باطل کی بھیانک سازش میں، شیطان کی ظالم گھاتوں میں
اسلام ہوا ٹکڑے ٹکڑے فرقوں میں، جتھوں میں، ذاتوں میں
میں میٹھی نیندیں سوتا ہوں اس موت کی کالی راتوں میں
خود اپنے لہو کا پیمانہ رقصاں ہوں اٹھائے ہاتھوں میں

ماحول کی رنگ رنگت میں اپنا ناپاک لہو دوڑاتا ہوں!
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں!

برف سی خاموشی میں گر...... اک درد بھری آواز ہے کیا؟
مضراب جگر نے چھیڑ دیا پھر دہن عرب کا ساز ہے کیا؟
باطل کے مقابل ابھرے ہیں پھر سے جو مسلماں راز ہے کیا؟
کیا ختم ہوئی طاغوتی شب؟ صبح نو کا آغاز ہے کیا؟

سنتا ہوں کہیں سے بانگ درا، تھمتے ہیں قدم رک جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

﴿شمس نوید عثمانی﴾

.......☆☆☆...

ہماری دیگر مطبوعات